TEXT CROSS WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222501

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. س-ت/۸۹۱۵۴۳۶ Accession No. ۱۸۲۶۴

Author ترکی، شرک علی شاہ ملنگ بلگرامی

Title سرمایۂ حیات سنہ ۱۳۳۳ھ

This book should be returned on or before the date last marked below.

یاھو

الحمد لله

Checked 1975

که بعون رنگین فرمائے گلزار کون و مکان و بہار افزائے چمن دو جہان دیرین زمان

میمنت نشان دیوان اردو مولانا ترکی صاحب قلندر نور محلی مخاطب بامیر الشعرا

موسومہ بہ

سرمایۂ حیات

Checked 1975

باہتمام

کمترین سید رحیم الدین کان اللہ لہ مالک و مہتمم

(❁)

در مطبع شمس الاسلام زیور طبع آراستہ گردید

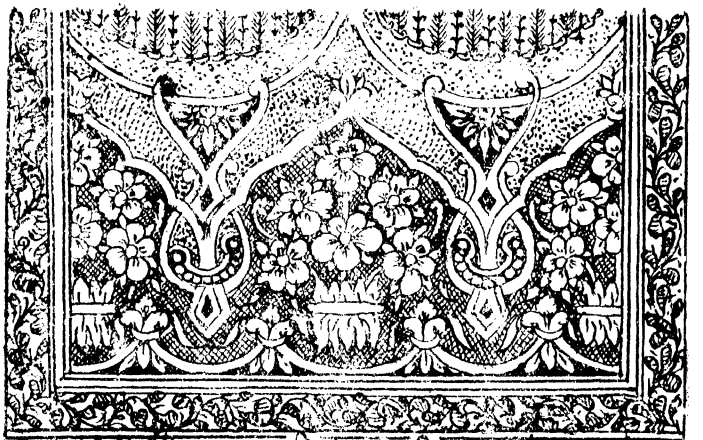

یا حیّ یا قیّوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طالب تری دیدار کا موسےٰ نظر آیا
بیمار ترے غم کا مسیحا نظر آیا

وحشت نے کیا زور تو صحرا نظر آیا
اشکون کا ہوا جوش تو دریا نظر آیا

ناگاہ جو اُس بُت کا سراپا نظر آیا
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

واعظ بھی ہمین طالب دنیا نظر آیا
بینا جسے سمجھے تھے وہ اعمےٰ نظر آیا

کچھ طور ہی پر شرط نہین حضرت موسےٰ
اللہ کا جلوہ ہمین ہر جا نظر آیا

باطن مین جو ہو فرق تو ہو وہ بظاہر
کعبہ بھی ہمین شکل کلیسا نظر آیا

توبہ کو کیا بند وہین شیشہ مین ہم نے
محفل مین جو پیمانہ صہبا نظر آیا

یاد آگیا اے سرو ترا قامت بالا
جب گلشن فردوس مین طوبا نظر آیا

جائین گے لپٹ اُسکو غبار اپنا سمجھکر
صحرا مین اگر کوئی بگولا نظر آیا

ہر چند ہون لاغر پہ اُٹھانو نگاہ ہے
گر راہ مین تیرے کوئی تنکا نظر آیا

شرمندہ ہوا یار سے قتل جو ترکی
مشہد پہ ہمارے اُسے میلا نظر آیا

پہیر تا حلق پہ ہے میری وہ خنجر اُلٹا
کیا مقدر ہے مرا اے مری داور اُلٹا

کعبہ کا ذکر جو کرتا ہون تو سنکر ضد سے
مجھ سے بچوا تا صنم کو ہے وہ کافر اُلٹا

اک ورق مین بھی نہین نام ہمارا مرقوم
ہم نے سر اتارے عشاق کا دفتر اُلٹا

رب نعم اُس نے پہلی مین جو اظہار کیا
مین نے سمجھا کہ یہہ ہے لفظ معبر اُلٹا

سخت گو سخت ہی سنتا ہی کہ جیسے اکثر
لگ کے پتھر کو چلا آتا ہے پتھر اُلٹا

بال کاغذ کی طرح ہو گئے لیکن اب تک
نامہ بر پلٹا نہ واں سے نہ کبوتر اُلٹا

مثنوی قلب کی صنعت جو شنو لو پہ تھی
لفظ داماد وہین مین نے سنا کر اُلٹا

بند ہین کوچہ دلدار کے شاید رستے
کہ چلا آتا ہے وہ خضر سا رہبر اُلٹا

یار محفل مین جو دینے لگا مجھکو ساغر
کر دیا غیر نے جھکر مرے ساغر اُلٹا

تیرے دریای سخاوت سے نہین ہی شاکی
تشنہ لب جاؤن مین اے ساقی کوثر اُلٹا

یار کی مانگ سے نکلا نہ مرا دل ترکی
کیون نہ ظلمات سے آیا یہ سکندر اُلٹا

ولہ

بیمار محبت کو سنبھلتے نہین دیکھا
آئی ہوئی افتاد کو ٹلتے نہین دیکھا

ولہ

مجھ سے ہم آغوش جب وہ سیمتن ہو جائیگا
لالۂ ہر داغ گلبرگ سمن ہو جائے گا

یوسف دل گر یوہین گرد رہ گیسوئے یار
ایکدن لاشون سے پر چاہ ذقن ہو جائیگا

گر رقم مضمون زلف پر شکن ہو جائیگا
میرا مطلع رو کش مشک ختن ہو جائیگا

چمکے گا گر گوہر مو باف شبکو شرم سے
کالے پتھر کیطرح کا لیکا من ہو جائیگا

مین نہین عریان جو قایم پھے غبار کوی یار
زندگی مین پیرہن مر کر کفن ہو جائیگا

زندگی مین گر نہین ہی قدر تو مرنیکے بعد
بیش قیمت لعل سے میرا سخن ہو جائیگا

گر در جانان پہ ترکی بیٹھنے دیگا رقیب
پھر نہ اٹھون گا وہین سے میرا وطن ہو جائیگا

زلف دستی ہے تو کرتا ہون بہانہ سانپ کا
کر دیا کم اسکے قصہ نے فسانہ سانپ کا

مین ہون معشوق قلندر شیر پر ہو کر سوار
ہاتھ مین رکھونگا اپنے تازیانہ سانپ کا

قول یہ سچ ہے کہ ہو جاتا ہے حافر یہ ضرور
ذکر کرتے بس جگہ مین عاشقانہ سانپ کا

تیری زلف عنبر آگین مین نہین ہو مہ رخ
وہ اگر ہے سانپ تو یہ ہے زبانہ سانپ کا

ہین تری زلفون کا اب ہر دم تماشا دیکھتے
کھیل کرتے تھے کہ جو روز و شبانہ سانپ کا

کاٹتی اڑ کر ہے کیون پھر زلف کی ناگن مجھے
تیری چوٹی مین نہین گر آشیانہ سانپ کا

دیکھکر افعی گیسو کا ترے زہرا ے صنم
ہو گیا ہے دشمن اب سارا زمانہ سانپ کا

رکھہ کے ابرو کی کمان مین شبکو پیکان مژہ
کیا اڑایا چشم جانان نے نشانہ سانپ کا

مین لکھونگا آذر گیسو کو رخ پر دیکھکر
گنج حسن روی جانان پہ خزانہ سانپ کا

مار زلف یار کا عاشق ہون ہر شب اس لئے
سنتا ہون جا جاکے بانسی پر ترانہ سانپ کا

بھیجہ غزل سکتا نہین ممکن کہ ترکی پھر سنے
عاشق گیسو فسون گر ہے فسانہ سانپ کا

وحشت نے دکھایا مجھے صحرا کا تماشا
آب صدفِ چشم نے دریا کا تماشا

ہر شام و سحر قبۂ گردوں سے ملایک
کرتے ہین تری قامتِ بالا کا تماشا

افیون کو جو کھا کر کبھی ہوتے ہین مراقب
ہم کرتے ہین پھر عالمِ بالا کا تماشا

دیکھینگے ترے لعلِ فسون ساز کے آگے
ہم معجزۂ خضر و مسیحا کا تماشا

جس شخص نے دیکھا ہی جبین کا ترے جوہر
کرتا ہے وہ کب عقدِ ثریا کا تماشا

اب سیر وہ اشکون کی مری کرتی ہین ہر شب
دن بھر جو کیا کرتے تھے دریا کا تماشا

ڈالیگا کبھی آنکھ نہ وہ حور پہ جس نے
دیکھا ہے تری عارضِ زیبا کا تماشا

گرگٹ کیطرح رنگ بدلتی ہی نہ پھر کیون
دلکش ہو رخِ قحبۂ دنیا کا تماشا

افسوس کہ تھا قابلِ دیدن دمِ کشتن
بیدرد ترے عاشقِ شیدا کا تماشا

ہو جائیگا واعظ وہین رہبانِ کلیسا
دیکھے گا اگر اُس بُتِ ترسا کا تماشا

مدہوش ہے کوئی تو کوئی رقص کناں ہے
ترکی ہے عجب محفلِ صہبا کا تماشا

بڑھ گیا اور جنون آپکے سودائی کا
کچھ نہ چارہ جو دعوی ہے مسیحائی کا

ولہ

میرے نالہ پہ صدائے صور کا دھوکا ہوا
آہ کے شعلہ پہ برقِ طور کا دھوکا ہوا

حضرتِ موسی ملایک کو بھی شب میری طرح
عارضِ جانان پہ شمعِ طور کا دھوکا ہوا

دیکھکر دستارِ واعظ کا سپید بالای سر
نشہ مین ہر مست کو مزدور کا دھوکا ہوا

رند سمجھے پنبۂ مینائے صہبا اور مجھے
ریش قاضی پر بطِ کافور کا دھوکا ہوا

چڑھ گیا مین جس گھڑی کہکر انا الحق دار پر
صوفیانِ عصر کو منصور کا دھوکا ہوا

دیکھکر محفل مین شبکو ابروئے خمدار یار
کشتگان ناز کو ساطور کا دھوکا ہوا

کھولدین اُس ماہ طلعت نے جو زلفین صبح وصل
پیر گردون کو شب دیجور کا دھوکا ہوا

پہلے ہی مے خلد کا تھا تیرے کوچہ پر گمان
عارض سیمین جو دیکھا حور کا دھوکا ہوا

شربت عناب مین پیتا تھا لیکن شیخ کو
بدگمانی سے مئی انگور کا دھوکا ہوا

بسکہ تھا گہرا تبی تو دیکھکر جراح کو
میرے زخم تازہ پر ناسور کا دھوکا ہوا

ہاتھ مین لیکر عصا جب شیخ مسجد کو چلا
راہ مین اہل نظر کو کور کا دھوکا ہوا

زار نالی سُنکے میری اُس سلیمان جاہ کو
بارہا ترکی صدائے مور کا دھوکا ہوا

ہجر مین ہوگیا ہی حال بُرا
روز و شب کا ہی یہہ ملال بُرا

لیکے دل عیب کیون لگاتے ہو
پھیر دو گر ہے میرا مال بُرا

کھولدیتا ہے مجھکو دیکھہ کے بال
اُس نے پھیلایا ہے یہ جال بُرا

کہتے ہین جوتشی ترے حق مین
یہہ مہینا بھی اور ہے سال بُرا

رات اور دن کا مدعی کیسا نہہ
آپکا ہے یہ اتصال بُرا

چھوڑ دون تمکو غیر کی خاطر
دل مین لاؤ نہ یہہ خیال بُرا

خواہش وصل پر وہ کہتا ہے
ہے یہی تو ترا سوال بُرا

مین نہ باز آیا ورنہ کہتے تھے دوست
عشق بازی کا ہی مآل بُرا

لو خبر جلد جاکے ترکی کی
آج بیشک ہی اُس کا حال بُرا

سینہ مین اب تلک ہی وہی درد جو کہ تھا
ویسے ہی رنگ چہرہ کا ہے زرد جو کہ تھا

مین نے اُس بُت کو بوسہ دیا پر گو ہر مارا
اُسنے پتھر کو اُٹھا کر مری سر پر مارا

سخت جانی کا بُرا ہو دمِ کشتن مجھکو
یار نے تیر تو جلّاد نے خنجر مارا

نغمہ سے مرے بُلبلِ بُستان کو غش آیا
ہر لحن پہ داؤد خوش الحان کو غش آیا

رندون کی طرح اس غزلِ تازہ کو سنکر
کل بزم مین ہر واعظِ دوران کو غش آیا

کوٹھی سے جو جلوہ ترے رخسار کا دیکھا
موسیٰ کی طرح عاشقِ حیران کو غش آیا

کیا سحر ہے کافر تری آنکھون مین کہ شبکو
اک غمزہ مین ہر صاحبِ ایمان کو غش آیا

صد شکر کہ رکھتے ہی قدم یار کے در پر
اغیار کو نیند آگئی دربان کو غش آیا

کس بُت کی نکی مین نے ہے تعریف کہ سنکر
ہندو ہوا مجھ خود تو مسلمان کو غش آیا

کیا چیز تھی دیکھی جبلِ طُور پہ ترکی
اکبار جو یون موسیٔ عمران کو غش آیا

احوال مرا دیکھ کے مجنون کو غش آیا
ملتے ہی مری نبض فلاطون کو غش آیا

پہونچی جو مرا نالۂ جان کاہ فلک پر
ہیبت سے ہر اک ساکنِ گردون کو غش آیا

کچھہ بات سمجھ مین نہین آتی ہے کہ شبکو
اکبار جو یون ترکیٔ مخمور کو غش آیا

وله

وہ کسی روز تو آکر مجھے تنہا ملتا
اوس کے کوچے کا کبھی یا مجھے رستہ ملتا

وله

ابرو کا نہ ہے کاکلِ خمدار کا جوڑا
کز دم کا وہ جوڑا ہے تو یہ مار کا جوڑا

بداصل کا بداصل سہی ہے ربط ازل سے
ہو روز الم کیون نہ شب تار کا جوڑا

وصف لب و دندان مین تری کیہیں گے دو شعر
ایسے کہ ہو جیسے دُر شہوار کا جوڑا

خالی نہین جوڑا ایسے کوئی چیز جہان مین
ہے مہر و مہ و ثابت و سیار کا جوڑا

قسمت مری خوابیدہ ہوا ای کاتب تقدیر
کردے تو اسے طالع بیدار کا جوڑا

ہین پاؤن یہ نازک گل نسرین سے زیادہ
ہنوا ؤنہ پازیب گرانبار کا جوڑا

ترکی ہمین یاد آتا ہے وہ یار سمن بر
جب دیکھتے ہین بلبل گلزار کا جوڑا

اب تو مجھکو بھی وہ یار مہربان کہنے لگا
سامنی غیرون کے اپنا رازدان کہنے لگا

وصل کی شب ہو گئی حق مین مرے ماتم کی رات
صبح کو ترکی موذن جب اذان کہنے لگا

ترے ابرو سے مطلع کوئی بہتر ہو نہین سکتا
کسی کا خط تری خط کے برابر ہو نہین سکتا

کرون مین سجدہ تیرے قبلۂ رخسار کو لیکن
مسلمان ہو کی ہون مشہور کافر ہو نہین سکتا

ولہ

مرگ عاشق سے چشم تر نہوا
سنگ خارا ہوا جگر نہ ہوا

کوچۂ یار سے سفر نہوا
سوے دیر و حرم گذر نہوا

دفن تک رہتی میری نعش کیساتھ
آپ سے حیف اسقدر نہوا

مجھکو لیجاتا اوسکے کوچے تک
تجھ سے اے ضعف اسقدر نہوا

کٹ گئی عمر پھرتے پھرتے یون
کہین دنیا مین اپنا گھر نہوا

سنگ اُس بت کے آستانے کا
میرا سودا زدہ یہہ سر نہوا

سیر سینہ پر مرے افسوس
اک بھی تیر اُس کا کارگر نہوا

لاتی در تک تو اُسکے خاک مری — اے صبا تجھ سے اس قدر نہوا
کس قدر کہاؤن تیرِ ناز اُسپر — کوئی پتہر ہوا جگر نہ ہوا
رہے زندہ جو سہکے صدمۂ ہجر — پھر تو وہ جن ہوا بشر نہوا
دیکھکر دم مرا لبون پر رات — چارہ گر بھی تو چارہ گر نہوا

سب گئے اُس کی بزم مین ترکی
اک مہ اہی دہان گذر نہوا

مجھ سا پھر ہوگا نہ مجنون کوئی مجنون پیدا — ایسا پھر ہوگا کہان عاشقِ محزون پیدا
کیا تعجب ہے کہ ہو جاے شبِ فرقتمین — چشمۂ دیدۂ پر آب سے جیحون پیدا
باغِ عالم مین کریگا نہ کوئی میرے بعد — یون تری زلفِ سمن پوش کی مضمون پیدا
مین دکھاؤن گا شبِ غم مین اگر داغِ جگر — پھر نہون گے یہ ستارے سرِ گردون پیدا
گرچہ مجنون ہین مگر بیٹھکے شبکو صدہا — لیلیٰ زلف کے کر دیتے ہین مضمون پیدا
پھر چلے جاتے ہین یہ گنج زمین کے اندر — پھر ہوا کون یہ آفاق مین قارون پیدا

نہوا قامتِ جانان کے برابر ترکی
طبعِ موزون سے مرے مصرعۂ موزون پیدا

اے صنمِ تغیر جب تیرا مکان ہو جائیگا — سجدہ گاہِ خلق پھر تیرا آستان ہو جائیگا
ایک شب وہ حور وش گر میہمان ہو جائیگا — روکشِ قصرِ ارم میرا مکان ہو جائیگا
جب شبِ فرقت مین داغِ دل عیان ہو جائیگا — آسمان پر تیرہ روی کہکشان ہو جائیگا
مہربان جس روز ہم پر آسمان ہو جائیگا — وہ مہ نامہربان بھی مہربان ہو جائیگا
نسبت اُس کو دین گر جب زلفِ عنبر بو سے — پھر ختن مین رنج مشکِ چین گران ہو جائیگا

میرے داغون کا نکرنا ذکر بلبل باغ مین
ورنہ غم سے برگ گل برگ خزان ہوجائیگا

صرف کر راہ خدا مین ورنہ منعم بعد مرگ
قبضۂ اغیار مین یہ گنج اُن ہوجائیگا

مثل قارون اب ترا بھی نخل مین مشہور نام
ای فلان ابن فلان ابن فلان ہوجائیگا

آج مقتل مین ہمارا اور گلوے غیر کا
زیر شمشیر دوپیکر امتحان ہوجائیگا

تفتہ جانون کی نکر دعوت وگرنہ ای پری
اُن کی آہون سے سیہ تر امکان ہوجائیگا

مثل ذوق اپنی بھی ہوجائیگی تر کی بہر تو قدر
جب کوئی پیدا ہمارا قدردان ہوجائیگا

حال اُس کو شب غم کا سنایا نہین جاتا
سر رکھہ کے ہتیلی پہ بتایا نہین جاتا

سو بار کیا قصد مگر ہاتھ سے اپنے
یہہ زہر ہلاہل ہی تو کھایا نہین جاتا

اک دن کا تو شکوہ نہین لیکن یہ شب و روز
خون جگر آنکھون سے بہایا نہین جاتا

صدمے نہین سہ سکتے تری درد کے ای یار
یہہ بار گران اتنو اُٹھایا نہین جاتا

مجھکو ہی بہت دور سے ہے گھورتا دربان
اغیار کو چوکھٹ سے ہٹایا نہین جاتا

دو چار کا کوچہ مین ترے خون ستمگر
وہ کون دن ہے کہ بہایا نہین جاتا

اب مجھ سے تو اس دیدۂ پر آب سے تر کی
یہہ گنبد افلاک گرایا نہین جاتا

ہمنے رخ جب سے ہے اُس سیم بدن کا دیکھا
گل نہ جاکر کبھی پھر شاخ سمن کا دیکھا

ہمنے ہر در پہ ترے جب سے رمائی دھونی
منہ نہ اُس روز سے پھر جاکے وطن کا دیکھا

ولہ

جان لیگا غم جانان مجھے معلوم نہ تھا
دیکے دل ہونگا پشیمان مجھے معلوم نہ تھا

چاک ہوجائین گی پنجہ سے جنونکی اکدن
دامن وجیب وگریبان مجھے معلوم نہ تہا

مثلِ اوراقِ کہن دفترِ دل کو میرے
زلف کردیگی پریشان مجھے معلوم نہ تہا

لیکے دل وہ بُتِ بے مہر خدا کی سوگند
ہوگا پھر جان کا خواہان مجھے معلوم نہ تہا

کوچۂ یار مین ترکی مری شبخون کے لئے
مستعد ہی صفِ مژگان مجھے معلوم نہ تہا

طایرِ گردون کا تیرِ آہ سے سر اڑ گیا
گر گیا تھا کہا کے چکر لیک گر کر اڑ گیا

مدعا جو دل کا تہا اس وقت آیا ہمکو یاد
نامہ جب اُسکی طرف لیکر کبوتر اڑ گیا

ہم دکہاتے سب ورق اُسکو مصیبت نامے کے
آج ہی آندھی سے لیکن اپنا دفتر اڑ گیا

کچہ عجب تھی تیز قاتل تیری شمشیرِ جفا
جسکے ہوتے ہی علم تن سے مرا سر اڑ گیا

سخت جانی سے ہماری آج مثلِ برگِ کاہ
یار کی شمشیرِ سر افگن کا جوہر اڑ گیا

میری سینہ سے اُڑا کر لے گئے ہی خود ہی دل
اور خود ہی پوچہتے ہین مجہسے کیونکر اڑ گیا

آہ کی بارود سے ترکی ہماری شبکو ایک
آستانِ یار سنگین دل کا پتہر اڑ گیا

بالین پہ مرے کس لئے عیسے نہین آتا
کیا اُسکو تپِ غم کا مداوا نہین آتا

ہمدم ہون سگِ نفس کا اس واسطے ترکی
گہر مین مرے رحمت کا فرشتہ نہین آتا

اک ذرا تیز جو وہ خنجرِ مژگان ہوتا
کوچۂ یار مین پھر گنج شہیدان ہوتا

قیس کرتا تجھے دمساز مین گر میرِ لطیرح
تا بدامن ترا بھی چاک گریبان ہوتا

ہم بھی یاقوتِ لبِ یار دکہاتے اُسکو
حیدرآباد مین گر لعلِ بدخشان ہوتا

عاشق اُس بُت کا جو اے شیخ نہ ہوتا مین کبھی
مین بھی پھر تیری طرح صاحبِ ایمان ہوتا

قدر اُس وقت سخن کی میری ہوتی تُرکی
محفلِ یار مین گر کوئی سخندان ہوتا

خُلد کہتے ہین جسے کوچۂ جانان نکلا
اور رضوان بھی دربار کا دربان نکلا

ہونگے کوچہ مین ترے سیکڑون تہ دو تین مزار
جبکہ دیکھا تو وہان گنج شہیدان نکلا

مین وہ تھا رند پسِ مرگ کہ میری میری
ایک پیسہ بھی کفن کو نہ مری جان نکلا

ہم نکلتے ہین تری بزم سے روتی ہوئی روز
غیر نکلا بھی تو کل بالبِ خندان نکلا

آپ کہتے ہین جسے ترکی کجِ مج والہد
وہ دمِ بحث تو اک فاضلِ دوران نکلا

سر ہمارا بھی گریبان سے باہر نکلا
کمرِ یار سے جس وقت کہ خنجر نکلا

کیون نہ سینہ سے مرے شعر کا دفتر نکلا
کس لئے بطن صدف سے نہ یہ گوہر نکلا

مین ترے کوچہ سے جب باندہ کی بستر نکلا
گھر سے ہر طفل بھی روتا ہوا باہر نکلا

روضۂ خُلد سے نکلے تھے نہ آدم ایسے
جس طرح کوچۂ جانان سے مین باہر نکلا

میرا اعجازِ سخن دیکھہ کے معجز نے کہا
تو گروہِ شعرا کا تو پیمبر نکلا

سامنے قامتِ عارض کے تری گلشن مین
اے سمن بر نہ صنوبر نہ گلِ تر نکلا

شور سنتے ہی مرا کوچہ مین تیری ہر طفل
دوڑ کر گھر سے لئے ہاتھ مین پتھر نکلا

معتقد دل سے ہوئے پھر یہ سخنور جسدم
بعد مرنیکے مرے شعر کا دفتر نکلا

ڈر سے تیرے یہ کیا ضبط کہ شب محفل مین
ایک آنسو نہ مرے دیدۂ تر سے نکلا

مثلِ شاہین کے اُڑا غیر بھی جھپٹے پیچے
لیکے خط گھر سے مرے جبکہ کبوتر نکلا

ہم نے کھایا یہی اک عمر مین دھوکا یعنے
دادگر سمجھے تھے جسکو وہ ستمگر نکلا

ایک مذہب پہ نہین ترکی معشوق پرست
نہ تو وہ صاحب اسلام نہ کافر نکلا

ہجر کے درد سے جیا نہ گیا
میرا زخم جگر سیا نہ گیا
اس دل زندگی پسند سے حیف
شب غم زہر بھی پیا نہ گیا
کوئے قاتل سے ایکدن بھی سفر
جانب کربلا کیا نہ گیا
خم کے خم دیدئے رقیبون کو
ہم کو اک جام بھی دیا نہ گیا

خون گردن کا میرے ای ترکی
خنجر یار سے پیا نہ گیا

چاہ یوسف جسے کہتے ہین ذقن ہی کس کا
جس کی کوثر سے ہی نسبت وہ دہن ہے کس کا
بید مجنون جسے کہتی ہین وہ ہے میرا بدن
شاخ نسرین ہے لقب جس کا وہ تن ہی کس کا
میرا لیتے گئے بازار مین جب دست کفن
اس قدر پوچھا تو اس ذکر کفن ہی کس کا
دیکھکر داغ جگر وہ مرے فرمانے لگے
مثل جنت کے یہ سرسبز چمن ہی کس کا
کسکو کہتے ہین وفادار جہان مین دیکھو
اور مشہور لقب عہد شکن ہی کس کا
پوچھتے سب سے ہین وہ خون بہا کر میرا
سر بھی کس کا ہی کہو اور یہ تن ہی کس کا

میرے اشعار سے ترکی کوئی اپنے اشعار
بزم معنی مین لڑائے یہ دہن ہی کس کا

نالون کا مرے یار ترانہ نہین سنتا
شہباے جدائی کا فسانہ نہین سنتا
ہر چند مین گاتا ہون شب ہجر کا نغمہ
کوئی مگر اس سر کا چیانہ نہین سنتا

اک بال برابر بھی مری غم کی حکایت — افسوس تری زلف کا شانہ نہیں سنتا
دربان تو سنتے ہیں مرا قصۂ جانکاہ — لیکن کبھی وہ صاحبِ خانہ نہیں سنتا
ڈر سے ترے کہتا نہیں تجھ سے کوئی ورنہ — کیا میری مصیبت کو زمانہ نہیں سنتا
پڑھتا ہوں رباعی جو کبھی اُسکی شان میں — وہ کہتا ہے میں ایسا ترانہ نہیں سنتا

کہتے ہیں جو جا کر اُسے ہی نزع میں تو کبھی
وہ کہتا ہے میں ایسا فسانہ نہیں سنتا

دکھا دیتا اگر وہ جلوہ رخسارِ منوّر کا — نشان ملتا کسیکو پھر نہ روزِ صبحِ محشر کا
اگر سایہ نہ پڑتا گیسوئے شب رنگ لہ کا — نہوتا چاک مثلِ شانہ دامن صبحِ محشر کا
خیال آتا ہے جب نوشین لبِ دلدار کا ساقی — تو پی لیتا ہوں جا کر خلد میں اک جام کوثر کا
قضا ہے ڈھونڈتی بستر پہ لیکن ناتوانی سے — پتہ ملتا نہیں اُسکو ہمارے جسم لاغر کا
اُٹھا دیتا ہوں داغِ دل کا جب پہلو میں شب غم میں — گمان ہوتا ہے خلقت کو کہ خورشید خاور کا
سمائیں گر مری نظر و نمیں کب شیخان دوہمت — کہ میں ہوں دیکھنے والا علی اشرف قلندر کا
دکھا دیتی شبِ یلدا میں گر تم عارض روشن — نہ پھر ہم دیکھتے تا زیست چہرہ ماہِ انور کا
ترے پاؤں کی ٹھوکر سے رہونگا میں قریب ایسا — مرا سر ہی ہے آہن کا ترا دل گر ہے پتھر کا
تڑپ کر جا پڑا ہے معدنِ سیماب میں شاید — کہ پہلو میں نہیں ملتا پتہ کچھ قلبِ مضطر کا
مرے ذرہائے معنی کی ہوئی ہے اس قدر شہرت — کہ تا جرنامہ تک لیتے نہیں اب سکۂ زر کا
ہوا کرتا ہے چرچا جا بجا فصلِ بہاراں میں — مرے کانٹوں کے بستر کا تری پھولوں کی زیور کا
مئے و جاناں کے بزم دہر میں ہم بھی ہیں لیتے — نہوتا خوف گر دل میں حسابِ روزِ محشر کا
بڑھیگا گر مرا درد جگر شہباز فرقت میں — سیہ کر دیگا مثلِ نامۂ میمنہ چرخ ستمگر کا

دلِ سوزاں کو دین گے چشمۂ خورشید مین غوطے
ہوا بر پا اگر طوفان ہمارے دیدۂ تر کا۔

دمِ عیسیٰ سے احیا ای پری وش وہ کہان ہوگا
کہ سر مشتاق ہی جس کا تری پاؤنکی ٹھوکر کا

کہین غصے ہی ہو جائے نہ سنکر سونی[1] بلبل
نکرنا ذکر لعلِ یار سے برگِ گلِ تر کا۔

[1] سونی یعنی نیوری

برنگ بوی گل آتا صبا کی دوش پر وہ گل
ورق گر ایک بھی پڑتا مری ہجر انکی دفتر کا

کرین کیونکر نہ وصفِ دولتِ حسنِ پری رویان
کیا کرتے ہین مفلس ذکر گنجِ بادآور کا

بندہا ہوتا ہے خطِ شوق جس پر مین مرا ترکی
اڑ دیتا ہے ناوک سے وہی پردہ کبوتر کا

دشت غربت دیکھکر مجنون کا بن یاد آگیا
نہر کو بے ستون سے کوہ کن یاد آگیا

دستۂ گل دیکھکر وہ گلبدن یاد آگیا
غنچہ جب آیا نظر رنگین دہن یاد آگیا

بزم معنی مین ملی لذت جو میرے شعر کی
دوستون کو ناسخ شیرین سخن یاد آگیا

دیکھکر سرو چمن یاد آگیا بالائے یار
غنچہ خندان سے اُس گل کا دہن یاد آگیا

جادۂ الفت بہت تھا سخت اے گل اس لئے
پاؤن اس منزل مین رکھتے ہی وطن یاد آگیا

عہد پیری مین جو دیکھا اک جوانکا بانکپن
نوجوانی کا ہمین بھی بانکپن یاد آگیا

اک فرنگن کا تنِ سیمین لب جو دیکھکر
اُس پری رخسار کا گورا بدن یاد آگیا

دیکھکر ماہِ منور کی زمین پر چاندنی۔
کشتۂ شمشیر ابرو کا کفن یاد آگیا

پھر دلِ وحشی کو مشکین زلف کا سودا ہوا
پھر غزالِ چین کو صحرائے ختن یاد آگیا

تیری زلفِ مشک مین دیکھکر مو باف رخ
ہر فسون پرداز کو کالے کا من یاد آگیا

دیکھکر غمخانۂ یعقوب اے احباب بزم
ترکی دلخستہ کا بیت الحزن یاد آگیا

کیا کیا وہ مجھے خالق یکتا نہیں دیتا
کیڑا نہیں دیتا ہے کہ کہانا نہیں دیتا

ولہ

بیمارِ محبت کو سنبھلتے نہیں دیکھا
موت آئی ہوئی کو کبھی ٹلتے نہیں دیکھا

ولہ

ڈھونڈ لیتی ہے بشر کو ہر جگہ آکر قضا
پاؤں پھر اٹھتے نہیں آتی ہے جب سر پر قضا

کب ملے گا اُس کے کوچہ کی سوا میرا نشان
ڈھونڈتی پھرتی ہے مجھکو کس لئے گھر گھر قضا

تیرے کوچے میں یوہیں ہوتا رہا گر خونِ خلق
بیٹھ جائیگی جما کر پھر وہاں بستر قضا۔

اُس کے کوچے میں ہوا آج اس قدر خلقت کا خون
جان بخشی لیتے آخر گر گئی تھک کر قضا۔

کب سے تڑپ رہی ہے میرے گھر کے ارد گرد
جان جائیگی مری آخر کو یہ لیکر قضا۔

یہ ضعف ہے زانو سے کہ سر اٹھ نہیں سکتا
اور ہاتھ سے برگِ گلِ تر اٹھ نہیں سکتا

نالے شبِ غم سر پہ اٹھا لیتی ہیں گھر کو
سر پر تھا کہا کس نے کہ گھر اٹھ نہیں سکتا

پھر ترکِ تعلق میں نکر دیر تو اے دل
یہ بارِ گراں تجھ سے اگر اٹھ نہیں سکتا

باندھے ہے گا مرے قتل پہ کیونکر وہ کمر کو
جس بت سے کہ خود بارِ کمر اٹھ نہیں سکتا

ہے جائے تعجب کہ وہ ماری مجھے پتھر
جس شوخ سے تڑکی کہ گھر اٹھ نہیں سکتا

شب جو وہ مہ جلوہ گر میری سیہ خانے میں تھا
حشر ماتم سے پیا دشمن کی کاشانے میں تھا

تہا مری جوشِ جنوں کا شور جن ایام میں
اُن دنوں مجنوں تو مادر کے نہاں خانے میں تھا

مجھ سے پہلے شمعِ عارض پر تری ہوتا نثار
حوصلہ اتنا کہاں اے یار پروانے میں تھا

تیرے دیوانے کے قصہ مین جو لذت ہی بری
وہ مزا کب قیس اور وامق کی افسانی مین تہا

کیون نہین ملتا ہی مشاطہ کو پہر سن کا سراغ
میرا دل بہی تو صنم کی زلف کی شانی مین تہا

غیر کے ملنے کی کہاتا تہا جو کل قسمین وہی۔
آج پہر بیٹہا ہوا دشمن کی کاشانی مین تہا

ہو گیا اک تیرے معجز سے توانا وہ مریض
مدتون سے جو مسیحا کے شفاخانی مین تہا

تاب کیا ہی قیس کی مجہ سے کری ردوبدل
اُس سے پہلے میرا خیمہ نصب ویرانی مین تہا

خلق کہتی ہی اسیکو ترکی معجز بیان
آج جو بیٹہا ہوا ای شیخ میخانے مین تہا

لے لیتی ہے دل نرگس مستانۂ دنیا
ہر کافر و دیندار ہے دیوانۂ دنیا

یہ کالی بلا زیست مین ٹلتی نہین سر سے
چہٹتا نہین جز مرگ سیہ خانۂ دنیا

عقبیٰ کا کروں ذکر مین کیا سامنے اُسکے
سنتا نہین ہرگز دار جز افسانۂ دنیا

چہوڑ اس کو کہ بڑہکر نہین جنت کی محل سے
قیمت مین نہ زینت مین یہ کاشانۂ دنیا

اتنی بہی نہ لو اُس سے لگا ترکی نادان
دیندار ہے تجہے تاکہین پروانۂ دنیا۔

احوال شب غم کا سنایا نہین جاتا
داغ دل خون گشتہ دکہایا نہین جاتا

لیجاتے ہین باتون ہی مین وہ دلکو چرا کر
پہر کہتے ہین یہ مال چرایا نہین جاتا

سیکہا ہے فن شعر زر و سیم لٹا کر
اب مفت کسیکو یہ سکہایا نہین جاتا

ہنگام مصیبت نہین دیتا ہی کوئی ساتہہ
ہمراہ شب تار مین سایا نہین جاتا

مجہکو ہی بٹہا دیتے ہو نعلین کی صف مین
اغیار کو پہلو سے اُٹہایا نہین جاتا

کیون پہونکتے ہو نعش مری تم پس کشتن
مردے کو مسلمان کے جلایا نہین جاتا

ہوتا نہیں کم عشق پری رویوں کا دل سے
اس دیو کا سایہ مرے سایا نہیں جاتا

دیتا نہیں سائل کو اگر ہاتھ سے ممسک
کچھ کہکے تہی سے بھی دلایا نہیں جاتا

لیجائیں وہاں مجھکو یہی احباب اٹھاکر
یاں اُن سے عیادت کو جو آیا نہیں جاتا

کب ہوگا نہاں دل میں گل داغ محبت
آغوش میں نافہ کو چھپایا نہیں جاتا

میں گلشن ناسخ کا ہوں تر بلی گل رنگیں
ہر رگ سے مرا رنگ اُڑایا نہیں جاتا

بگڑے ہوئے طالع کو بنایا نہیں جاتا
تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا

آتا نہیں مشکل ہے نزاکت کے سبب سے
اور ضعف سے یاں پاؤں اٹھایا نہیں جاتا

کچھ سہل نہیں بار محبت کا اٹھانا
ہر ایک سے یہ بوجھ اٹھایا نہیں جاتا

سو جاتے شب ہجر میں ہم زہر کو کھاکر
لیکن یہی مشکل ہے کہ کھایا نہیں جاتا

بے سود ہے ہر دعوے اعجاز مسیحا
کشتہ کوئی جب تم سے جلایا نہیں جاتا

اغیار پس پشت کیا کرتے ہیں شکوہ
لب تک مری محفل میں ہلایا نہیں جاتا

حل ہوں گے مؤید سے کہاں معنی صدرا
جب کافیہ بھی اُس سے پڑھایا نہیں جاتا

ہے درد تو اب بھی مگر آغاز کی مانند
آنکھوں سے مرے اشک بہایا نہیں جاتا

وہ کونسی شب ہے مجھے محفل میں بٹھاکر
پھر غیر کے ایما سے اٹھایا نہیں جاتا

کہتے ہیں رسا مجھکو سخن کا ترے ناسخ
انداز کسی اور میں پایا نہیں جاتا

دل ناوک مژگاں سے بچایا نہیں جاتا
آغوش میں آہو کو چھپایا نہیں جاتا

زخم دل صد چاک سلایا نہیں جاتا
اس زخم پہ پیوند لگایا نہیں جاتا

اب بارِ غمِ عشق اُٹھایا نہیں جاتا
یہ بھی تو ہے مشکل کہ گرایا نہیں جاتا

کیونکر میں چلا جاتا بھلا بزم میں اُسکی
اپنا بھی جہاں اور پرایا نہیں جاتا

ممسک کا بھی کیا مال ہی ناکارہ کہ اُس سے
کھایا نہیں جاتا ہے کھلایا نہیں جاتا

دیتے نہیں کاندھا جو جنازہ کو مرے آپ
کیا چار قدم ساتھ بھی ہا یا نہیں جاتا

کیوں فکر ہے تعمیر کی اس بحرِ رواں پر
گھر موج پہ دریا کے بنایا نہیں جاتا

کب آہ سے ہوتا نہیں عالم تہ و بالا؟
کب نالہ سے گردوں کو ہلایا نہیں جاتا

آہوں کے فلاخن سے مری گنبدِ افلاک
کیوں شامِ مصیبت میں گرایا نہیں جاتا

افسوس عیادت کو مری آئے وہ اسدم
تسلیم کو جب سر بھی جھکایا نہیں جاتا

گو یار اُڑا لیتے ہیں مضموں مرے تر کی
یہ رنگ مگر اُن سے اُڑایا نہیں جاتا

دل میں ہے روئے یار کا نقشا لکھا ہوا
اُس گل کا اس ورق پہ بھی چہرا لکھا ہوا

پڑھتے نہیں ہے وہ مرا نامہ لکھا ہوا
کہتے ہیں طول تر ہے یہ قصہ لکھا ہوا

میں نے کیا جو وصل کے وعدہ کا پیش خط
کہنے لگے نہیں یہ ہمارا لکھا ہوا

افسوس غیر نے نہ دکھایا مجھے وہ خط
تھوڑا سا ذکر جس میں تھا میرا لکھا ہوا

قاصد سے لیکے خط مرا عمداً ہیں پوچھتے
تو مار اس قدر ہے یہ کس کا لکھا ہوا

کہتا ہے میرے خط سے جو نفرت ہے یار کو
بد خط ہے کس قدر ہے کس کا لکھا ہوا

دشمن نے اپنے نام سے محفل میں پڑھ دیا
جس خط میں یار کا تھا مسرا یا لکھا ہوا

قاصد نے دیدیا مجھے کاغذ وہ دھو لکر
تھا جس میں میرے قتل کا ایما لکھا ہوا

شبکور اکے لے گیا وہ مدعی ورق
تھا جس میں میرے درد کا نسخہ لکھا ہوا

دیکھا ہے آزما کے کہا ہے کسی نے سچ
مٹتا نہیں ہے لوحِ جبیں کا لکھا ہوا

کہتا ہے دوست تب بھی جو لکھتا ہوں غور سے
تُرکی غلط ہے سب ترا املا لکھا ہوا

مرقد کا مرے جس نے کہ میلا نہیں دیکھا
اُس نے کوئی دنیا کا تماشا نہیں دیکھا

جس نے کہ ترے کوچہ کا نقشا نہیں دیکھا
اُس نے کبھی جنّت کا نمونا نہیں دیکھا

ہم نے تری چوکھٹ کے بغیر اے بتِ ترسا
مسجد نہیں دیکھی ہے کلیسا نہیں دیکھا

بالا نہیں دیکھا ہے تری کان کا جس نے
اُس نے کبھی مہتاب کا ہالہ نہیں دیکھا

دو آبہ مری آنکھوں کا دیکھا نہیں جس نے
اُس نے کوئی پنجاب کا دریا نہیں دیکھا

پہچانیگا پھر طوبیٰ جنّت کو وہ کیوں کر
جس نے کہ ترا قامتِ بالا نہیں دیکھا

گمرہ کے لئے راہ نما چاہئے بیشک
بے چوب کے چلتے ہوئے اندھا نہیں دیکھا

دیکھی وہ فسوں سازیٔ لعلِ لبِ جاناں
جس نے کبھی اعجاز مسیحا نہیں دیکھا

اے شیخ بتائیں تجھے کیا خاک کہ ہم نے
جز دیر حرم کا کبھی رستہ نہیں دیکھا

کرتا ہے جو ہر وقت دعا حور کی زاہد
شاید کہ ترا عارضِ زیبا نہیں دیکھا

بھاگے گا وہی خوف سے اغبیٔ سیہ کے
موباف کا جس نے ترے کالا نہیں دیکھا

احباب جمع رہتے ہیں دو چار تری پاس
تُرکی کبھی ہم نے تجھے تنہا نہیں دیکھا

تری جب سے ہے اے بتِ ابروئی خمدار کا چرچا
کہاں ہے اس طرح اسلام کی تلوار کا چرچا

دکن میں آج جیسے ہے مرے اشعار کا چرچا
صفاہاں میں نہ تھا صائب کی یوں گفتار کا چرچا

مری وحشت کا بھی ذکر اس جگہ کچھ آ ہی جاتا ہے
ہوا کرتا ہے جس محفل میں حسنِ یار کا چرچا

ختن میں چین میں تاتار میں تبت میں گلگت میں
بہت دن سے ہے تُو گیسوئے دلدار کا چرچا

صفِ محشر میں بھی ہوگا لگا اب اے سہی قامت
ہماری پائمالی اور تری رفتار کا چرچا

دکھا دیتے ہیں منصف گوہرِ اشعار کو میرے
کیا کرتے ہیں جب تا جرِ دُرِ شہوار کا چرچا

صفاہاں میں تو پہلے ہی سی تھا اب لکھنؤ میں بھی
ہوا کرتا ہے ترکی آپ کے اشعار کا چرچا

ہمارے سر سے زلفِ یار کا سودا نہیں جاتا
کسی عامل کے داد اسی پھر جن ٹلا نہیں جاتا

بُرا ہو ضعف کا اب بیٹھکر اُٹھا نہیں جاتا
اگر مشکل سے اُٹھتے ہیں تو پھر بیٹھا نہیں جاتا

نہ آؤ میری محفل میں اگر ہمراہ دشمن ہو۔
کہ مجھ سے آستیں میں سانپ یہ پالا نہیں جاتا

ہمیشہ عرس میں جاتی ہو قطب الدین کے مرقد پر
مری تُربت کے میلے پر مگر آیا نہیں جاتا

دمِ پیری بھی دل سے تیری صد افسوس اے ترکی
خیالِ عارضِ دوشیزہ دنیا نہیں جاتا۔

قصیدہ جب پڑھا میں نے شہِ بطحا کی مدحت کا
صلہ میں دیدیا حق نے قبالہ مجھکو جنت کا

بتایا بھید دے راز میری پاک طینت کا
اثر ہوتا نہیں حیواں کو انسانی صحبت کا

نہیں رہتا ہے غم پھر پرسشِ روزِ قیامت کا
کھلا جب دیکھتے ہیں باب یارب تیری رحمت کا

قلم سے وصف کب ہوگا رقم اُس حُسنِ طلعت کا
نظر اب تک نہیں آیا ہے انساں جسکی صورت کا

شبِ یلدا کہ تیرہ ہے ہماری شامِ غربت کی
سیہ روزِ الم ہے پیش خدمت صبحِ فرقت کا

عروسِ خواہشِ راحت سے نہ ہم آغوش ہو اتنا
ذرا بیدار رہو غافل یہی ہے وقت فرصت کا

نہیں مسلم کو شایاں جان تن پر نا نچار ہو جانا
بہت ہوتا ہے پاس اسلام میں صاحب سلامت کا

خبر ہم جیہ کو دیں گنجِ نہاں کی
پتہ دیتی نہیں دشمن کو دانا اپنی دولت کا

اُڑا دیں گے سمجھکر خاک تودہ تیرِ مژگاں سی
نظر آجائیگا اُن کو نشاں گر میری تربت کا

نہیں ڈر کثرتِ امواجِ بحرِ شرک کا مجھکو
شناور ایک مدت سی ہوں میں دریائے وحدت کا

عزیزانِ دکن پوچھو سخن سنجانِ دہلی سے
نہوگا فیصلہ تم سی مری شعر کی قیمت کا

رقم کرتا رہونگا میں یوہیں گر آتشیں مضموں
جلا دیگا دلِ حاسد کو شعلہ میری شہرت کا

گئی سب بھول ہو حق محفلِ دلدار میں جاکر
بہت شیخ زمن کو زعم تھا اپنی کرامت کا

لقب جسے اِسکا ہرجائی نہیں ٹکتی یہ اِک گھر میں
نکرنا اعتبار اہلِ دول بانوی دولت کا

ہوس کی اشتعالک دی بہت گو نفس نے لیکن
نہ چھوا میں نے خیر الرازقیں دامن قناعت کا

پہونچ جائیگا اکدن آہوانِ چین و ماچیں تک
تری زلفوں کا چرچا اور شہر میری وحشت کا

کیا کرتے ہیں اکثر تذکرہ پیر و جواں باہم -
مرے قدِ دوتا اور یار کے طوبا قامت کا

غزل سنتے اگر یہ مولوی ثنا در علی برتر
تو سر پر باندہ دیتی میرے عمامہ فضیلت کا

غزل اِک پارسی کی اب بدلکر قافیہ ترکی
لکھو ایسی کہ ہو جس سے رواں دریا فصاحت کا

ڈبودے آسماں کو چشمِ تر سی ہو نہیں سکتا
جلا دے برق کو سوزِ جگر سی ہو نہیں سکتا

بچا کر چشمِ دشمن سی ہمارا خط اوسی دیدے
کروں کیا اس قدر بھی نامہ بر سی ہو نہیں سکتا

دلِ مضطر کا کر دی فیصلہ اک ادا میں قاتل
تری اتنا بھی شمشیرِ نظر سے ہو نہیں سکتا

ہمیں بھی چشمۂ آبِ بقا کی راہ بتلا دے
تاسف ہے کہ اتنا بھی خضر سی ہو نہیں سکتا

ولہ

وہ کرتا ہے انکار کہ میں کچھ نہیں کہتا
میرا ہے یہ اصرار کہ میں کچھ نہیں کہتا

کھہ جاتے ہیں اغیار مجھی بزم میں سب کچھ
ہے خاطرِ دلدار کہ میں کچھ نہیں کہتا

بستر پہ تڑپتا ہوں مگر موُنہہ سی سحر تک
شاہد ہے شبِ تار کہ میں کچھ نہیں کہتا

سنکر مرے اشعار تڑپ جاتے ہیں صدہا
پر کہتے ہیں دو چار کہ میں کچھ نہیں کہتا

دیجاتا ہے غیروں کی سکھانیسے وہ دشنام
پھر کہتا ہی زنہار کہ میں کچھ نہیں کہتا

کہہ جاتا ہے تو مجھکو جو کہنا نہیں واجب
انصاف کرای یار کہ میں کچھ نہیں کہتا

یہ بھی ہے کوئی بات وہ کہہ جاتا ہی ہر بات
پھر کرتا ہے اظہار کہ میں کچھ نہیں کہتا

سب کچھ وہ سنا جاتا ہی پوچھو تو بگڑ کر
کہتا ہے ستمگار کہ میں کچھ نہیں کہتا

کھہ جاتا ہے صدہا وہ سُنا کر مجھے ترکی
پھر کہتا ہے ہر بار کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا شبِ غم میں دلِ شیدا نہیں کرتا
مے کو نسا وہ کام جو مرتا نہیں کرتا

کچھ شیخ نہیں میں کہ کروں خلد کی خواہش
جنت کی ہوس طالبِ مولی نہیں کرتا

ہو جائیگا کام اُسکا تمام آج ہی کی شب
بیمار گماں ہے ترا فردا نہیں کرتا

کرتا ہے جو نیکوں کو بُرا کہنے کی عادت
وہ آپ ہی اپنے لئے اچھا نہیں کرتا

ڈرتا ہے کہ ہو جاؤں گا پھر جاکی مسلماں
ترسا مجھے اس واسطے ترسا نہیں کرتا

پھر مہید کہوں گا میں کسی دوست کا کیونکر
دشمن کا بھی میں راز ہب افشا نہیں کرتا

ترکی میں بہت ڈرتا ہوں اُس بندیِ دلیں
جو وقتِ غضب خوفِ خدا کا نہیں کرتا

کب پلٹتا ہے تری زلفوں پہ دل آیا ہوا
دام اس صیاد نے ہر سو ہی پھیلایا ہوا

ایک عالم ہے تماشا دیکھنے آیا ہوا
اُس پری کا جب سے ہے سر پر مرے سایا ہوا

تو چمن میں گر نہیں شبکو رہا غیروں کے ساتھ
کس لئے پھر یہ گلِ عارض ہے مرجھایا ہوا

میں اگر پوچھوں تو کہدینا نہیں ہے گھر میں وہ
ہے یہ فقرہ پاسباں کو اس نے سمجھایا ہوا

تھی فقط اک میری دعوت مجھ سے پہلے ہی تمہیں
گھر میں اُسکے تھا شکم پرور رقیب آیا ہوا

بارشِ مے تو بھی ساقی بزم میں کردے کہ آج
ابرِ رحمت ہے فلک پر چار سو چھایا ہوا

ہے کوئی باعث کہ ترکی وہ پری رخسار آج
بزم میں بیٹھا ہے مجھ سے دُور شرمایا ہوا

گرم آہیں جو ہوئیں میری جگر سے پیدا
پھر شرارے نہوئے نارِ سقر سے پیدا

برگ ہوتے ہیں کہاں خشک شجر سے پیدا
بال گنجے کے نہیں ہوتے ہیں سر سے پیدا

یوں مرے شعر سے آتی ہے شمیم دلکش
بوئے خوش ہوتی ہے جیسی گلِ تر سے پیدا

کیا قیامت تھے کہ ہوتے ہیں ہزاروں فتنے
دمِ رفتار تری راہ گذر سے پیدا

ملتی نعمت ہے کہاں بخت کی امداد بغیر
یہ سعادت نہیں ہوتی ہے ہنر سے پیدا

شرم سے ہوگیا ہر موجۂ دریا پنہاں۔
جب ہوئے اشک مرے دیدۂ تر سے پیدا

دستِ ممسک سے نہ رکھ فیض کی امید کبھی
ہوتے اثمار ہیں کب خشک شجر سے پیدا

کون دیتا مہ تاباں سے پھر اسکو نسبت
گر نہوتا ترا رخ نورِ قمر سے پیدا۔

پھر حلاوت تری بوسہ میں ایسی ہوتی
گر نہوتے لبِ شیریں یہ شکر سے پیدا

مُردکی کہتی نہ مادر بخطا خلق تجھے
تو جو ہوتا بخدا صلبِ پدر سے پیدا

شعر نکلا جو دلِ سخت عدو سے رنگیں
ہم یہ سمجھے کہ ہوا لعل حجر سے پیدا

شام سے تا بسحر ڈھونڈ کی ترکی ہم نے
آخر اُس بُت کو کیا غیر کے گھر سے پیدا

جو روزِ الم سے ٹل جائے گا
مریضِ شبِ غم سنبھل جائے گا

ریاضِ فلک مثلِ برگِ خزاں
مری گرم آہوں سے جل جائے گا

ولہ

کیوں عدالت میں نہ ہو تا مرا دعویٰ جھوٹا
یہ وہ ہے دور کہ ہو جاتا ہے سچا جھوٹا

محفلِ یار میں ہو جاتا ہے سچا جھوٹا
راست گو کو بھی وہ کہدیتا ہی جھوٹا جھوٹا

وہ یہ کہتے ہیں جو کرتا ہوں عدو کی نالش
تو بھی جھوٹا ہے یہ دعویٰ بھی ہی تیرا جھوٹا

گفتگو آکے کسی روز تو مجھ سے کرتا
یا وہ گو غیر جو اسے یار نہ ہوتا جھوٹا

کم نہیں قصۂ مجنوں سے فسانہ میرا۔
یہ جو جھوٹا ہے تو ہے اُسکا بھی قصہ جھوٹا

میں قسم کھا کے بھی اظہار جو کچھ کرتا ہوں
پھر بھی وہ کہتا ہے دیکھا نہیں تجھسا جھوٹا

مفتیٔ شہر نے اغیار سے رشوت لیکر۔
کہدیا آج مجھے ہے ترا دعوے جھوٹا

دُرِ خالص کو نہیں ملتا ہے موی موتی
لاکھ پُر ضو ہو مگر ہوتا ہے جھوٹا جھوٹا

تجھکو اے دوست نہیں صادق و کاذب کی تمیز
تب تو یکساں ہی ترے سامنے سچا جھوٹا

غیر کہتے ہیں خوشامد سے مقیّش اُس کو
جب دوپٹے میں لگاتا ہی وہ گوٹہ جھوٹا

بالتشدید

صادق القول جسے سبھی تے ہم ای ثنر کی
آزمایا تو وہ ہر بات میں نکلا جھوٹا

جب تک کہ گلے سے دمِ خنجر نہ ملے گا۔
پینے کو ہمیں ساغرِ کوثر نہ ملے گا۔

ولہ

دوزخ نے مرے سوزِ جگر کو نہیں دیکھا
تسنیم نے اس دیدۂ تر کو نہیں دیکھا

جس شیخ نے میخانے کے در کو نہیں دیکھا
اوس نے کبھی اللہ کے گھر کو نہیں دیکھا

صحبت رہی منعم کو ہمیشہ جہلا سے
اُس نے کبھی اربابِ ہنر کو نہیں دیکھا

دیکھے وہ مری آہِ شرربار کی گرمی
جس نے کہ تفِ نارِ سقر کو نہیں دیکھا

کرتے ہیں عبث ناز وہ پیکانِ نظر پر
شاید مرے سینہ کی سپر کو نہیں دیکھا

دیکھے وہ مری آنکھ کی عینک سی رگِ گل
جسنے کہ ترے موئے کمر کو نہیں دیکھا

دیکھے وہ بہارِ رخِ دلدار کہ جس نے
یوسف کے گلِ عارضِ تر کو نہیں دیکھا

دیکھا ہی نہیں اُس نے کچھ اس باغِ جہاں میں
جس نے تری رُخ کے گلِ تر کو نہیں دیکھا

ڈھونڈا تو بہت لیک شہیدؔ نہیں تمہارے
تُرکی کے تنِ زار پہ سر کو نہیں دیکھا۔

تُند بادِ آہ سے اب میرا گھر اُڑنے لگا۔
قالبِ خاکی ہُوا پر مثلِ پر اوڑنے لگا

طائرِ جاں اوڑ چلا پہلے ہی فرطِ شوق سے
لیکے نامہ جبکہ مرغِ نامہ بر اوڑنے لگا

دیکھ اے قاتل کہ ہے شوقِ شہادت کس قدر
وار سے پہلے ہی میری تن سے سر اوڑنے لگا

غیر پہ جب اُس نے ڈالا دوڑ کر ہولی کا رنگ
میری آنکھوں سے بھی خوں ناب جگر اوڑنے لگا

تھی نہ صرصر جس کو تُرکی زلف و گیسو کی تمیز
اب تو میری سامنے وہ موکمر اوڑنے لگا

جب روزِ ازل سے ہی زن و مرد کا جوڑا
کیوں باندھیں نہ گرم آہ و دمِ سرد کا جوڑا

کہتی ہے اشارہ سے سنہری تری محرم
بیشک ہوں میں عاشق کی رُخِ زرد کا جوڑا

بیجان بھی تو جوڑ ایسے نہیں دہر میں خالی۔
دیکھو کہ غبار اور بنا گرد کا جوڑا۔

ہوتا نہ اگر خالقِ یکتا کا ارادہ
پھر کون بناتا یہ زن و مرد کا جوڑا

وہ بھیجکے قاصد کو شبِ ہجر میں اکثر
کر دیتے ہیں تسکیں کو مرے درد کا جوڑا

لکھا تو سخن سنج غلط اس کو کہیں گے
دو بُردِ یمانی کو اگر بُردِ دکا جوڑا

ملتا تو نہ تھا قافیہ اس تنگ زمیں میں
ہم ڈھونڈ کے لائے مگر فرد کا جوڑا

ہیں ورد کے معنی جو گلِ سرخ تو بیشک
دو عارضِ گلرو کو لکھو ورد کا جوڑا

چوسر کے ہر اک گھر میں بٹھا دیتا ہوں ترکی
اُس بُت کے دکھانے کے لئے نرد کا جوڑا

حال سنتا نہیں اصلا وہ ستمگر میرا
اس میں کیا زور کسی کا ہے مقدر میرا

ضعف سے ہل نہیں سکتا تنِ لاغر میرا
اب اُٹھانا درِ جاناں سے نہ بستر میرا

ہمنشیں دیکھتے جب حال ہیں ابتر میرا
کوئے جاناں میں لگا دیتے ہیں بستر میرا

ایک طومار ہے لٹکا ہوا پر سے اُسکے
راہ میں گر نہ کہیں جائے کبوتر میرا

پھر نئی طرز نکالی ہے ہنسی کی تم نے
پوچھتے حال ہو اغیار سے رو کر میرا

رنگ اُڑ جاتا ہے حساد کا جب محفل میں
نام تعظیم سے لیتے ہیں سخنور میرا

جانتا میں تو ہلاتا نہ زباں تک ہرگز
ہو گئے اور خفا حال وہ سنکر میرا

دردِ دل کچھ جو کہا سادہ دلی سے میں نے
ایک بھی حرف نہ اُس نے کیا باور میرا

کچھ تو باعث ہے کہ اغیار سے اب محفل میں
تذکرہ چھیڑتے رہتے ہیں وہ اکثر میرا

محو تھا اشک ندامت سے کوئی پڑھ نہ سکا
عرصۂ حشر میں عصیاں کا یہ دفتر میرا

پہلے ہی کوچ سے ہاں غوث علی نے ترکی
لکھدیا نام تھا دفتر میں قلندر میرا

دل حلقۂ گیسو کے قفس میں نہیں رہتا
پھر چور کہیں بندِ عسس میں نہیں رہتا

آتا ہے نظر یار کا جب شعلۂ رخسار
ترکی دلِ مضطر مرے بس میں نہیں رہتا

منزلِ یار کا پتہ نہ ملا
نہ ملا اُس کا راستہ نہ ملا

کعبہ و دیر میں بہت ڈھونڈا
زاہدوں کو مگر خدا نہ ملا

یوں ملے آشنا بہت لیکن
جسکو کہتے ہیں آشنا نہ ملا

حضرتِ شیخ کی دعاؤں سے
اپنے دل کا تو مدعا نہ ملا

پوچھتے ہیں رقیب آ کے مجھے
کیوں ترا جسکو دلربا نہ ملا

کیا غضب ہے کہ اس زمانہ میں
کوئی بھی یارِ باوفا نہ ملا

جو مقدر میں تھا لکھا ترکی
بیش و کم اُس سے اک ذرا نہ ملا

گذرا دھر بھی تو اے شہسوار کرتا تھا
ہمارے آہوے دل کو شکار کرتا تھا

ہمیں بھی کشتوں میں اپنی شمار کرتا تھا
خدنگ ناز کلیجے کے پار کرتا تھا

ہمارے ساتھ بھی مثلِ رقیب وعدۂ سیر
کبھی زباں سے تو ای گلعذار کرتا تھا

عدو کے ساتھ یہ سرگوشیاں تہیں نہ یا
مرا خیال تو محفل میں یار کرتا تھا

صباحِ وصل میں ترکی یہی تو ہول ہوئی
نہ اُن سے شکوۂ شبہائے تار کرتا تھا

فسانۂ شبِ فرقت بیان کر نہ سکا
میں اپنا حال مصیبت بیان کر نہ سکا

فسانہ اپنا تو مشکل تھا عرض کرنا مگر
میں غیر کی بھی حکایت بیان کر نہ سکا

وہ پوچھتے تو رہے مجھ سے ادھر دل سے
مگر میں اپنی ملالت بیان کر نہ سکا

جو دیکھے بدلے ہوئے تیور اُس ستمگر کے
جھجک کے میں حقِ خدمت بیان کر نہ سکا

خدا کے آگے ہی اُس بُھکے ڈر سے حشر کے دن
میں اپنی زیست کی کجالت بیان کر نہ سکا

جو پوچھا اُس نے عداوت تری ہی غیر سے کیوں
تو کچھ بھی وجہ خصومت بیان کر نہ سکا

جناب پیرِ مغاں کے حضور میں واعظ
حدیثِ دوزخ و جنّت بیان کر نہ سکا

جو پی کے رات کو محفل میں چھیڑ چھا ہوئی
میں اُن سے باعثِ غیرت بیان کر نہ سکا

شبِ وصال ہی اُس زود رنج سے ترکی
مرے جو دل میں تھی حسرت بیان کر نہ سکا

اگر دلِ ناشاد کو وہ شاد تو کرتا
اُجڑے ہوئے گھر کو مرے آباد تو کرتا

بھولے سے وہ اک روز مجھے یاد تو کرتا
گوشِ اس دلِ بیتاب کی فریاد تو کرتا

صیّاد جو آتا طرفِ اس کنجِ قفس کے
گر ذبح نکرتا مجھے آزاد تو کرتا

ہر خواہشِ دل اُسکی تھی منظور ہمیں تو
گر رحم نکرتا کبھی بیداد تو کرتا

پھر کرتے نہ ہم سیر جھکانے میں تامل
تو زیبِ کمر خنجرِ پولاد تو کرتا

کچھ قتل کا شکوہ نہیں لیکن پسِ کشتن
نظّارہ مرے رقص کا جلّاد تو کرتا

سنتا کہ نہ سنتا غمِ دل لیک بظاہر
تسکیں مری وہ بانیٔ بیداد تو کرتا

لکھتا کہ نہ لکھتا وہ مجھے خطِ محبت
پیغام زبانی سے مگر شاد تو کرتا

گر صاد نکرتا وہ مری شعر پہ ترکی
محفل میں غزل پڑھنے کا ارشاد تو کرتا

وہی غوغا وہی سودا وہی سر ہے کہ جو تھا
وہی قعدہ وہی سجدہ وہی در ہے کہ جو تھا

گرچہ ہے وصل کی شب اُنکی طبیعت میں مگر
وہی غصّہ وہی حیلہ وہی شر ہے کہ جو تھا

جلوہ افگن تو مرے گھر میں ہوا ہے لیکن
پھر چلے جانیکا اوسکے وہی ڈر ہے کہ جو تھا

گردِ خط سے نہ دبا حسنِ خداداد ترا
پاک ویسا ہی گلِ عارضِ تر ہے کہ جو تھا

یادِ ترکی ہے ہمیں مصرعۂ دلچسپ عروج
وہی ہم ہیں وہی تم ہو وہی گھر ہے کہ جو تھا

ملا نہ مجھکو کہیں یارِ مہرباں تنہا
نہ میرے گھر میں وہ آیا کبھی جواں تنہا

ملیگا مجھ سے وہ پیماں شکن کہاں تنہا
کہ چھوڑتا نہیں اُس کو نگاہِ باں تنہا

کروں گا وقفِ سگاں میں یہی ہڈیاں اسکی
جو مل گیا درِ جاناں کا پاسباں تنہا

رہوں گا زندہ کہاں غم میں ہم صفیروں کے
قفس میں کہیے گا گر مجھکو باغباں تنہا

چلا گیا دلِ بیتاب کوئے یار میں رات
رہا تڑپتا میں بستر پہ ناتواں تنہا

لگا میں حالتِ دل کہنے گر کے قدموں پر
ملا جو راہ میں مجھکو وہ ناگہاں تنہا

ہے نقشِ سینہ پہ ترکی یہ مطلعِ اُستاد۔
زدیم بر صفِ مژگانِ جاں ستاں تنہا
طرف شدیم بایں لشکرِ گراں تنہا

دیتے اس کو سبقِ عشق جو مجنوں ملتا
کچھ پڑھا دیتے اُسے بھی جو فلاطوں ملتا

جبکہ تھے دونوں برابر یہ نزاکت میں تو پھر
کیوں نہ میرا کمر یار سے مضموں ملتا

کرتے پھر خوب ہی امساک کی باتیں باہم
انجل الدیں کو تہِ خاک جو قاروں ملتا

زلفِ جاناں کی شکنجہ پہ چڑھا کر اوسکو
کرتے سیدھا جو کہیں طالعِ وارُوں ملتا

کرتے مطلع اُسے ہم مصرعۂ ثانی لکھکر
یار کی زلف کا گر مصرعۂ موزوں ملتا

غیر کی کرتے خوشامد جو تری محفل میں۔
جام کیا پھر تو خمِ بادۂ گلگوں ملتا

پھر تلاشِ دُرِ مکنوں میں نہ ہوتے حیراں
یار کے گوہر دنداں کا جو مضموں ملتا

اِک پریزاد کو کر لیتے مسخر ہم بھی۔
کسی ساحر سے جو چلتا ہوا افسوں ملتا

قصہ اپنا کبھی کہتے کبھی سنتے اُس کا
کسی صحرا میں جو پھرتا ہوا مجنوں ملتا
گہر ہو جاتا کبھی اشکوں کی تولا تم میں مرے
خضر کو پھیر نہ سراغِ لبِ جیحوں ملتا۔
ڈھونڈنے جاتا اگر کوئی تو بیشک ترکی
اُسکے کوچے میں ہمارا دلِ محزوں ملتا

وہ جو دم چلے رنگ فق ہو گیا
جگر تیغِ فرقت سے شق ہو گیا
فلک میرے نالوں سے شق ہو گیا
دو پارا زمیں کا طبق ہو گیا
شبِ وصل تھی منہ پہ رونق ذرا
سحر ہوتے ہی رنگ فق ہو گیا
ثنا سے کمر میں جو کچھ فکر کی۔
تو مضموں ہمارا ادق ہو گیا
مئے سرخ کا پیتے ہی ایک جام
مرا رنگ مثلِ شفق ہو گیا
دمِ بخیہ دی میرے حق میں گلاب
تمہاری جبیں کا عرق ہو گیا
تری یاد میرا وظیفہ ہوئی
ترا ذکر میرا سبق ہو گیا
لکھا اُس فرنگن کو خط اتنا طول
کہ رخسار رنگی ورق ہو گیا
بہت جرم تھے لیک حامی مرا
دمِ حشر رب فلق ہو گیا
ہوئی جب صدا مطلع الفجر کی
شبِ غم کا پارہ ورق ہو گیا
پھر اُس بُت کی یاد آئی ترکی مجھے
دلِ زار کو پھر قلق ہو گیا

ہجر میں برق کو شعلہ میں ستر کا سمجھا
ابر کو مارِ عصا سے کفِ موسیٰ سمجھا
خطِ رخسار کو قرآن کا پارا سمجھا
نقطۂ خال جو دیکھا تو سویدا سمجھا
عشق میں اُس بُتِ ترسا کی میں کیا کیا سمجھا
کفر ایمان کو کعبے کو کلیسا سمجھا

دیکھا دشمن کو اگر چاہنے والا سمجھا
میں زمانے میں بُرے کو بھی تو اچھا سمجھا

میں نے اپنی کو کسی دن نہ پرایا سمجھا
بلکہ آیا جو پرایا نظر اپنا سمجھا

کوئی سمجھا مجھے میرا اور کوئی سوا سمجھا
مختصر یہ ہے کہ سب نے مجھے اچھا سمجھا

وہ تکلف نہ وہ اب آؤ بھگت ہے باقی
جب سے اپنا مجھے اُس شوخ نے شیدا سمجھا

پھر نہ آنا تو کہا میں نے کہ بہتر بہتر
اُسپہ بھی غصے سے کہتا رہا سمجھا سمجھا

شب کو اُس چاند نے باندھا جو سیہ جھومر
چرخ نے مہ کے قریں عقد ثریا سمجھا

اب یہ اُس بُت کی محبت میں ہوں بیخود کہ کبھی
کوئی مسجد نظر آئی تو شوالا سمجھا

مسکرانے لگا وہ وصل کا وعدہ کر کے
جبکہ فردا سے قیامت کو میں فردا سمجھا

شب کو نکلا ترے عارض سی جو اک شعلۂ نور
جبلِ طور کا میں اُس کو تجلّا سمجھا

زہر خندہ جو عدو کرتا ہے سنکر شاید
میرے قصہ کو وہ مجنوں کا فسانا سمجھا

ناتوان مور کے مانند ہوں رستے میں اگر
بوند پانی کی نظر آئی تو دریا سمجھا

اُٹھ گیا چھوڑ کے اللہ کے بھروسے پہ مجھے
جب مرض کو مرے کچھ بھی نہ مسیحا سمجھا

چشم میگوں و لبِ لعل کو تیری ای شوخ
بزم میں دیکھ کے میں ساغر و مینا سمجھا

وہ نہ آتا مرے روضہ پہ مگر خلقت کو
دیکھکر باغ فرح بخش کا میلا سمجھا

اُٹھ گیا دیکھ کے محفل سی تمگر مجھکو
دل میں اپنے نہیں معلوم وہ کیا کیا سمجھا

لائے مقتل میں ہو ہمراہ ہجوم اغیار
کیا مرے قتل کو بھی تم نے تماشا سمجھا

شیخ بھی ساتھ چلا آیا فرشتے کی طرح
جانبِ میکدہ جب میرا ارادا سمجھا

دیکھ لیتا ہوں مگر جا نہیں سکتا اُسپر
یار کے بام کو میں عالم بالا سمجھا

دل اوڑانیکے لئے یہہ ہیں خم و پیچ تمام
تیرے مطلب کو میں اے زلف چلیپا سمجھا

زالِ دنیا سے ملوث نظر آیا آخر — جس صفا کیش کو میں طالبِ عقبیٰ سمجھا

دیکھا جس نے مرا دیواں تو پھر اُسنے ترکی
اس زمانے کا مجھے سعدی و انشا سمجھا

برسوں میں ہی آکر بتِ خود سر نہیں ملتا — دیندار سمجھکر مجھے کافر نہیں ملتا
سنگِ درِ جاناں سی ہوں سر پھوٹتا جاکر — ترکی شبِ فرقت میں جو خنجر نہیں ملتا

وله

اثر بھی رات کو میرے ہوا فسانے کا — کہ رنگ پھر نہ جما میرکے ترانے کا
میں ایک عمر سے ہوں دستِ محتسب میں اسیر — نہ پوچھو راستہ مجھ سے شراب خانے کا
کہاں وہ جائیگا کعبے کو شیخ کے ہمراہ — جو طوف کرتا ہے اُس بت کے آستانے کا
میں خفتہ بخت نہ دیتا شبِ فراق میں جان — یقین ہوتا جو اُس مہ لقا کے آنے کا
رقیب سُنکے جسے ہوگئے تھے کل بیتاب — وہ ایک حرف تھا ای جاں مرے فسانے کا
وہ میری دشت نوردی کی داد کچھ دیتا — جو زندہ ہوتا کوئی قیس کے زمانے کا
وہ مجھکو دیکھکے کہتے ہیں اپنی کوچہ میں — نکالا خوب یہ رستہ ہی آنے جانے کا
ذرا بلاؤ تو محفل میں اُس سخنور کو — جو قصد رکھتا ہے مجھ سی غزل لڑانیکا
سمند طبع رُکے گا مرا نہ پھر ای زلف — لیا جو نام کبھی تو نے تازیانے کا
بخیل لے گیا شاید زمین کی نیچے — ملا سراغ کہ اوسکے نہ کچھ خزانے کا

کہا جو مرتا ہے ترکی تو مسکرا کے کہا
یہ حیلہ اوس نے کیا ہے مری بلانیکا

مجھکو دیدین گے جو محفل میں وہ خنجر اپنا
کاٹکر پاؤں پہ رکھدوں گا وہیں سر اپنا

ولہ

یاد گر مکر کا تھوڑا سا فسانہ ہوتا۔
پھر تو اپنا بھی مرید ایک زمانہ ہوتا

ولہ

دیکھکر اوس کو میں سنبھل نہ سکا
گر گیا دو قدم بھی چل نہ سکا

ولہ

زیر زانو مرا گلو نہ ہوا۔
یار کا دشنہ سرخرو نہ ہوا۔
زیر تیغ جفا گلو نہ ہوا
مرخ دامان آرزو نہ ہوا
مثل منصور دست و پا نہ کٹے
زاہد و خون سے وضو نہ ہوا
صبح کو مل کے مجھ سے کہنے لگے
شبکو محفل میں حیف تو نہ ہوا
میں پیون گا نہ بزم میں صہبا
سامنے میرے گر سبو نہ ہوا
حیف صد حیف واعظ بیمغز
سر ترا بادہ کا کدو نہ ہوا
آج بھی اس سے گفتگو نہ ہوئی
آج بھی میرے روبرو نہ ہوا
پھر تو کہدین گے حشر میں سب کچھ
سامنے گر وہ فتنہ خو نہ ہوا
نامہبر کی زباں سے حال مرا
آشکارا و سپہ مو بمو نہ ہوا
تیرے رخسار کے مقابل ماہ
کچھ ہوا ایک ہو بہو نہ ہوا

مدعی شبکو بزم میں تیری
چھپ گیا میرے روبرو نہ ہوا

دربان تیرے کوچہ سے گذرنے نہیں دیتا
چوکھٹ پہ تیری پاؤں کو دھرنے نہیں دیتا
کوشش تو نکلنے کی بہت کرتا ہوں لیکن
طوفاں مجھے اشکوں کا ابھرنے نہیں دیتا

۱۲ محمد حسین کہنے لگے کہ محفل میں
خنجر تیز کی کرشمہ کو نہ ہوا

اغیار کو محفل میں رقابت کے سبب سے
دم تیری محبت کا میں بھرنے نہیں دیتا

اب ضعف سے زینہ پہ تو ہم چڑھ نہیں سکتے
اور بام سے غیر اُن کو اُترنے نہیں دیتا

شوق اوس بت بے مہر کے دیدار کا افسوس
تیری شب غم میں مجھے مرنے نہیں دیتا

یہہ ضعف ہے اب تو کہ سنبھلنے نہیں دیتا
دو ایک قدم بھی ہمیں چلنے نہیں دیتا

دولت کا چمن رنگ بدلنے نہیں دیتا
ایام جوانی کو یہہ ڈھلنے نہیں دیتا

اغیار کو خلوت سے وہ ملنے نہیں دیتا
ارمان مرے دل کے نکلنے نہیں دیتا

کر دیتا ہے منہ بند مرا چرخ مشعبد
موتی مجھے معنی کے اوگلنے نہیں دیتا

ناقص کو دکھائیگا بُری راہ نہ کامل
اعمیٰ کا عصا پاؤں پھسلنے نہیں دیتا

کیا ذکر ہے نالے کا کہ اب وہ شب غم میں
ہمکو کف افسوس بھی ملنے نہیں دیتا

دشمن مجھے پروانہ سمجھکر سر محفل
شمع رخ دلدار پہ جلنے نہیں دیتا

کہتا ہے شب ہجر میں فریاد نکرنا
دل کو کسی عنواں وہ بہلنے نہیں دیتا

ہر دوست کو کہتا ہوں میں اکحال پہ تیری
گر گٹ کی طرح رنگ بدلنے نہیں دیتا

میں مدتوں سے پیر فلک کی نظر میں تھا
دشمن چھپا ہوا یہ مری رہگذر میں تھا

مقتل کو آج دیکھا تھا جاتے ہوئے انہیں
تیغ دو دم تھی ہاتھ میں خنجر کمر میں تھا

اچھا ہوا رقیب کا آنا کیا جو بند
کانٹا سا یہہ کھٹکتا مری چشم تر میں تھا

آتے حضور اور نہ میں چومتا قدم
کہتا عدو غلط ہے کہ میں غیکو گھر میں تھا

آتا جمال یار مجھے کس طرح نظر
سو راخ بھی تو کوئی نہ دیوار در میں تھا

حیران ہوں اُڑا لیا کس طرح غیر نے
وہ خط بندھا ہوا جو کبوتر کے پر میں تھا

کوئی چُرا کے لے گیا وہ بھی تو بعد مرگ
دینارِ داغِ عشق جو پنہاں جگر میں تھا

پھر ہو گیا ہے جوش پر آتے ہی فصلِ گل
سودا دبا ہوا وہ ہماری جو سر میں تھا

سویا نہ رات کو وہ گلِ اندام کس لئے
کیا پنبہ دانہ اُسکے کوئی آستر میں تھا

پیکِ قضا کو ملتا وہ سینے میں کس طرح
دم بند بھوس کا تو درِ گھر میں تھا

ترکی جنوں زدہ ہوں میں اُس دن سے کہ جب
کہتے ہیں جبکہ فیس وہ صُلبِ پدر میں تھا

زلف تھی حلقۂ کمند نہ تھا
لبِ شکر فشاں تھا قند نہ تھا

سب تھے اُس نازنیں کی بزم میں رات
اک فقط یہہ نیازمند نہ تھا

تیری محفل میں شبکو ای بیدرد
کوئی مجھ سا تو دردمند نہ تھا

میری قسمت میں زہرِ غم کے سوا
بوسۂ لعلِ نوشخند نہ تھا

آج دیکھا تھا سرو کو ترکی
قامتِ یار سے بلند نہ تھا

زلف میں مانندِ شپّر دل اٹک کر رہ گیا
پھڑ پھڑایا تو بہت لیکن لٹک کر رہ گیا

دل قبای یار سے جس دم اٹک کر رہ گیا
وہ سمجھکر خارِ رہ دامن جھٹک کر رہ گیا

جب دیا پھولوں کا ہار اُس گلبدن نے غیر کو
خارِ حسرت کا مرے دلمیں کھٹک کر رہ گیا

تنگ آکر ہجر میں دے دل نے درِ دلدار پر
سر کو پٹکا تو بہت لیکن پٹک کر رہ گیا

جستجوئے یار میں ترکی دلِ شیدا مرا
ہر طرف بھٹکا بہت آخر بھٹک کر رہ گیا

سوگند کو بھی میرے وہ باور نہیں کرتا
جو کہتا ہوں میں اُس کو مقرر نہیں کرتا
کیوں شور و شغب اب دلِ مضطر نہیں کرتا
محشر میں بپا کس لئے محشر نہیں کرتا

وله

آنکھوں میں لاتا بھلا کیونکر کہ گھر میں کچھ نہ تھا
تھا جو کچھ موجود وہ اُنکی نظر میں کچھ نہ تھا

وله

ضعف سے مین کھا کے جب چکر گرا
اُٹھا مشکل سے مگر اُٹھکر گرا
جب زمیں پر سر مراکٹ کر گرا
دستِ قاتل سے وہیں خنجر گرا
ہاتھ سے شیشہ گرا ساغر گرا
بزم میں جب کھا کے میں ٹھوکر گرا
سینۂ بدخواہ پر پتھر گرا
پیکے جب وہ نازنیں مجھپر گرا
صبح کو رو رو کے کیا وقتِ وداع
اُسکے رستے میں دلِ مضطر گرا
میرے ہی سر پر گرا مقتل میں جب
دست نازک سے ترے خنجر گرا
وہ ملا آکر جب اک مدت کے بعد
میں اِدھر اور وہ اُدھر رو کر گرا
کعبۂ دل کو نہ کر زیر و زبر
اِس عمارت کو نہ اے کافر گرا
یار کل اندام کو لکھتا ہوں خط
خون کے آنسو نہ چشمِ تر گرا
رند ہستے ہستے بیخود ہو گئے
میں جو پیکر شیخ کے سر پر گرا

شبکو ترکی کوچۂ دلدار میں
ٹھوکریں کھا کھا کے میں اکثر گرا

پوری ہوئی ہر مومن و کافر کی تمنا
لیکن نہ بر آئی دلِ مضطر کی تمنا
ہے بوسۂ لعلِ لبِ دلبر کی تمنا
تسنیم کی خواہش ہے نہ کوثر کی تمنا

دیکھیں گے کہا اے بت تجھی کہتے ہیں وہاں کیا
اک عمر سے ہمکو بھی ہے محشر کی تمنا
منظور جو ہے جلوۂ حسن اپنا دکھانا
ہے ہم سے زیادہ اُسے محشر کی تمنا

سو جاتے ہیں سنگِ درِ دلدار پہ ترکی
خواہش ہے نہ بالش کی نہ بستر کی تمنا

دشمن سے مل کے قتل کی تدبیر کی تو کیا
رنگیں ہمارے خون سے شمشیر کی تو کیا

وله

قامت کا پتہ سرو گلستاں سے ملے گا
گیسو کا نشاں سنبل ہیجاں سے ملے گا
اوس روز کہیے گا مری وحشت کا تماشا
جب دستِ جنوں چاک گریباں سے ملے گا

وله

طفلک اشک ہے کیوں دیدۂ تر میں بیٹھا
کوئی لڑکا نہیں رہتا کبھی گھر میں بیٹھا
خاک تو دہ میں نہ اٹکا نہ سپہر میں بیٹھا
تیر آکر ترا میرے ہی جگر میں بیٹھا
یوں ترا تیر مرے آکے جگر میں بیٹھا
صاحب خانہ ہو جیسے کوئی گھر میں بیٹھا
وہ عدو جسکو نہ تھا حکم کہ در تک آئے
رات دن رہتا ہے اب اُنکے وہ گھر میں بیٹھا
میں جو بیٹھا تو کہا غیر سے جا کر دیکھو
نظر آتا ہے کوئی راہ گذر میں بیٹھا
مرد ہوتا تو نکل کر سرِ میداں لڑتا۔
بل کی لیتا ہے عدو اپنے ہی گھر میں بیٹھا

رہ گیا کھینچ کے میں آہ وہ جسدم ترکی
اُٹھکے پہلو سے مرے غیر کے بر میں بیٹھا

یار کو خط نہ طول ترا لکھنا
حال کچھ اپنا مختصر لکھنا۔
خط میں اُس گلعذار کے کاتب
میرا القاب نوحہ گر لکھنا

خط جو لکھا تو یہہ جواب آیا ۔ پھر نہ طومار اس قدر لکھنا
دوستو خط اوسے اگر لکھو حال میرا بھی سر بسر لکھنا
مشفق من نہ یار من ہرگز اوسکے خط کے لفافہ پر لکھنا
پڑھ کے خط اُس نے کیا زبان سے کہا جاتے ہی مجھکو نامہ بر لکھنا

قبر ہے ترکی شہید کی یہہ
میری لوحِ مزار پر لکھنا

پھر صفِ حشر میں خجلت سی ہیں کیونکر چلتا آگے آگے مری عصیانکا جو دفتر چلتا
پھر ہے پیکانِ مژہ زخمِ جگر پر چلتا یا ہے جرّاح کا ناسور میں نشتر چلتا
اک قدم بھی جو کبھی بیٹھکے اُٹھکر چلتا پھر تو میں قیس ترے ساتھ برابر چلتا
امرِ حق مانتا اے بُت تجھی گر چھوڑ کے میں ۔ بیگماں پھر تو مرے حکم سے پتھر چلتا
پھر مزہ حشر میں ہوتا جو خدا کے آگے دست بستہ مرے ہمراہ وہ کافر چلتا
آتشِ رشک سے ہوتا دلِ دشمن بیتاب دو قدم بھی جو مرے ساتھ وہ خود سر چلتا
روکتا راہ اگر غیر نہ رہزن کی طرح سیر کو ساتھ مرے یار مقرر چلتا
صفِ مژگاں سی ہوئی دلکی زراعت پامال کشت دب جاتی ہے جس راہ سے ہی لشکر چلتا
حضرتِ شیخ میں ساتھ آپکے مسجد کی طرف بندِ میخانہ جو ہوتا تو مقرر چلتا
جسم خاکی مرا ہوتا جو غبارِ سرِ راہ پھر تو میں دامنِ جاناں سے لپٹ کر چلتا
کوئے جاناں میں پہونچ جاتا میں گرتا پڑتا ساتھ میرے کبھی آہستہ جو رہبر چلتا
قبر ہو جاتی مرے حق میں ریاضِ جنت میری میّت کے اگر ساتھ وہ کافر چلتا
سیر کے وقت بھی ہو جاتا ہے آگے پیچھے شرم سے ساتھ مرے وہ نہیں اکثر چلتا

تیرے پابوس سے ممسک تو یہی تھا بہتر
ارّہ دستِ فلاکت مری سر پر چلتا

دیکھہ لیتا تجھے دل بھر کے میں قاتل پھر تو
رُک کے گردن پہ مری گر ترا خنجر چلتا

دیکھہ تو بھی تو ذرا آ کے خدارا ظالم
خنجرِ ناز ترا دل پہ ہے کیونکر چلتا

تنگیٔ قبر کا ہوتا جو تو نگر کو خیال
پھر نہ یوں فرشِ زمیں پر وہ اکڑ کر چلتا

ٹھوکریں کھاتا نہ ہر ایک قدم پر ہر گز
جادۂ عشق میں مجنوں جو سنبھلکر چلتا

غیر کے پاؤں جو پڑ جاتا میں شبکو ڈر کر
پھر تو ہر روز وہ سرکش مری سر پر چلتا

قبر پر میری پسِ مرگ تو آتا جو کبھی
قم سے پہلے ہی ترے ساتھہ میں اٹھکر چلتا

پھر تو میں سیکھہ کے بنگالہ سے آتا ترکی
افعیٔ زلف پہ کوئی بھی جو منتر چلتا

دیکھیں گے اگر شیخ سویدا مری دل کا
کعبہ سے بدل لیں گے کلیسا مری دل کا

موسیٰ جو بھڑک اٹھیگا شعلہ مری دل کا
پہونچے گا سرِ طور تجلّا مری دل کا

وحشت نے اوڑایا ہے وہ خاکا مری دل کا
مجنوں سے نہ کھنچا گیا نقشہ مری دل کا

لعلِ لبِ جاناں ہے شرارا مری دل کا
خالِ رخِ روشن ہے سویدا مری دل کا

پہونچا سرِ افلاک تجلّا مرے دل کا
اُٹھا شبِ طاعت میں جو پرتو مرے دل کا

پھر جوش پہ ہیں آج مرے دیدۂ گریاں
پھر آج ترقی پہ ہے شعلہ مرے دل کا

ہر دم مجھے یوں دیکھہ کے حیران جو ہیں گے
پھر ہو چکا عیسےٰ سے مداوا مری دل کا

خنجر آبِ زلالِ لبِ جاناں نہ بجھے گا
شعلہ مرے سینہ کا شرارا مری دل کا

نکلا نہ وہ ہیبت کے سبب گھر سے سحر تک
دیکھا شبِ غم میں جو تڑپنا مری دل کا

دیکھوں تو بہلا کرتے ہیں کس طرح اطبّا
درماں مری سینے کا مداوا مری دل کا

مشکل ہی سے کم ہوگا اب ای خضر مسیحا
بہنا مری آنکھوں کا ابھرنا مرے دل کا

سنگِ غمِ فرقت سے کہیں چور نہ کرنا
نازک لبِ مینا سے ہی شیشہ مرے دل کا

کیا ناوکِ مژگاں سے ہی آج اُس نے اوڑایا
تو وہ مرے سینہ کا نشانہ مرے دل کا

لبریز کہاں تیرا ہے یوں شیشۂ صہبا
جیسا کہ ہے پُرخون سے مینا مری دل کا

رہجاتے ہیں مٹھی میں کلیجے کو پکڑ کر
سُنکر وہ شبِ ہجر میں نالا مری دل کا

دیکھو کہیں آنکھوں کا چورایا ہو نہ پانی
کیوں مثلِ حباب آج ہے چھالا مرے دل کا

کی جانِ عزیز ایک ہی ایما پہ تصدق
کیوں آپنے اب حوصلہ دیکھا مری دل کا

سودا نے سہ فتیں کی جیسی کہ ہی شہرت
مشہور ہے ویسے ہی تڑپنا مری دل کا

رہتا ہے یہی ڈر کہ نہو جاے کہیں غرق
آنکھوں کے تلاطم سے سفینہ مری دل کا

یہ مجھکو تھا معلوم کہ مخفی نہ رہے گا
اُس شوخ پہ یوں ٹوٹکے آنا مری دل کا

دیکھو تو بہلا رکھکے ذرا دستِ حنائی
سوزش مرے سینہ کی تڑپنا مری دل کا

تڑپے ہے شبِ ہجر میں کیا برق کی مانند
دیکھو تو ذرا آکے تماشا مرے دل کا

پہلے ہی سے جب کہتے ہیں کچھ طول نکرنا
پھر سُن چکے احباب فسانہ مرے دل کا

یہہ عارضِ روشن ترا اے نور کے پُتلے
تارا مری آنکھوں کا ہی ٹکڑا مری دل کا

تصویر نہ اوس بُت کی دکھاؤ مجھے ورنہ
فوراً ہی بدل جائیگا نقشا مرے دل کا

رہتا دُرِ مضموں سے ہے لبریز ہمیشہ
خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ مرے دل کا

خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا ہوا سبکو
سرکا شبِ فرقت میں جو پھایا مرے دل کا

آتے ہو مری قبر پہ کیون ساتھہ عدو کے
چھوڑو پسِ مردن تو ستانا مری دل کا

جب پڑھ چکیں وہ خط کو تو آہستہ سی قاصد
کچھہ حال زبانی بھی سُنا مری دل کا

چل کو چۂ جاناں کو شبِ غم میں سحر تک
رہتا ہے یہی مجھ سے تقاضا مرے دل کا

ہیں نام بھی لیتا نہیں زردار کا جب سے
اقلیم قناعت پہ ہے قبضہ مرے دل کا

گر دینے میں بوسوں کی کشش و پنج کرو گے
پھر تم سے نہ ہوگا کبھی سودا مرے دل کا

کیوں ڈھونڈتے ہیں سینۂ صد چاک میں احباب
ہے یار کی زلفوں میں ٹھکانا مرے دل کا

کر غیر کو کاشانہ سے باہر کہ یہ خونخوار
نشتر مرے سینہ کا ہے کانٹا مرے دل کا

جز ذاتِ خدا اب نہیں باقی کوئی ترکی
اس عالمِ فانی میں سہارا مرے دل کا

ولہ

وہ بہرِ عیادت بھی مرے گھر کو نہ آیا۔
حالت پہ مری رحم ستمگر کو نہ آیا

ولہ

پھر جوش ہوا ہے چشمِ تر کا
پھر زخم ہرا ہوا جگر کا

سودا نہ گھٹا ہمارے سر کا
ارماں نکلا نہ چارہ گر کا

ہے جوش پہ بحرِ چشمِ تر کا
ساماں کہیں بہہ نجائے گھر کا

اب تک تو بچا نہیں ہے کوئی
ظالم زخمی تری نظر کا

ہے مثلِ کمر نہاں نظر سے
مضمون بھی یار کی کمر کا

ہو جاتا ہے رنگ فق شبِ وصل
لیتا ہے جو نام وہ سحر کا

تھا آہ کا میری اک شرارہ
شعلہ جسے سمجھے تھے سقر کا

خط دینے سے پہلے لے دیا نام
اتنا ہے قصور نامہ بر کا

لڑکے بھی تو سنکے شعر میرے
لیتے نہیں نام پھر شکر کا

دیکھو تو عدو کی چھیڑ مجھ سے ہے پوچھنا رستہ اُسکے گھر کا

للہ سنا دے آج ترکی
نغمہ کوئی اپنے شعر تر کا

نہ لکھنا نامہ پھر ہمکو جواب آیا تو یہ آیا کئے برسوں میں خطِ پُر عتاب آیا تو یہ آیا
تڑپنا لوٹنا رونا نہ سونا تیری حصہ ہیں ازل سے ای دلِ پُر اضطراب آیا تو یہ آیا
نہ خود آنا نہ خط لکھنا جتا دیتے ہیں ہم تجکو پسِ مدت مری خط کا جواب آیا تو یہ آیا
لکھا مکتوب میں ہر جا اُس نے نامہ بر مجکو جواب آیا تو یہ آیا خطاب آیا تو یہ آیا

نہیں وہ بیوفا ملنے کا ہرگز تجھ سے ای ترکی
کیا جب استخارہ شبکو خواب آیا تو یہ آیا

اب تو میرے سامنے وہ بے نقاب آنے لگا روبرو ذرہ کے روئے آفتاب آنے لگا
بارِ عصیاں سے عرق روزِ حساب آنے لگا سامنے دادارِ محشر کے حجاب آنے لگا
بال اُس کے ہوگئے جب سادہ کاغذ کیطرح دمبدم پھر تو مرے خط کا جواب آنے لگا
غمزدہ آفت زدہ وحشت زدہ سودا زدہ اک نیا ہر خط میں اب مجکو خطاب آنے لگا
خط نہ تھا جب چہرہ پر کرتے تھے وہ مجھ سے حجاب اب جو خط نکلا مجھے اُن سے حجاب آنے لگا
داستانِ غم جو کی آغاز فرمانے لگے چُپ رہو بہر خدا اب ہمکو خواب آنے لگا

تھا لڑکپن اوس کا ترکی میں جواں تھا جن و نون
ہوگیا میں پیر جب اُسپر شباب آنے لگا

پھر دلِ ناکوک پر اُن کے کچھ غبار آنے لگا کہتے ہیں مجھ سے کہ اب تو بار بار آنے لگا
سیر دیرانہ میں پھر وہ شہسوار آنے لگا اس طرف ہر روز پھر بہرِ شکار آنے لگا

پھر ہماری بزم میں وہ گلعذار آنے لگا
پھر ہمارے باغ میں رنگِ بہار آنے لگا

پہلے تو جاتا تھا چھپکر شبکو غیر اُنکی طرف
دن دہاڑے اب تو وہ ہو کر سوار آنے لگا

مدعی کا جھوٹھ جب ہر قول میں ثابت ہوا
پھر تو میری بات کا کچھ اعتبار آنے لگا

آنے جانے جب لگی وہ میرے گھر میں گاہ گاہ
اس دلِ مہجور کو پھر کچھ قرار آنے لگا

ڈھل گیا روزِ جوانی جب تو پھر ترکی ہمیں
یاد ہر شب خالقِ لیل و نہار آنے لگا

گر آج تہی دیکھیے گا نہ دیدار تمہارا
بچتا نظر آتا نہیں بیمار تمہارا

یہہ بات مری عقل رسا میں نہیں آتی
ہو جاتا ہے دشمن مرا کیوں یار تمہارا

وله

مغبچے کا عدو مرید ہوا
تھا پلید اور وہی پلید ہوا

بایزید اور کوئی بزید ہوا
ایک پاک اور اک پلید ہوا

اون کو یہہ شوق یہ زدید ہوا
واہمارا در امید ہوا

نام جانے کا پھر لیا اُس نے
دل پر اک صدمہ پھر شدید ہوا

قتل کے دن ملے وہ مقتل میں
مجھکو یہہ روز روزِ عید ہوا

اون کے میں جھوٹھ کو بھی سچ سمجھوں
حکم یہہ آج ہے جدید ہوا

پھر ہے شور آج اُنکے کوچہ میں
پھر کوئی اوس جگہ شہید ہوا

اوسکو کہتے ہیں سب بہشت نصیب
تیغ سے تیری جو شہید ہوا

میں رہوں باہر اونکی محفل سے
بند و بست آج یہ جدید ہوا

مدعی کی رہوں اطاعت میں
پھر تو میں اُس کا زر خرید ہوا

تھا وہی ترکی حزیں کہ آج
تیری تلوار سے شہید ہوا

آج دیکھیں گے کہ دو دِل کہاں تک جائیگا
آسماں تک جائیگا یا لامکاں تک جائیگا

وله

دام کاکل کمند نے مارا
نیزہ قدِ بلند نے مارا
زہر دیکر ہنسی ہنسی میں مجھے
اوس لبِ نوشخند نے مارا
تاک کر تیرِ غمزہ دل پہ مرے
چشم آفت پسند نے مارا
کھول واعظ نہ اب زباں کہ مجھے
تیری شمشیر بند نے مارا

روز کے رونے سے مجھے ترکی
اِس دلِ دردمند نے مارا

جبتک کہ جنوں کا مری شہرا نہوا تھا
میں دیدۂ خلقت میں تماشا نہوا تھا
مشہور ولایت مری جبتک نہوئی تھی
خلقت کا مری قبر پہ میلا نہوا تھا
شبنم نوح کے طوفاں میں تھا جبتک کہ ہماری
آنکھوں سے رواں خون کا دریا نہوا تھا
دو دن سے ہی جیسے کہ خفا یار دل آزار
آزردہ وہ مجھ سے کبھی ایسا نہوا تھا
بیتاب شب ہجر میں یہ آج ہے جیسا
مضطر کبھی ایسا دلِ شیدا نہوا تھا
میں سامنے بیٹھا رہا اُس شوخ کے جبتک
تب تک تو مرے قتل کا ایما نہوا تھا
تھی واعظِ دیندار کے ہر حرف میں تاثیر
جبتک کہ وہ مدحت گرِ دنیا نہوا تھا
خلقت مجھے کہتی تھی غرد مند کہ جبتک
زلفِ سیہ یار کا سودا نہوا تھا
ترکی مجھے وہ دیکھ کے اب چھپتے ہیں جیسے
اس طرح کا پہلے کبھی پردا نہوا تھا

جب دو چار اون سے آفتاب ہوا
کیا خجالت سے آب آب ہوا

عشق بھی جان کا عذاب ہوا
گھر اسی سے مرا خراب ہوا

مدعی پر بھی آج میری طرح
دوست کہتے ہین کچھ عتاب ہوا

پونچھا جب غیر نے پسینہ ترا
میں ندامت سے آب آب ہوا

قتل سے ہو گیا میں خلد نصیب
اور اولٹا نہیں صواب ہوا

جب چھڑکنے لگا عدو مجھ پر
زہر حق میں مرے گلاب ہوا

گر نہ آیا جواب خط ترکی
یہ سمجھنا کہ پھر عتاب ہوا

نالہ مرا سنکر جو وہ باہر نکل آیا
پہلو سے تڑپ کر دل مضطر نکل آیا

اتنا تو اثر ہے مری نالی مین کہ سنکر
باہر تری دیوار سے پتھر نکل آیا

آنسو جو مری سامنے اسکے نکل آئے
ظالم کا وہیں میان سے خنجر نکل آیا

مقتل مین جیو رات سے کیا قتل کو تیرے
اعدا سے ستم کیش کا لشکر نکل آیا

یا حافظ یا ناصر تیرا ہو ترکی
اعدا کے محلے سے میں اکثر نکل آیا

اب ضعف تو دو گام بھی چلنے نہیں دیتا
ہر چند سنبھلتا ہوں سنبھلنے نہیں دیتا

خلوت سے وہ بدخواہ کو ٹلنے نہیں دیتا
اس مار کو روزن سے نکلنے نہیں دیتا

کروٹ بھی شب وصل بدلنے نہیں دیتا
ارمان مرے دل کے نکلنے نہیں دیتا

ڈرتا ہی کہ چبھ جائیگے مژگانکے کانٹے
آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتا

شمع رخ دلدار پہ ترکی مجھے دشمن
پہلے پر پروانہ سے جلنے نہیں دیتا

دل بند جو یوں زلفِ پریشاں میں رہیگا
باقی نہ کوئی تار گریباں میں رہیگا

پڑ جائیگی گرہ مہ بالا پہ ترے آنکھ
شمشاد نہ پھر صحنِ گلستاں میں رہیگا

ولہ

دم میری وفا کا وہ ستمگر نہ بھرے گا
جبتک کہ مرے خون سے خنجر نہ بھریگا

ساغر میں مرے وہ مئے احمر نہ بھرے گا
اشکوں سے مری اوسکا جو ساغر نہ بھریگا

تو یار کبھی ہو گا نہ جبتک کہ ہمارا
پیمانۂ عمر اے بتِ خودسر نہ بھریگا

اوس روز سمجھنا کہ ہوا کوچ ہمارا
جس رات یہ آہین دلِ مضطر نہ بھریگا

باز آئے گا عصیاں سے کہاں نفس جفاکیش
جبتک بُری اعمال سے دفتر نہ بھریگا

غیروں سے نہو گا کبھی خالی ترے گھر میں
جبتک کہ دخانِ دلِ مضطر نہ بھریگا

کرتا ہی رہونگا میں تری لعل کی توصیف
جبتک تو مری جیب میں گوہر نہ بھریگا

لکھوں گا اگر میں لبِ شیریں کا تری وصف
کیا پھر بھی مرے مُنہ میں تو شکر نہ بھریگا

کیا دیکھ کے محشر میں مری تشنہ دہانی
پیمانہ مراساقیٔ کوثر نہ بھرے گا

کہدونگا میں اُس بت سے ستم جنسے ہوئے ہیں
مُنہ میں مرے گر حشر میں کنکر نہ بھریگا

دیدیگا تو گر جان بھی تُرکی اُسی تب بھی
دم تیری محبت کا وہ کافر نہ بھرے گا

خون سے رہتا ہے یوں لختِ جگر بہیگا
جسطرح شبنم سے ہو گلبرگ تر بہیگا ہو

اشکِ گلگوں سے مرے پُرنم ہے یونگلیسیوار
خون سے رہتا ہی جیسے مشک تر بہیگا ہو

جب بچوڑا عرصۂ محشر میں طوفاں ہو گیا
تھامرا اشکوں سے دامن اُسقدر بہیگا ہو

وہ اگر تشریف لائیں گے تو بیٹھیں گے کہاں
کیونکہ اشکوں سے ہے میرا گھر کا گھر بہیگا ہو

ایک بھی لفظ اُن سے ہوگا حل نہ اس طومار کا
ہے مرا خط آنسوؤں سے نامہ بر بہیگا ہوا

گھر میں دشمن کے نہیں آئے نہا کر تم اگر
پھر بھی کیوں گیلا بدن ہے اور سر بہیگا ہوا

کیوں نہ ہو جاتا معطر ہر سخنور کا دماغ
عطرِ گل سے تھا مرا ہر شعر تر بہیگا ہوا

تیرِ اجب پیکاں نکلا چیر کر پہلو مرا
خون سے تھا اے جفا جو سر بسر بہیگا ہوا

کیا ہی رہتا ہے شبِ غم میں دو فوارہ سے
آبرہ بہیگا ہوا اور آستر بہیگا ہوا

بے تکلف سو گیا آتے ہی شبکو میری ساتھ
گرچہ تھا بارش میں وہ رشکِ قمر بہیگا ہوا

وہ رخِ رنگیں تھا شبکو یوں مرے بوسوں سے تر
اوس سے جیسے ہو گلِ وقتِ سحر بہیگا ہوا

یار کی چوکھٹ پہ رویا میں تری کی رات کو
تھا سحر تک آج اُس کا سنگِ در بہیگا ہوا

تیرے جو ہوا کان کا بالا تہ و بالا
کیا ہونے لگا چاند کا ہالہ تہ و بالا

ہم زلزلۂ آہِ سحر خیز سے ہر شب
کر دیتے ہیں اوس بُت کا شوالہ تہ و بالا

دیتا ہے مجھے بزم میں صہبا جو کبھی یار
کر دیتے ہیں اغیار پیالہ تہ و بالا

دیکھے گا جو حلقہ ترے رخسار کے خط کا
ہو جائے گا پھر ماہ کا ہالہ تہ و بالا

دیکھا رخِ نازک جو ترا فرطِ حیا سے
ہونے لگا برگِ گلِ لالہ تہ و بالا

ڈھائی تیری رفتار نے محشر میں قیامت
قامت نے کیا عالمِ بالا تہ و بالا

ہر گام پر اس خبثِ رفتار سے تیری
ہو جاتا ہے دل کا مرے چھالا تہ و بالا

انجم ہوئے بیتاب ہوا شبکو جو ای ماہ
بالے کا ترے لولوِ لالا تہ و بالا

فوجِ دلِ عشاق کو کر دیتا ہے دم میں
ظالم تری مژگاں کا رسالا تہ و بالا

گیسو جو ہلے باد سے تیری دلِ بلبل
ہونے لگا مثلِ گلِ لالا تہ و بالا

کر دیتا ہے دل کو مری ملتے ہی نگاہیں
تُرکی نگہِ یار کا بھالا تہ و بالا ۔

دیکھکر یار کو زاہد کا وضو ٹوٹ گیا
عشق کی چوٹ سے سر مثل کدو ٹوٹ گیا

تہی خزاں میں جو دئے زخم جگر پر ٹانکے
آتے ہی موسم گل کے وہ رفو ٹوٹ گیا

ٹوٹ مشاطہ یہہ جائیگا مرا رشتۂ زیست
ایک بھی یار کی زلفوں کا جو مو ٹوٹ گیا

ہو گیا اشک رواں سے دلِ نازک ٹکڑی
کوزۂ خام ہمارا لبِ جو ٹوٹ گیا

گر کے سنگِ درِ جاناں پہ مرا سر کیطرح
آج پھر کاسۂ زانوئے عدو ٹوٹ گیا

رُعب حسنِ بتِ طنّاز سی شب مجلس میں
شیخ کے ساتھ ہمارا بھی وضو ٹوٹ گیا

یہہ ہوا شیخ سے میں دست و گریباں تُرکی
سبحہ اوس کا مرا زنّارِ گلو ٹوٹ گیا

میں یہہ سمجھوں گا اگر تارِ نظر ٹوٹ گیا
طائرِ نامہ بر یار کا پر ٹوٹ گیا

رات کو پٹکا جو در پر تری سر کو میں نے
سر مرا اور ترا حلقۂ در ٹوٹ گیا

بیوفا سنگِ جفا سے دلِ نازک کو نہ توڑ
پھر نہیں جوڑنیکا شیشہ یہ اگر ٹوٹ گیا

رشتۂ زیست نہیں رشتۂ سلکِ گوہر
تا قیامت نہ جوڑیگا یہ اگر ٹوٹ گیا

اوک میں دیتا ہی کیوں پہول مجھے اے ساقی
ساغرِ بادۂ گل رنگ مگر ٹوٹ گیا

کوچۂ یار میں پھر ہوگا نہ طوفاں برپا
تار اشکوں کا اگر دیدۂ تر ٹوٹ گیا

ٹھوکریں اتنی رہ عشق میں کھائیں تُرکی
گرتے گرتے کہ مرا کاسۂ سر ٹوٹ گیا

محتسب نے جو سبوئے مئے احمر توڑا
ہم نے سر اوس کا وہیں مار کے پتھر توڑا

ولہ

پھرتا نہیں در سے ترے رو قبلہ نما کا ۔ قبلہ ہے ترا روے نکو قبلہ نما کا ۔
او گلا ترے غم میں جو لہو قبلہ نما نے ۔ لالہ کی طرح ہو گیا رو قبلہ نما کا ۔
چھایا ہے ترے حسن کا یہہ رعب کہ ہر دم ۔ رہتا ہے ترا زلزلہ ہی میں رو قبلہ نما کا
ہوتا ہے جو تو سامنے پھر جاتا ہے فوراً ۔ جانب ترے رخسار کے رو قبلہ نما کا
جم جائیگی گر گرد تری راہ میں اے بت ۔ موہنہ دہو میں گے جا کر لب جو قبلہ نما کا
موہنہ اپنا پھرائے گا نہ وہ بیت صنم سے ۔ پتھر سے دباؤ نہ گلو قبلہ نما کا ۔
اتنا بھی نہ پوچھا کبھی مجلج نے آکر ۔ کیوں خون سے آلودہ ہے رو قبلہ نما کا
پھرتا ہے ترے گرد تو شاہد رخ یار ۔ آفاق میں مقصود ہے تو قبلہ نما کا
آتا تری جانب وہیں اڑ کر جو نہوتا ۔ قلاّبہ آہن میں گلو قبلہ نما کا ۔
کعبہ ترا عارض جو نہوتا تو نہ پھرتا ۔ جانب ترے رخ کے کبھی رو قبلہ نما کا

ترکی رخ جاناں کے یہ مشتاق ہیں دونوں
کیونکر نہو دل میرا عدو قبلہ نما کا ۔

سمجھکے کچھہ تری شمشیر کیں پکڑ نہ سکا ۔ اکڑ کے میں دم کشتن زمیں پکڑ نہ سکا
گرا جو میں سر مطرب پہ وجد کرتے ہوئے ۔ تو کوئی اٹھکے مجھے ہمنشیں پکڑ نہ سکا
چلا صنم کدہ کو اٹھکے میں جو مسجد سے ۔ تو کوئی ڈر کے مجھے اہل دیں پکڑ نہ سکا
عدو کے ساتھہ ہی دریا نکو بھی سلا دینا ۔ مگر میں ڈر سے ترے تیغ کیں پکڑ نہ سکا

بہت ہی کرتے رہے جستجو مگر ترکی
ہمارا عیب کوئی عیب بیں پکڑ نہ سکا

غنچۂ دل کو مرے کیا ہو گیا۔ کون میری راہ میں کانٹے بو گیا
پونچھکر آنسو مرے وہ بحرِ حسن تہ جو دل میں داغ فرقت ہو گیا
خواب میں آیا وہ میرے رات کو جاگ اُٹھا بخت جب میں سو گیا
میں جو سرکا بزم میں اوسکی طرف وہ سرک کر اور آگے ہو گیا

کم نہیں ترکی علم سے کوئی یار
پھر نہ لوٹا اوس کی جانب جو گیا

اوس نے مرہم نہ کبھی زخمِ جگر پر رکھا دامن اپنا نہ مرے دیدۂ تر پر رکھا
پھایا جب اُس نے مرے زخمِ جگر پر رکھا میں نے ہاتھ اوس کا وہیں چشم کے سر پر رکھا
آتشیں لعل جب اُس نے گلِ تر پر رکھا جلکر اخگر وہیں ہم نے بھی جگر پر رکھا
پھر نہ موہنہ کھولا شبِ وصل میں بسمل کیطرح دشنہ جب شاہ رگِ مرغِ سحر پر رکھا
فیصلہ اپنے کلام اور معانی خاں کا ہم نے اس شہر کے ہے اہلِ ہنر پر رکھا
اُف رے سوزش کہ لگا جلنے فتیلہ کیطرح اوس نے بھالا جو مرے لختِ جگر پر رکھا
موئے گیسو کی طرح رہ گئی پرخم ہو کر ہاتھ میں نے جو یوہیں اُسکی کمر پر رکھا
اشکِ گلگوں سے وہیں ہو گیا ہمرنگ شفق دامن اوس نے جو مرے دیدۂ تر پر رکھا
روکنے کے لئے میرے ہی بجائے دربان آجکل اُس نے ہے اغیار کو در پر رکھا
دلِ نازک پہ نہ ڈالوں گا میں بارِ غمِ عشق آجتک کس نے ہے پتھر کو گہر پر رکھا

دل کے چھالوں کی جلن ہو گئی ٹھنڈی ترکی
اُس نے جب دستِ حنا بستہ جگر پر رکھا

خال دلبر نظر نہیں آتا دن کو اختر نظر نہیں آتا۔

ایک مدت سے اپنے پہلو میں
دلِ مضطر نظر نہیں آتا ۔ ؎

اہل دیں سے یہہ جا کے پوچھیں گے
کیوں وہ کافر نظر نہیں آتا

بیٹھے مقتل میں ہیں کمر میں مگر
آج خنجر نظر نہیں آتا ؎

مغبچہ کی دوکان کا پھر آج
کیوں کہلا در نظر نہیں آتا

کھینچی واں تیغ اوسنے اور یہاں
دوش پر سر نظر نہیں آتا

کیوں در یار پر ترا ترکی
آج بستر نظر نہیں آتا

دیکھئے فرقت کی شب نالہ کہانتک جائیگا
بہتے بہتے چشمہ آنکھوں کا کہانتک جائیگا

ولہ

میرے ہمرہ قیس دیوانہ کہانتک جائیگا
پوچھتا ہے تیرا ویرانہ کہانتک جائیگا

پیچھے پیچھے دوڑتا ہے میرے مجنوں کس لئے
ساتھہ وحشی کے یہ دیوانہ کہانتک جائیگا

سرگذشت اپنی جو میں کہنے لگا کہنے لگے
ختم کب ہوگا یہہ افسانہ کہانتک جائیگا

پند گو کیوں آرہا ہے میرے ہمدشت میں
ساتھہ دیوانہ کے فرزانہ کہانتک جائیگا

ترکی وحشی کے ہمرہ یوں پیادہ روز و شب
رہنمائے کوئے جانانہ کہانتک جائیگا

سر سے جو اُس پری کے دوپٹہ اتر گیا
ہنسکر کہا کسی نے کہ پردا اوتر گیا

مانی کہو تو یار کا نقش اُتر گیا ؎
کیا ہو بہو کمر کا نمونہ اُتر گیا

کل موج زن جو تھا شب غم میں محیط اشک
پڑتے ہی آج وصل کا چھینٹا اُتر گیا

آیا تو بام پر تھا مگر مجھکو زیر بام
اوس روکش قمر نے جو دیکھا اتر گیا

خلوت نہیں ہوئی جو عدو سے تمام رات
پھر کس لئے جناب کا چہرا اتر گیا

میں نے پکڑ لیا جو بُتِ نازنیں کا ہاتھ
بولا کہ چھوڑ دے مرا پہونچا اتر گیا

پھر آفتابِ حشر کی دیکھیں گے آب و تاب
داغِ جگر کا گر مرے پہایا اتر گیا

موچھیں چڑھائے بیٹھا تھا محفل میں میں ہی
آتے جو دیکھا مجھکو تو چہرا اُتر گیا

پیری کا گھاٹ دیکھ کے تر کی چڑھا ہوا
عہدِ شباب کا تھا جو دریا اوتر گیا

کہلا ختمِ رُسل کی نعت میں جسدم مُنہ اپنا
فلک پر لے گئے روح الامیں لیکر سخن اپنا

ملک مونہہ سے نکلتے ہی فلک پر لیکے جاتے ہیں
زمیں پر اس لئے ہوتا نہیں شائع سخن اپنا

ولہ

میرا سودا سے سر نہیں جاتا
گریۂ چشم تر نہیں جاتا

میں شبِ غم میں مر نہیں جاتا
جان سے کیوں گذر نہیں جاتا

عشق میں کس کا سر نہیں جاتا
کون اس غم میں مر نہیں جاتا

سخت ہے راہ کوئے یار اُس جا
نامہ بر کیا خضر نہیں جاتا

وصل اور ہجر میں ترا رونا۔
اے دلِ نوحہ گر نہیں جاتا

میرے ہی گھر سے ضد ہے کچھ ورنہ
وہ پریرو کدھر نہیں جاتا

کیوں ترا خنجرِ جفا دمِ قتل۔
حلق سے تا جگر نہیں جاتا

نالہ سنتا ہے جسطرف سے مرا
پھر وہ ظالم ادھر نہیں جاتا

قتل کا نام سنکر اوسکی طرف
ڈر سے اب نامہ بر نہیں جاتا

نالۂ جاں خراش سُنکے مرا
کون سی شب وہ ڈر نہیں جاتا

صبح فرقت کا وصل کی شب بھی — دل عاشق سے ڈر نہیں جاتا۔

ہو گا سودائے سر نہ کم ترکی
تن سے جبتک یہہ سر نہیں جاتا

گھر میں غیروں کے وہ ادھر دو پہر ہنسی لگا — دوپہر کیا بلکہ شب سے تا سحر رہنے لگا۔
پوچھتا تھا حال میرا اس سے پہلے دمبدم — رات دن اب تو وہ مجھ سے بیخبر رہنے لگا۔
بخت برگشتہ نے شاید کچھ مدد کی ہے کہ روز — چھوڑ کر وہ اپنے گھر کو میرے گھر رہنے لگا۔
دیکھہ تو تیری بدولت میرے گھر کے اردگرد — روز جاری بحر خوں اے چشم تر رہنے لگا

پہلے ملجاتا تھا کچھ اوس ماہ کا ترکی سراغ
اب نہیں معلوم شب کو وہ کدھر رہنے لگا

ردیف بای موحدہ

مسجد سے اٹھکر آیا ہوں میخانیکے قریب — ہوتی بسر ہے مست کی مستانیکے قریب
ہمجنس اُنس رکھتا ہے ہمجنس سے ضرور — دیوانہ بیٹھ جاتا ہے دیوانیکے قریب
پنہاں تمہاری آنکھہ سے کیوں دل مرا رہے — بینائے بادہ چاہیے پیمانیکے قریب
آبیٹھا اٹھکے دیر سے مسجد میں وہ صنم — گھر اپنا میں نے باندھا جو بتخانیکے قریب

ہے ساکنان شہر سے نفرت مجھے بہت
ترکی میں گھر بناؤنگا ویرانیکے قریب

ہے روے یار گلشن کشمیر کا جواب — ابرو ہے اصفہان کی شمشیر کا جواب
میں لکھتے لکھتے تھک گیا احوال دل مگر — دیتے نہیں ہیں وہ مری تحریر کا جواب

عارض ہی تیرا دیگا کسی روز اے پری
خورشید اور ماہ کی تنویر کا جواب

دیتے نہیں ہیں بزم میں صاحب سخن کبھی
نافہم کے کلام گلوگیر کا جواب

دیگی صفِ نبرد میں اُس شوخ کی نگاہ
شمشیر کا جواب یہی اور تیر کا جواب

اب تک تو میری اہلِ سخن نے نہیں دیا
تحریر کا جواب نہ تقریر کا جواب

اس عہد میں نہیں کوئی ترکی مرے سوا
لکھے جو غالب اور غزل میر کا جواب

کچھ لکھا جاتا نہیں مکتوب دلبر کا جواب
ورنہ لکھدیتا تھا میں دم بھر میں دفتر کا جواب

میرے خط کا نامہ بر لائیگا یا سیح کسطرح
اونسے لکھا جائیگا کب اتنے دفتر کا جواب

شیخ قائل ہوگئے اُس بت سے جب کہنے لگے
غیر خاموشی نہیں کچھ ایسے کافر کا جواب

اُڑ گئے مقتل میں قاتل کے وہیں ہوش و حواس
تیرے ابرو نے دیا جسوقت خنجر کا جواب

حیدرآباد دکن میں آجکل میرے سوا
کون دیسکتا ہے ترکی شعر برنٹر کا جواب

بتوں کے عشق نے گو کر دئے ہیں زشت نصیب ۔
عجب نہیں کہ بس مرگ ہوں بہشت نصیب

ہمیشہ کہتا تھا واعظ ہمیں کنشت نصیب ؛
کیا ہے عفو خدا نے مگر بہشت نصیب

مزہ تو جب ہے کہ شدّاد کی طرح دم حشر ؛
نہو بہشت کی واعظ کو ایک خشت نصیب

خدا کرے کسی بُت پر دل آئے واعظ کا ۔ ؛

لقب ہوا اُس کا بھی میری طرح کشتہ نصیب

یقین ہمکو ہے سختہ کہ ایکدن ترکی
گلی میں ہونگے ہم اُس حور کی ہشت نصیب

ردیف بای پارسی

میری آہ گرم کو جب دیکھکر آتی ہی دہوپ
مثل خال روئے زنگی پھر نظر آتی ہی دہوپ

جب کبھی روز الم میں میرے گھر آتی ہی دہوپ
شام تک شکل شب تار نظر آتی ہی دہوپ

پاؤں کیا پھیلائے ہیں پیری میں غفلت نے مری
تکیہ سے اُٹھتا ہوں جب بالای سر آتی ہی دہوپ

ضعف سے مشکل ہے جانا سایۂ دیوار تک
لوٹ جاتا ہوں اُدھر کو جب اِدھر آتی ہی دہوپ

عاشق خورشید رویا رہوں مقصد ہی وہ
تب تو ہر پھر کر مرے پیش نظر آتی ہی دہوپ

آفتاب روز ہجراں سر سے ٹلتا ہی نہیں
آنکھ پڑتی ہی جدہر میری نظر آتی ہی دہوپ

ہاں جھڑی تو ہی لگا دے اشک دیا بار کی
دیکھہ تو کس جوش سی اے چشم تر آتی ہی دہوپ

کیا عجب ہوں مے سر اول محاسن سے سفید
صحن سے پہلے ہی اکثر بام پر آتی ہے دہوپ

اسکو صبح وصل سی ترکی عداوت کر نہیں ہا
پھر مرے گھر میں یہ کیوں پیش از سحر آتی ہی دہوپ

دیکھا جو رخ پہ زلف بت سحر فن کا سانپ
مجکو ہوا گماں کہ ہی صحن چمن کا سانپ

اعجاز اور چیز ہے جادو ہے اور شئے
موسی کو کیوں دکھاتا ہی ساحر سن کا سانپ

غماز روسیاہ کو دشمن سے کم نہ جان
یہ مار آستیں ہے تو وہ پیرہن کا سانپ

مارا ہے مجکو افعی زلف تلنگ نے
کیا زہر دار ہوتا ہے ملک دکن کا سانپ

نام ملک

غب غب سے کر جدا خمِ زلفِ سیاہ کو
لکھیں گے ورنہ ہم اُسے چاہِ ذقن کا سانپ

کالی زباں ہے مدّعی تیرہ فام کی
پھر عیب کیا ہے لکھیں جو اوسکو دہن کا سانپ

کیا ڈر گیا جو رکھدیا میں نے بنا کی رات
اُس سیتن کی راہ میں شاخِ سمن کا سانپ

میرے خزینۂ زرِ معنی کو دیکھکر
کہتے حسود ہیں مجھے گنجِ سخن کا سانپ

مسک عجب نہیں ترے ڈسنے کیواسطے
بن جائے گر مزار میں تارِ کفن کا سانپ

رکھتی بنا کے ہے مری ہیبت کیواسطے
مشاطہ زلفِ یار میں مشکِ ختن کا سانپ

ترکی نہ اب کسی کی ہجا میں اُٹھا قلم
کہتے ہیں شعرِ ہجو کو شاعر سخن کا سانپ

ردیف تای فوقانیہ

پھر جدائی کی سر پہ آئی رات
پھر گھٹا کیطرح ہے چھائی رات

شیخ صاحب بہت جتاتے رہے
بزمِ جاناں میں پار سائی رات

ہاتھا پائی اگر نہ کرتا وہ
پھر بھوتی کہی لڑائی رات

اوس سے پھر ہوگئی ہیں آنکھیں چار
بیٹھے بیٹھے مری بن آئی رات

وہ نہ آیا تو غم نہیں ترکی
بے وفا موت بھی نہ آئی رات

ہے شبِ عاشورہ ایدل آج ہی طاعت کی رات
کھو نہ غفلت میں اسی ناداں کہ ہے برکت کی رات

رات اور دن ہیں یہ تم کے مگر سمجھا ہے تو
دنکو روزِ انبساط اور راتکو عشرت کی رات

ولہ

بالکون

منعم سے نہ نکلی مرے اشعار کی قیمت
ہوتی ہے گراں گوہر شہوار کی قیمت

دو چیز کمی دے سکتا نہیں کوئی جہاں میں
بوسہ کی ترے اور مرے اشعار کی قیمت

بوزلف کی تیرے جو بڑھی جانب تبت
کیا گھٹ گئی ہے نافۂ تاتار کی قیمت

کردی ہے کم ابرو و مژگان نگہ نے
ساطور کے پیکان کی تلوار کی قیمت

بوسے یہاں تک کہ بڑھے بازار میں اٹھی
دو پیسے مرے خرقہ و دستار کی قیمت

ہاں یہ تو کہو ساکن اقلیم بدخشاں
کیا ٹھہری ہے لعل لب دلدار کی قیمت

ہیں دیکھتے لیکن نہیں دیتے کبھی ترکی
زردار مری طبع کے رہوار کی قیمت

کہتے ہیں مجھے ساکن ایوان محبت
سلطان محبت کبھی خاقان محبت

قائم نہیں رہتے ہیں وہ پیمان محبت
آتش سے جلا دیتے ہیں فرمان محبت

غم خانۂ دنیا میں مجھے حرج نہ کر بند
شایاں ہے مرے واسطے زندان محبت

رکھلیتا ہے دیہیم میں آنکھوں سے لگا کر
منشور مرا دیکھکے خاقان محبت

یہہ دور رہے وہ جانگیگی کاوش نہ دلوں سے
برسے اگر افلاک سے باران محبت

ہوتی نہیں یہہ بند کبھی دنکو نہ شبکو
ہر وقت کھلی رہتی ہے دکان محبت

بہکانے سے دشمن کے وہ کردیتے ہیں پار
پنجہ سے غضب کے مرا دامان محبت

رضواں نے کہا دیکھکے نزہت میں بھے افزوں
جنت کے گلستان سے یہ بستان محبت

مخفی در فردوس بریں سے نکل آئی
آیا جو نظر حور کو ایوان محبت

اک دم میں کیا اس بت بے مہر نے پارہ
برسوں میں سیا تھا جو گریبان محبت

صحرائے قیامت سے جو ناپا تو زیادہ
ہے عرض میں اور طول میں میدان محبت

اے تُرکی بیمار نہ لے صفت کا اِحساں
عیسےٰ سے نہ ہوگا کبھی درمانِ محبت

دیکھہ لیتے ہیں جب اُس نورِ نظر کی صورت
پھر نہیں دیکھتے ہم شمس و قمر کی صورت
کوچۂ یار میں بیٹھے ہوئے ہیں مدت سے
اک زمانے سے نہیں دیکھی ہے گھر کی صورت

ولہ

پوچھو نہ ہمارے دلِ بیمار کی حالت
ہے ضعف سے اب صورتِ دیوار کی حالت
بدلے گی نہ گیسو میں دلِ زار کی حالت
ہوتی ہے بُری مرغِ گرفتار کی حالت
وہ پوچھتا ہے حال ہمارا تو حد سے
بیمار کی ہو جاتی ہے اغیار کی حالت
ہے جب سے گذر کوہ و بیابا نمیں ہمارا
ابتر ہے بہت کوچہ و بازار کی حالت

افلاس کے ایام میں ہے قابلِ دیدن
تُرکی بخدا خواجۂ زردار کی حالت

اے کاش کہیں جلد ہو فردائے قیامت
دل میں ہے بہت دن سے تمنائے قیامت
جلوے کو ترے دیکھکے دار آئے قیامت
دیکھے گا پھر اے بُت نہ تماشائے قیامت
کب قد سے بڑھیگا ترے بالائے قیامت
کیوں سر پہ ہے مخلوق کے سودائے قیامت
قامت سے ترے دب گیا بالائے قیامت
دیکھے گا نہ اب کوئی تماشائے قیامت
ہے خوف کہیں پھاڑ نہ دی جوشِ جنوں سے
دیوانہ ترا دامنِ صحرائے قیامت
تو بھی تو خرام اوس کو دکھا دے کہ میں کب تک
دیکھوں گا یہہ رفتارِ ستم زائے قیامت
یاد آئے گا سرو قدِ دلدار کا انداز
جلوہ ہے ترے قامتِ رعنائے قیامت
ہر روز بپا رہتا ہے ہنگامۂ محشر
کوچے میں ترے جب سے ہے ماوائے قیامت

اے داورِ محشر نہ فرشتوں کو ملے گی
اوس شوخ کے کوچے کے سوا جا قیامت

دیکھیں گے ترے قامتِ رعنا سے ملا کر
ہم حشکے میدان میں بالائے قیامت

مدت سے ترے جلوۂ دیدار کی خاطر
عشاق کے دل میں ہے تمنائے قیامت

انداز خرامِ قدِ بالا کا دکھا کر
باطل وہیں کر دیں گے وہ دعوائے قیامت

ہم اوس کو دکھا دیں گے ترا محشر رفتار
معلوم تو ہو جائے کہیں جائے قیامت

ہو جائے نہ اس دیدۂ گریاں سے ہمارے
لبریز کہیں آب سے صحرائے قیامت

جس روز سے دیکھا ہے خرامِ قدِ جانان
محشر کی تمنا ہے نہ پروائے قیامت

دن حشکے یاد آئی جو زحمت شبِ غم کی
نالوں سے مرے دب گیا غوغائے قیامت

نکلا مرے دیرانۂ پر ہول سے ترکی
کم عرض میں اور طول میں صحرائے قیامت

ردیف ٹ

پھر لگی سینہ پہ سنگِ فرقتِ دلبر کی چوٹ
ہم نے پھر کھائی دلِ مجروح پر پتھر کی چوٹ

سنگ سے بڑھ کر ہے لگتی اسکے نازک جسم پر
دستۂ گلبرگ تر اور دانۂ گوہر کی چوٹ

اس قدر ہوں ناتواں اک نوش لب کی یاد میں
ریزۂ شکر کی ہے حق میں مرے پتھر کی چوٹ

اشک آنکھوں سے رواں ہے اور پہلو میں ہے درد
جب سے ہے دل پر لگی عشقِ بتِ خودسر کی چوٹ

سیلیٔ دشمن لگے افسوس اُس رخسار پر
نیلگوں ہوتا ہے جو کھا کر گلِ احمر کی چوٹ

شہدِ خالص ہے کلامِ یار سے شیریں کہاں
حرفِ دشمن سے نہیں ہے سخت تر پتھر کی چوٹ

تیغ سے خونریز تر ہے تیری شمشیرِ مژہ
گرز سے بڑھکر ہے تیرے دستۂ خنجر کی چوٹ

سامری بھی بھاگتا ہے الاماں کہتا ہوا
دیکھکر اے بُت تری اس چشم جادوگر کی چوٹ

سیکڑوں کہای ہیں چوٹیں ہم نے راہِ عشق میں
ہوگئے حیراں فقط تم دیکھکر اک سر کی چوٹ

کر دیا ہے اور چوٹوں کا تو عیسےٰ نے علاج
پر نہیں اچھی ہوئی اب تک دلِ مضطر کی چوٹ

جیت لیتا ہے وہی شاگرد ترکی معرکہ
ہے جو کہاتا دست استادِ سخن گستر کی چوٹ

غیر کے ساتھ نہ تجکو سو گلزار گھسیٹ
عاشقِ زار کو کانٹوں پہ نہ اے یار گھسیٹ

ڈال کر پانوں میں رسّی نہ تو زنہار گھسیٹ
باندھکر زلف میں مجھکو سرِ بازار گھسیٹ

ایک ابرو کا اشارہ مجھے کر دیگا دو نیم
دمبدم یوں نہ مرے قتل پہ تلوار گھسیٹ

آج آغوش سے آغوش ہے مدت میں ملی
دستِ نازک مرے بالیں سے نہ اے یار گھسیٹ

بعد کشتن بھی نہ اتنا کہا یاروں نے اُسے
لاش عاشق کی نہ ظالم سرِ بازار گھسیٹ

اژدرِ کشتہ کے مانند یہہ لاشہ میرا
کوچہ کوچہ میں نہ اے کاکلِ دلدار گھسیٹ

قتل کے پہلے خدا کے لئے در پر اپنے
ایک دو بار تو مجھکو بتِ خونخوار گھسیٹ

ہر طرف قتل کے میدان میں لاشہ کو مرے
رحم کر رحم نہ یوں قاتلِ خونخوار گھسیٹ

میں جو رکھتا ہوں کبھی اون کے قدم پر سر کو
میان سے لیتے ہیں فوراً ہی وہ تلوار گھسیٹ

بھول کر آیا ہوں نشہ میں خدارا مجھکو
صحنِ مسجد میں نہ یوں زاہدِ دیندار گھسیٹ

توڑ کر سبحہ کو پہنا ہے یہہ میں نے واعظ
اب نہ گردن سے مری رشتۂ زنار گھسیٹ

حالتِ نشہ میں اے محتسب خانہ خراب
خاک پر یوں نہ تنِ ترکیٔ میخوار گھسیٹ

ردیف ثانے مثلثہ

یار کرتا ہے مجھکو تنگ عبث
رات دن کر رہا ہے جنگ عبث

جب قدم رکھا راہِ الفت میں
پھر خیالات نام و ننگ عبث

آگئی موت اور آنے میں
کر رہا یار ہے درنگ عبث

یار دنیا سے کر رہا ہے دل
گردن اپنی بزیرِ سنگ عبث

نگہہ ناز کے لگاتا ہے
طائرِ دل پہ وہ خدنگ عبث

جاتا منعم ہے عہدِ پیر میں
جانبِ خطۂ فرنگ عبث

مرغ بے بال و پر ہوں میں ترکی
ڈالتا مجھپہ ہے وہ چنگ عبث

ردیف جیم عربی

اوس وقت چارہ ساز نے میرا کیا علاج
جس دم میں ہو گیا غمِ ہجراں سے لاعلاج

دو دن تھا جینا اور تو مرتا ہوں آج ہی
عیسےٰ یہہ میرا آپنے اچھا کیا علاج

ہر دم چھڑکتی ہے مرے زخمونپہ مشکناب
کرتی ہے خوب ہی مرا زلفِ دوتا علاج

کہتے ہیں میرے درد کو احباب لادوا
اور میرا نام رکھا ہے بیمار لاعلاج

آخر یہہ مجھ سے حضرتِ عیسےٰ نے کہدیا
اب مجھ سے ہو سکے گا نہ ترکی ترا علاج

بہے جو اشک ترے غم میں چشمِ تر سے آج
بلند ہو گیا پانی ہمارے سر سے آج

دکھائیں گے تری نازک کمر رگِ گل کو
ملائیں گے ترے گیسو کو مشک تر سے آج

ملاؤ عارضِ دلبر قمر کے عارض سے
کرو مقابلہ کاکل کا مشک تر سے آج

کوئی بٹھا دے مجھے اونکی رہ میں لجا کر
خبر ہے گرم کہ آئیں گے وہ سفر سے آج

کریں گے ذکر خط و زلف و قامت و لبِ یار
بنفشہ سنبل و شمشاد اور شکر سے آج

کرائیں گے وہ زلیخا دکھا کے رُخ اپنا
جمالِ عارضِ یوسف تری نظر سے آج

صلہ میں نعت کے حوروں نے کر دیا آگر
مرے دہان کو پُر دانۂ گہر سے آج

نہ دیکھتا ہمیں زردار پھر حقارت سے
نہ ہوتی جیب جو خالی ہماری زر سے آج

نیا کھلائیگا گل آسماں کوئی شاید
کہ بیکلی ہے مرے قلب کو سحر سے آج

لگاؤ اور کہ آہِ فلک نشیں کیسا تھا
نکل گئی ترے پیکاں مرے جگر سے آج

رقیب کہتا ہے شاید مرے جلانے کو
کہ میرے گھر کو وہ جائیں گی تیری گھر سے آج

فرشتے کرتے تھے یہ تذکرہ کہ ترکی نے
جلا دیا سرِ چرخ آہ کے شرر سے آج

ہے آسماں پہ اُس ستم ایجاد کا مزاج
پوچھے گا کب وہ عاشقِ ناشاد کا مزاج

پھر سر میں تیشہ مار کے ہوتا کہاں ہلاک
شیریں جو پوچھتی کبھی فرہاد کا مزاج

ہے میری کیا مجال کروں اُس سے بات چیت
انسان ہو کے پوچھوں پریزاد کا مزاج

ہم نے تو رکھا سر کو کئی بار پاؤں پر
آیا مگر نہ راہ پہ جلاد کا مزاج

تڑپا یوہیں جو عاشقِ جانباز زیرِ تیغ
کچھ اور تیز ہو گیا جلاد کا مزاج

کہتی ہے جب سے عارضِ دلدار کی شبیہ
ملتا نہیں ہے مانی و بہزاد کا مزاج

ترکی یہ مجھ سے کہتے تھے تیرے تلامذہ
کچھ آجکل علیل ہے اُستاد کا مزاج

پایا دلِ گم گشتہ کا ہے اُسمیں پتا آج
گیسو کو چھپا دوں گا میں چور یگانہ آج

کھولی نہیں اُس گل نے اگر زلفِ دوتا آج
بو عطر کی لے آئی ہے کس جا سے صبا آج

اے شیخ رخِ کعبہ سے اُٹھی ہے گھٹا آج
تھوڑی سی پلا دیں تجھے چل مردِ خدا آج

ہم کرتے ہیں دونوں کی دعا وقتِ سحر سے
دیکھیں کہ وہ آتے ہیں کہ آتی ہے قضا آج

کس پیار سے لپٹے جو کہا حشر میں مینے
میں تم کو چکھاؤں گا مزا آج

رستے سے الگ ہو گیا پہچان کے افسوس
وہ بُت جو بسی عمر سرِ راہ ملا آج

بیٹھا نہ ترے راستہ میں قتل کے ڈر سے
سر رکھکے ہتیلی پہ کوئی میرے سوا آج

خوں ریز نظر آتی ہے ہر روز سے زاید
دل چھینے لئے جاتی ہے کافر کی ادا آج

کیا حضرتِ واعظ کہیں ندوں سے تھی الجھے
ہے سر پہ نہ دستار نہ ہے تن میں قبا آج

دم بھرتے تھے جس موہنہ سے وہ غیر دنکی وفا کا
اُن سب کا اُسی موہنہ سے وہ کرتی ہیں گلا آج

پوچھے کوئی اول سے یہ نہیں تاب کسی کی۔
کس سے ہوئی تقصیر کہ بیٹھے ہو خفا آج

کہنے لگے مجھ سے یہ غزل سُنکے سخن سنج۔
کوئی نہیں مانند تری نکتہ سرا آج

تا زیست نہ پھر اور دعا کوئی کریں گے
ہو جائیگی گر وصل کی مقبول دعا آج

تو ہاتھ سے اپنے جو کبھی زہر بھی دیگا
ہو جائیگی بیمارِ محبت کو شفا آج

ترکی ہے لقب جس کا شہِ کشورِ معنی
بیٹھا ہے ترے کوچہ میں وہ بنکے گدا آج

ردیف جیم فارسی

بیگانہ ہوں نہ مرے قتل پہ تلوار کو کھینچ
بے سبب دار پہ ظالم نہ دلِ زار کو کھینچ

ناتواں ہوں نہ مری رہ میں بچھا خارِ مژہ
یوں نہ کانٹوں پہ تنِ عاشقِ بیمار کو کھینچ

اک صنم کا ہوں پرستار میں اے مفتی شہر
میری گردن سے نہ تو رشتۂ زنّار کو کھینچ

شیخ میخانہ میں آیا ہے ضمانت پہ مری
رند اب اوس کے نہ تو خرقہ و دستار کو کھینچ

میری جانب سے منافق کیطرح سینہ میں
مدعی گرد کدورت کی نہ دیوار کو کھینچ

اے مصور مرے سجدہ کے لئے مسجد میں
جھپکے واعظ سے شبیہ رخ دلدار کو کھینچ

ٹوٹ جائے رگ جاں میری نہ شاطر کہیں
یوں نہ شانہ سے خم کاکل دلدار کو کھینچ

ہے جو خواہش کہ رہوں زندہ تو جلدی ہمدم
میرے سینہ سے خدنگ مژۂ یار کو کھینچ

عہد پیری میں خدا کے لئے اب تو ترکی
مثل مزدور نہ دنیا کے گرانبار کو کھینچ

کیا جگر سوز ہے تیغ مژۂ یار کی آنچ
ہے مثل سچ کہ بُری ہوتی ہے تلوار کی آنچ

خاک کر دیتی ہے اک دم میں جلا کر دل کو
اے پری چہرہ تری آتش رخسار کی آنچ

یوں جو دیکھے گا تو جا کر دل شیدا ہر دم
خاک کر دیگی تجھے آتش دیدار کی آنچ

در ترا تابش رخسار سے یوں تپتا ہے گرم
دھوپ میں ہوتی ہے جس طرح کہ دیوار کی آنچ

اس قدر گرم ہیں کیا نار سقر کے شعلے
تیز ہے جتنی مری آہ شرر بار کی آنچ

خاک کر دیتی ہے ہر روز جلا کر مجکو
شعلۂ آتش لعل لب دلدار کی آنچ

یاد آجاتا ہے زرطشت کا آتش خانہ
دیکھکر مجکو ترے نیّر رخسار کی آنچ

دیکھکر زلف سیہ کا ترے مو باف یہ سرخ
ہوگئی سر دسر اسر دہن مار کی آنچ

برق سنکر یہ کہا کرتی ہے مجھ سے ترکی
ہے جگر سوز تری آتش گفتار کی آنچ

کر رہے ہیں غیر یوں رقص اسکے کاشانہ میں ناچ
رند پیکر جسطرح کرتے ہیں میخانہ میں ناچ

ناچتا جوشِ جنوں سے یوں ہوں کوئی یار میں
ہے کیا کرتا بگولا جیسے ویرانے میں ناچ

ریش اپنی دیکھکر رقصاں ہو میں اس طرح
مُورِ دُم کو دیکھکر کرتا ہی ویرانے میں ناچ

قیس یوں کرتا ہے اپنی شعر پر صحرا میں رقص
جیسے اپنی صوت سے طاؤس ویرانے میں ناچ

آہوئے چیں مست ہو کر ناچتا ہے زلفِ یار
جبکہ تحریکِ صبا سے کرتی ہی شاخِ بید ناچ

کسطرح کرتا تمسخر غیر تجھ سے ہر گھڑی
گر نہ جا کر دیکھتا تو اوس کا کاشانے میں ناچ

بزم میں اوس بُت کے ترکی ناچتے ہیں جیسے ہم
برہمن ایسا کہاں کرتے ہیں بتخانے میں ناچ

رہنے دے قید میں مجنوں مری زنجیر نہ کھینچ
فصلِ گل دور ہے بار دلِ گیر نہ کھینچ

سرمہ کی دیدۂ خونریز میں تحریر نہ کھینچ
قتلِ عشاق پہ دنبالہ کی شمشیر نہ کھینچ

چاہئے قیس ہی کے ساتھ شبیہہ لیلے
یار سے دور مصور مری تصویر نہ کھینچ

خاک بنے دے مری یار کے کوچہ کی ہی
پر پروانہ لگن سے فلکِ پیر نہ کھینچ

ٹوٹ جائے نہ کہیں بوجھ سے گردن تیری
اس قدر بارِ الم ترکی دلگیر نہ کھینچ

ردیف حامی حطی

گر نہیں میری طرح مشتاق رویار صبح
ایک شب میں کس لئے آتی ہی پھر دیدار صبح

صبحِ فرقت سے ہی روشن تر شبِ تاریک وصل
اور شبِ غم سے ہی بدتر ہجر کی ای یار صبح

مجھ میں اور اس میں بنا دیتی ہی فرطِ رشک سے
دن سے پہلے ہی شعاعِ مہر سے دیوار صبح

ڈال لیتی ہے ہمیشہ اُس صنم کے عشق میں
اپنی گردن میں خطِ ابیض سے کیا زنار صبح

کاکل مشکیں کو جس دم کھولدیتا ہے وہ ماہ
پھر وہیں ہوتی ہے جانیکے لئے تیار صبح

شام تک بھی پھر نہ سرکے گی کنار بام سے
اک نظر گر دیکھ لے گی یار کا رخسار صبح

مانگتی ہے بہر نذر کاکل شب رنگ یار
آہوئے دشت ختن سے نافۂ تاتار صبح

شام غم سے جاں بلب ہوں لب کھلا اے دہر حق
ایکدن تو وصل کی اے چرخ نا ہنجار صبح

سر سے ملتی ہی نہیں ہے آفت شام فراق
اور نظر آتی نہیں ہے وصل کی زنہار صبح

چشمۂ خورشید کے پانی سے دیکھ اے مست خواب
چھینٹے دیدے کر تجھے کرتی ہے کیا بیدار صبح

عالم بالا سے آتی ہے ہمیشہ دیکھنے
اوس پری پیکر کے تر کی آتشیں رخسار صبح

بند کر پند و نصیحت کا یہہ دفتر ناصح
چل پلائیں تجھے بھی بادۂ احمر ناصح

تیرا ہر ایک سخن ہے دم خنجر ظالم
تیرا ہر حرف ہے شمشیر دو پیکر ناصح

مے کی بھٹی کی طرف جاؤں گا بیٹھے بیٹھے
میرے پہلو سے کہیں جا بھی اٹھکر ناصح

دختر رز کی جو محفل میں کریگا توہین
پھر نہ جائے گا مرے ہاتھ سے بچکر ناصح

بھاگ جاتا نہ تو گر توڑ کے مے کا شیشہ
مارتا سر پہ میں بیشک ترے پتھر ناصح

بہکی باتیں نہ کر اس طرح تو میخواروں سے
ورنہ سمجھے گا کوئی آیا ہے پیکر ناصح

دیکھہ شمشیر نصیحت نے تری اے ظالم
کر دیا ہے مرا زخمی دل مضطر ناصح

چھوڑ دو نگاہی و معشوقہ کو میں بھی اسدم
شے جو لایا کوئی ان دونو سے بہتر ناصح

نظر آتا ہے جو چلتے ہوئے یاں دور شراب
بھاگ جاتا ہے مری بزم سے آکر ناصح

ہر شب آکر ترے نظارہ کو اے دختر رز
بیٹھ جاتا ہے مرے بزم میں چھپکر ناصح

میں دبے پاؤں چلا یار کے گھر کو تر کی
سوے مسجد جو گیا وعظ سنا کر ناصح

کہاں ہے غنچہ کا مُنہ یار کے دہن کیطرح
نہیں ہے شاخ سمن نازک اُسکے تن کیطرح

کہاں ہے نافۂ چیں مثلِ خال عنبر فام
ہرن کی شاخ نہیں زلف پر شکن کیطرح

ہمارے ضیغم مضموں کے دیکھکر حملے
حریف بھاگ گیا بزم سے ہرن کیطرح

پھرا بہت ہوں جہاں میں مگر نہیں دیکھا
فضا میں خطۂ کوئی خطۂ دکن کیطرح

خدا رکھے اسے قایم کہ تیس سال سے میں
دکن کے ملک میں گذری ہمیں وطن کیطرح

بہت دنوں سے تری زلفِ پر شکن کا خم
بندھا ہوا مری گردن میں ہے رسن کیطرح

وہ ڈال دیتے ہیں چادر اگر میں سوتا ہوں
عدو کے کہنے سے تن پر مرے کفن کیطرح

کروں یقین جو قسم کھا کے باغباں کہدے
کہ ہے ترا نہ بلبل مرے سخن کی طرح

شبِ فراق میں روئے ہم اس قدر تر کی
کہ اشک بہنے لگے بحر موج زن کیطرح

ہنسی ہوئی تھی جو گیسوئے گلعذار میں روح
روانہ تن سے ہوئی موسمِ بہار میں روح

اٹک رہی ہے مری زلفِ مشکبار میں روح
ملے گی بعد فنا خطۂ تتار میں روح

شتاب آ کہ نہیں طاقت اب جدائی کی
نکل نہ جائے کہیں تن سے انتظار میں روح

نظر نہ آئی جو تن میں تو ہم کو مشکل سے
ملی تھی ہوئی اوس بُت کی رہگذار میں روح

تڑپنا دیکھ کے میرا کہا معالج نے
نہ ٹھہریگی کبھی اس جسمِ بیقرار میں روح

اوسی کے ہاتھ میں ڈھونڈا ہے یہ قضا کہ جسے
نہ دل ہے سینہ میں اور ہے نہ جسمِ زار میں روح

ترے خیال میں اے مشکِ فام کاکلِ یار
رہی ہے جا کے مری خطۂ تتار میں روح

چھوڑا کے ہاتھ فرشتوں سے بھاگی جانب یار
ہمارے تن میں جو ڈالی گئی مزار میں روح

ہمارے خانۂ تن سے نکل کے جا بیٹھی
سمجھ کے گلشنِ فردوس کوئے یار میں روح

ہما بلعالی

ع عجب نہیں ہے کہ جوں خون جنوں سے ایسے کہے سال
کہ ہے ترا نہ بلبل مرے سخن کی طرح

موکلانِ قیامت سے کہدیا ہے یہہ۔ کہ قبر میں ہے مری لاش کوئی یار میں روح
یہ دونوں چیزیں ہیں مدت سے تیری قابو میں نہ میرے قبضہ میں دل ہی نہ اختیار میں روح
تعشق اس کو ہیں کہتے محبت اس کا ہے نام کہ خلد چھوڑ کے آئی ہے کوے یار میں روح
اجل ہے ڈھونڈتی پھرتی پتہ نہیں لگتا۔ نہ میرے تن میں ہے ملتی نہ کوے یار میں روح
پکڑتا دامِ قضا کسطرح اُسے اے دوست چھپی ہوئی تھی تری زلفِ تابدار میں روح

پڑا ہے ترکی بیجان کا جسم مقتل میں
رہی ہے جا کے گلستانِ کوئے یار میں روح

ردیف خاے معجمہ

جب مرے خون سے ہی خنجر سرخ پھر کر دامن اے ستمگر سرخ
رخ رنگیں کے غم میں رو رو کر کر لئے میں نے دیدۂ تر سرخ
ڈال کر شیشہ سے مئے گلگوں کر دیا اوس نے میرا ساغر سرخ
میرے خونِ گلو سے ذبح کیوقت ہو گیا اوس کے در کا پتھر سرخ
خون وہ جب کسی کا کرتے ہیں ہیں پہنتے لباس اکثر سرخ
لب نازک کو کیوں نہیں کرتے۔ مثل گلبرگ پان کھا کر سرخ
مثل وارنٹ اوسنے میرے نام آج بھیجا ہے نامہ لکھکر سرخ
لعل ہوتا نہیں، بدخشاں میں۔ جوہری مثل لعل دلبر سرخ

کر لیا میرے خون کا ترکی
قتل سے پہلے اُس نے خنجر سرخ

ردیف دال مہملہ

دارث صحرا ہوا میں حضرت مجنوں کے بعد
جانشیں عاشق ہوا اک عاشقِ محزوں کے بعد

اس قدر تو بخل کر اے منعمِ دنیا پسند
تا کرے مخلوق تیری یاد بھی قارون کے بعد

مے پلائی ہے تو لعلِ لب کا بوسہ دیجئے
چاہیئے شغلِ گزک بھی بادۂ گلگوں کے بعد

مصرعۂ زلفِ صنم کو خوش ہوا ہوں دیکھکر
اسقدر جیسے کہ شاعر مطلعِ موزوں کے بعد

بات کرتے ہی لپٹ جاتے ہیں یوں ہم یار سے
شعر کہتے ہیں مزوں جیسطرح مضموں کے بعد

قتل کر دی اُس نے شبکو صف کی صف عشاق کی
اب سحر کو کیا کریگا دیکھیں اس شوخوں کے بعد

آئیں گے اے نامہ بر راہِ دیار یار میں
ہر قدم دو تین دریا کوہ اور ہامون کے بعد

ذکر رونے کا مرے ہرگز نہیں کرتا حسود۔
رشک سے اکدن بھی بزم یار میں چیخوں کے بعد

لکھیں گے تر کی جو چاہا حق نے اس دیوانمیں
نعت کے اشعار حمد خالق بیچوں کے بعد

کر دیا ہے برف پیری نے ہمارا سر سفید۔
ہو گیا کافور کی مانند مشک تر سفید

ہو گئی فرقت میں تیری آخرای یوسف لقا
مثل چشم پیر کنعاں میری چشم تر سفید

دیکھہ لی ہے شبکو شاید تیرے دانتوں کی ضیا۔
ہو گئے ہیں تب تو سقف چرخ پر اختر سفید

ہوں رخِ سیمیں کا مجنوں اس لئے اطفالِ شہر
میری سر کو بی کو لائے سنگ بھی چنکر سفید

ہو گئے ہیں پر تو رخسار سیمیں سے ترے
پھول نسرین کے چمن میں بحر میں گوہر سفید

سرخیٔ لعلِ لبِ نوشین جاناں دیکھکر
شیر کی مانند خجلت سے ہوئی شکر سفید

گر پسر زنگی کا ہو مثلِ فرنگی کیا عجب۔
ہوتا ہے مانند برف افیوں کا جوہر سفید

نامہ بر اب تک نہیں لایا ہے یا شیخ اور یہاں
ہو گئے مانند کاغذ میرے موئے سر سفید

کالے پتھر کی طرح ہوتا ہے اکثر اسکا دل
جس کا باہر سے ہے مثل سنگ مرمر گہر سفید

عرصۂ محشر میں میری چشم دریا بار نے
سب کیے اعمال سیہ کا کر دیا دفتر سفید

ساعد سیمیں کا تیرے پڑ گیا جو شبکو عکس
ہو گیا ساغر میں رنگ بادۂ احمر سفید

ہے عروس دہر اب تک ڈھونڈتی پھرتی مجھے
ہو گئے ہیں گرچہ ترکی میرے موئے سر سفید

کرتا وہ بت نہیں مری تقریر کو پسند
تقریر کو پسند نہ تحریر کو پسند

کوشش تو کر رہے ہیں مگر آئے یہی کہیں
گردن ہماری یار کی شمشیر کو پسند

جو جاں نثار دل سے ہیں اس گلعذار کے
کرتے وہ کب ہیں گلشن کشمیر کو پسند

قصر بدن کے گرنے کا جن کو یقین ہے
کرتے نہیں وہ دہر کی تعمیر کو پسند

اکثر وہ سنتے ہیں اسے راتوں کو اس لئے
کرتا ہوں میں بھی نالۂ شبگیر کو پسند

خامی ہے جن کے عشق میں کرتے نہیں وہ یار
تشہیر کو پسند نہ تقریر کو پسند

دیوانے جو ہیں زلف گرہ گیر یار کے
کیونکر کریں نہ حلقۂ زنجیر کو پسند

اس آتشیں عذار کے جو ہیں جلے ہوئے
کرتے نہیں وہ چاند کی تنویر کو پسند

ہے جن کے دل میں نقش ترے رخ کا اے پری
کرتے وہ کب ہیں حور کی تصویر کو پسند

طالب جو تیرے کوچہ کی ہیں خاک پاک کے
منصب کو کرتے ہیں وہ جاگیر کو پسند

کیونکر نہ دل سے ہم کریں پھر اسکی پیروی
ترکی کیا ہے شیخ نے جب میر کو پسند

لفظ ترکی استعمال کیا ہے

ابرو کا تیرے کاٹ ہے ساطور کی مانند
ہر زخم ہے تازہ مرا ناسور کی مانند

سیمیں ترا رخسار ہے یہ حور کی مانند
اور قامتِ بالا شجرِ طور کی مانند

تن ضعف سے مہ کش کا ہے رنجور کی مانند
پر چلتا ہے تنکر ابھی مغرور کی مانند

افسوس کہ مدت سے گراں بارِ تعلق
سر پر میں لئے پھرتا ہوں مزدور کی مانند

دن عید کا ہے ہجر میں مثل مہِ ماتم۔
ہے غم کی شبِ مہ شبِ دیجور کی مانند

طاعت کی تکبر سے نہو جاے کہیں شیخ
احوال ترا بلعمِ باعور کی مانند

بگڑہ جاؤں گا میں دارِ پاے شیخ نہ کرتنگ
بس کہکے انا الحق ابھی منصور کی مانند

ہم عمر بسر کرتے وہیں عیش سے اپنی
منگر دل جو ہوتا کبھی لاہور کی مانند

کھینچے لئے جاتا ہے مرے دانۂ دل کو
رخ کا یہ ترے خال سیہ مور کی مانند

چالیس برس سے بھی کوئی اہلِ سخن میں
آیا نہ نظر ناسخِ مغفور کی مانند

ترکی یہ غزل سنکے ہماری شعرا کے
کیوں چہرہ کا رنگ اڑ گیا کافور کی مانند

تجکو افیوں خوار راتوں کو جو کم آتی ہے نیند
اس لئے مانند سگ ہر صبحدم آتی ہے نیند

ولہ

عاشق ہوں ترے لبِ شکر گنج کی سوگند
شیریں ہے مجھے تری بات سخن سنج کی سوگند

مصرع یہی خط میں اوسے تحریر کروں گا
غم سے ترے مرتا ہوں غم و رنج کی سوگند

سو سال سے کم عمر نہو گی تری ممسک!
کھاتا ہوں میں قارونکے چہل گنج کی سوگند

پھر کھیلنے کی ہار کے خجلت سی ہیں کہاتے
وہ گنجفہ اور بازی شطرنج کی سوگند

یہہ بھی ہے تبسم کہ ترے سامنے ترکی
کہاتا ہے جو ہر قول پہ نیر نج کی سوگند

لب کرتے ہیں محفل میں کہاں اہلِ سخن بند
بلبل کا چمن میں نہیں ہوتا ہے دہن بند

گردش تری آنکھوں کی نظر آتی ہے جسدم
ہوجاتے ہیں کیا دامنِ صحرا میں ہرن بند

مرنے کو جو پھرتا ہوں کفن باندھ کے سر پر
رکھا ہے خلائق نے مرا نام کفن بند

راتوں کو مری آہ فلک سوز کے ڈر سے
کر دیتے فرشتے ہیں رہِ چرخِ کہن بند

پھر نشترِ مژگاں سے اسے چھیڑئے آکر
ہوجائیگا ورنہ مرا ناسور کہن بند

ہر روز صبا چہرہ کے آہوئے خطا کی
کر دیتی ہے زلفوں میں تری مشکِ ختن بند

نادم جو ترے گوہرِ دنداں سے نہ ہوتے
رہتے نہ صدف میں کبھی دُرہائے عدن بند

شہ مندہ نہ ہوتی جو مرے نغمہ سے بلبل
کرتی نہ مجھے دیکھ کے پھر بابِ چمن بند

اختر اسے کیوں دیکھ کے جیتے جو نہ ہوتی
افشانِ رخِ یار میں سورج کی کرن بند

ہر شب جو یوہیں یوسفِ دل دیس میں گریں گے
ہوجائیگا اک دن دہنِ چاہِ ذقن بند

الشدرے نزاکت کہ گل اندامِ تری کی
بشمیم کے کہ بند کو کہتا ہے رسن بند

دیکھی جو مرے دل میں تمنائے محمدؐ
کہنے لگی خلقت مجھے شیدائے محمدؐ

آئے گا نظر گر رخِ زیبائے محمدؐ
آنکھوں سے لگائیں گے کفِ پائے محمدؐ

اے کاش قیامت ہو کہیں جلد کہ دیکھیں
عشاقِ حزیں قامتِ رعنائے محمدؐ

آنکھیں ہی بینا ہیں کہ دیکھا تھا جنہوں نے
مکے میں مدینے میں سراپائے محمدؐ

جب دیکھیے گی دیدۂ خلاق دمِ حشر
ہوجائیں گے ہم محوِ تماشائے محمدؐ

بالائے قیامت ہی بہت دیر سے مشتاق
جلوہ کا ترے قامتِ رعنائے محمدؐ

نادم ہوا کیا قیس کہا میں نے جو اوس کو
لیلےٰ ہے مری زلفِ چلیپائے محمدؐ

کس روز رہِ شیرب دیجی میں پڑے گی
چہرہ پہ مرے خاکِ قدم ہائے محمدؐ

وہ کون سی شب ہوگی کہ دیکھونگا میں ترکی
رویا میں جمالِ رخِ زیبائے محمدؐ

ردیف دال اُردو

زردار کو ہے صرۂ دینار کا گھمنڈ
ترکی مجھے ہے گوہرِ اشعار کا گھمنڈ

ہم ایکدن نکالیں گے اغیار کا گھمنڈ
انکو بہت ہے بندشِ اشعار کا گھمنڈ

پیکِ قضا کے سامنے چلتا نہیں کبھی
نادار کا گھمنڈ نہ زردار کا گھمنڈ

رندوں کو اپنے دامنِ تر کا خیال ہے
زہاد کو ہے خرقہ و دستار کا گھمنڈ

تیری شمیمِ زلفِ معنبر نے اے پری
کم کر دیا ہے نافۂ تاتار کا گھمنڈ

عارض دکھائیں گے نہ وہ مشتاق دید کو
انکو ہے اپنے جلوۂ دیدار کا گھمنڈ

ہے اپنے بختِ خفتہ پہ ترکی ہمیں بھی ناز
اوس مہ کو گر ہے طالعِ بیدار کا گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

ایسے حرفوں میں مجھے لکھتا ہے دلبر کا غذ
کہ پڑھا ہی نہیں جاتا ہے برابر کا غذ

اوس کا لایا جو مرے نام کبوتر کا غذ
رکھہ لیا چوم کے میں نے وہیں سر پر کا غذ

میں جو خط بھیجتا ہوں اونکو تو وہ غصہ سے
بھیجدیتے ہیں مرے پاس جلا کر کا غذ

ایکدو تین تو کیا سیکڑوں بھیجے میں نے
اوس نے دیکھا نہ مگر میرا اوٹھا کر کا غذ

خط کبھی بھیجتا ہے یار جو اُلفت آمیز ۔ میں وہ رکھ لیتا ہوں تعویذ بنا کر کاغذ
قاصد اغیار کو دیدیتا ہے رشوت لیکر جاؤں گا لیکے میں خود جانب دلبر کاغذ
خط جو لکھتا ہے کبھی یار فرامش پیشہ مثلِ قرآں وہ میں کر لیتا ہوں از بر کاغذ
بوسہ دیکر وہیں آنکھوں سے لگا لیتے ہیں دیکھکر سب مرے دیلوں کا سخنور کاغذ
آیا اُس وقت مرا نامہ کبوتر لیتے ہی مرغِ جاں جبکہ مرا اُڑ گیا لیکر کاغذ
ہے یقیں لکھے گا پھر نامہ محبت آمیز ۔ پڑھ لیا میرا اگر اوس نے برابر کاغذ

آج حالِ دلِ بیمار میں لکھکر ترکی
اوس کے دروازہ پر آیا ہوں لگا کر کاغذ

ردیف رائے مہملہ

سرکار کا عتاب ہے اس خاکسار پر ۔ ابرِ کرم کا جوش ہے مشتِ غبار پر ۔
اِک ماہ سے جو شاد کے دیکھی نہیں قدم اس غم میں آبنی ہے مری جانِ زار پر
کیونکر محیط غیظ کرے دلمیں اوسکے جا پانی نہیں ٹھہرتا کبھی کوہسار پر
مشہور شہسوار ہے آغاز مانہ میں ڈالے گا کب نگاہ وہ لاغر شکار پر
ایذا پسند یار چھڑکتے ہیں دمبدم مرہم کر جا نمک مرے قلبِ فگار پر
کیونکر نگاہِ یار سے میری لڑے نگاہ ممکن نہیں چلے کوئی خنجر کی دھار پر

یہ جاں نثار شاد ہے ترکی ہے اس کا نام
لکھنا یہہ دوستو مری لوحِ مزار پر

تیر نگہ چلاؤ غزالِ تتار پر
رکھتا ہے آنکھ نرگسِ دنبالہ دار پر

بیٹھے ہیں اون کے قامتِ بالا کی یاد میں
دھونی رمائے سرو لبِ جوئبار پر

ترکی فنِ سخن میں ہمارا ہے اعتقاد
ناسخ پر اور امیر پہ داغ اور نثار پر

میں گیا اوس کے جو گھر ہجر کا دفتر لیکر
وہ غضب سے نکل آیا وہیں مجمر لیکر

آج جاتا ہوں درِ یار پہ بستر لیکر
پھر کہاں جاؤں تجھے ایدلِ مضطر لیکر

کان گیسوئے سمن بر کی ہے جسکو خواہش
خوش نہو گا وہ کبھی معدنِ عنبر لیکر

ایک پر ایک گرا جاتا ہے مرنے کے لئے
وہ نکلتے ہیں جو گھر سے کبھی خنجر لیکر

تیری تلچھٹ کی مجھے یاد ہے لذت ساقی
میں پیوں گا نہ کبھی ساغرِ کوثر لیکر

اے پری سنتے ہی غوغا ترے دیوانیکا
گھر سے اطفال نکل آتے ہیں پتھر لیکر

سچ ہے یا جھوٹھ مگر کہتا ہے ہر اک مجھ سے
پھر رہے ہیں وہ ترے خون کا محضر لیکر

مدح کرتا ہوں تو دیتے ہیں صلے میں دشنام
سنگریزے وہ عطا کرتے ہیں گوہر لیکر

نقد دل دینا مگر لیکے نوشتہ ترکی
وہ مکر جاتے ہیں اس مال کو اکثر لیکر

دفن ہوں گا جو ترے کوچہ کی حد سے باہر
میں تڑپکر نکل آؤں گا لحد سے باہر

بعد مردن بھی ترے پاؤں کی آہٹ سنکر
دلِ شیدا نکل آتا ہے جسد سے باہر

حرمِ یار سے ہوتے نہیں اغیار جدا
جیسے یاجوج نکلتے نہیں سد سے باہر

یا علی گھیر لیا تھا صفِ اعدا نے مجھے
میں نکل آیا مگر تیری مدد سے باہر

لاکھ آفت ہو مصیبت ہو مگر دانشمند
پاؤں رکھتا ہی نہیں بابِ خرد سے باہر

تونے کچھ بھی نہ کہا اور تری محفل سے
کر دیا غیر نے کل مجھکو حد سے باہر

ہدفِ تیرِ ستم میرا بھی سینہ ہوتا
میں نہ ہوتا ترے پیکان کی جو زد سے باہر

اون کے کوچہ میں نہیں جاتا ہوں اس خوف سے میں
کہ مبادا کہیں کر دیں نہ بلد سے باہر

برق اور بحر نظائر میں نہ لیتے ترکی
میرے اشعار اگر ہوتے سند سے باہر

یوں ہوا بند ترا تیر جگر کے اندر
بیٹھ جاتا ہے مگس جیسے کہ گھر کے اندر

دور سے ہی سگ و دربان نے دکھائیں آنکھیں
پاؤں رکھا نہ ابھی تیرے در کے اندر

تو لہو کر کے بہا دے شب ہجراں اسکو
ایک آنسو بھی ہو گر دیدۂ تر کے اندر

بیٹھ ہی جانا چھپا کر وہیں منعم مرکو
ہوتا روزن جو کہیں پارۂ زر کے اندر

خود ہی اک روز میں آ کر پئے مردن قاتل
بیٹھ جاؤں گا تری راہ گذر کے اندر

لبِ شیریں پہ ہوا خطِ سیہ کا آغاز
مور چڑھنے لگے طشت شکر کے اندر

چارہ ہر چند کیا لیک نہ نکلا افسوس
کچھ عجب جوشِ جنوں تھے مری سر کے اندر

زلفِ مشکیں سے پلٹتی ہے کہاں میری نگاہ
رکھا آہو نے یہ نافہ ہے جگر کے اندر

کیا سبب ہے کہ پلٹ کر نہیں آتا ترکی
اپنے گھر سے جو گیا قبر کے گھر کے اندر

سبز موباف ہے گیسو کی شکن کے اندر
رکھ لیا کالے نے یامن کو دہن کے اندر

قدر اپنی جو ہوئی آ کے دکن کے اندر
کب اسے چھوڑتے ہوتی جو وطن کے اندر

عوضِ جسم تپِ عشق کے باعث پسِ مرگ
تہی کف خاک سیہ میرے کفن کے اندر

جوگی ایسا کوئی ملجائے کہ جانان کیطرف
رہکے گٹکے کو میں اڑ جاؤں دہن کے اندر

نہیں ملتا ہے نشاں یوسفِ دل کا شاید
ہوگیا غرق ترے چاہِ ذقن کے اندر

میں یم دیدۂ تر سے اُسے دھوتا ہر دم
پاؤں رکھتا جو کبھی یار لگن کے اندر

روم پر قبضہ ہے زنگی کا یہ سمجھا میں نے
نظر آیا جو ترا خالِ ذقن کے اندر

وہ دمِ مرگ جو آیا تو میں کچھ کہہ نہ سکا۔
آرزو دل میں رہی بات دہن کے اندر

کیسے جاؤں تڑپ کر نہ لحد سے باہر۔
رکھدوا دس شوخ کی تصویر کفن کے اندر

عارض و قامتِ جانانکا ہیں ستہ تکتے
لعل کہسار میں شمشاد چمن کے اندر

ہے یہی عیب کہ کہتا ہوں زبانسے تری کی
عیب ہوتا ہی نہیں میرے سخن کے اندر

وصل میں ہوتا ہے فوراً چاک دامانِ سحر
پر شبِ غم میں نہیں پھٹتا گریبانِ سحر

ہاتھ سے رہتے ہے میرے دور دامانِ سحر
چاک ہو جاتا ہے غفلت میں گریبانِ سحر

وصل کی شب پھر نہیں کھٹکا جو ہو جائیں ہلاک
اک ہوذن دوسرا مرغِ ثناخوانِ سحر

مائلِ خواب اس قدر ہر شب بہ ہوائے تیرہ بخت
ایک دن تو دیکھہ اُٹھکر روئے تابانِ سحر

نعرۂ اللہ اکبر سے مدام اے مست خواب
کرتے ہیں بیدار تجھکو پاسبانانِ سحر

دیکھہ اے غافل کہ رہتا ہے طلوع مہر تک
نور سے معمور مثلِ طور میدانِ سحر

وہ تماشائی گلِ شبو سے خوش ہوگا کہاں
جس نے دیکھا ہے گلِ خورشید بستانِ سحر

جیب کو سیتے ہیں میرے اب وہ ہر شب تابلک
آسماں کرتا نہیں ہے چاک دامانِ سحر

صبح سے پہلے اُٹھا دیتی ہے ہمکو نیند سے
ہے ہمارے سانہہ مدت سے یہ پیمانِ سحر

گوہرِ مقصد سے جیب اُسکی نہیں ہوتی تہی
دیکھہ لیتا ہے جو دامانِ درافشانِ سحر

خواب شبکو جانتے ہیں دشمنِ گردن شکن
ہیں دلِ وجاں سے جو تری کی دوستدارانِ سحر

کاش محفل میں نہو عارضِ دلبر ظاہر
ورنہ ہو جائے گا حالِ دلِ مضطر ظاہر

اِس سے ہم خوب تھے آگاہ کہ ہوگا اک دن
اوس کے کوچہ ہی سے ہنگامۂ محشر ظاہر

پھر کہاں جیب سے ہوگا یدِ بیضا باہر
طور پر ہوگی جو برقِ رُخِ دلبر ظاہر

بات جو کہتا ہوں میں کانہیں اُن کے مخفی
اوس کو محفل میں وہ کر دیتے ہیں اکثر ظاہر

میں نے ہر چند چھپایا تھا غمِ عشق مگر
ہوگیا ایک ہی دو دن میں یہ سب پر ظاہر

چھوڑ دیتے ہیں وہ کیوں دیکھ کے چلون مجکو
اس میں کیا راز ہے ہوتا نہیں مجھپر ظاہر

شبکو پہلو سے گیا اُٹھکے ہمارے وہ ماہ
کہ ہوا تھا نہ ابھی صبح کا اختر ظاہر

اُس سے واقف نہیں ہوتے ہیں ولی اور نبی
رازِ بندے کا جو ہوتا ہے خدا پر ظاہر

صاحبِ کشف دکھاتے ہیں کرامت کو کہاں
گنجِ مدفون کو نہیں کرتے تو نگر ظاہر

انجمِ چرخ کی مانند مرے داغِ جگر
دن کو چھپ جاتے ہیں اور رہتے ہیں شب بھر ظاہر

کوئی تو راز ہے اس میں کہ قلندر ترکی
دل میں مومن ہے مگر بنتا ہے کافر ظاہر

دل ڈر گیا ہے دیدۂ گریاں کو دیکھکر
تھا طفل رنگ اُڑ گیا طوفان کو دیکھکر

حیران ہو کے رہ گئے آئینہ کی طرح
سب نکتہ سنج اس مرے دیواں کو دیکھکر

یوں تو نہیں جنوں کا نشاں مجھ میں کوئی لیک
ہوتا گماں ہے چاک گریباں کو دیکھکر

داغِ جگر کو دیکھ کے دل خوش نہو ئے کیوں
ہوتا ہے شاد طفلِ گلستاں کو دیکھکر

ترکی نہیں ہے ڈر مجھے بلقیس کا کہ میں
آیا ہوں لکھنؤ سے سلیماں کو دیکھکر

کیونکر ہو کوئی شیخ قلندر کے برابر
چشمہ نہیں ہوتا ہے سمندر کے برابر

پھر حور ہے کیوں گلشنِ فردوس میں پنہاں
صورت میں اگر ہے مرے دلبر کے برابر

مُردے کو جلاتا ہے تری چال کا جادو
یہ سحر ہے اعجازِ پیمبر کے برابر

تم پہلوئے دشمن میں بٹھا دیتے ہو مجھکو
گوہر کو جگہ دیتے ہو پتھر کے برابر

دیتا اوسے تشبیہ قدِ یار سے لیکن
شمشاد نہ تھا قامتِ دلبر کے برابر

ہے قند سے شیریں ترے دشنام کی تلخی
حنظل یہ مرے حق میں ہے شکر کے برابر

اے قاصدِ نافہم وہ ہرگز نہ پڑھیں گے
طومار مرے غم کا ہے دفتر کے برابر

دوزخ مجھے منظور ہے لیکن یہ کہوں گا
نوشیں لبِ دلدار ہے کوثر کے برابر

بیتاب وہیں ہوگئے سیماب کی مانند
بیٹھے جو وہ آکر دلِ مضطر کے برابر

دیتے ہیں ترے لب کی جو گلبرگ سے نسبت
گوہر کو سمجھتے ہیں وہ پتھر کے برابر

پابند ہوں ہر فرض کا پھر جانتے کیوں ہیں
ترکی یہ مسلماں مجھے کافر کے برابر

دوست کرتے ہیں واں کفن کی فکر
اور یاں مجھکو ہے سخن کی فکر

ضعف پیری سے ہے لبِ گور جان
چاہئے اب کریں کفن کی فکر

ولہ

سنگدل یار نے مجھپر جو چلایا پتھر
شور کرنے لگے لڑکے کہ وہ آیا پتھر

محفلِ یار میں ہم نے بھی مشعبد بنکر
رات کو شیشہ کی مانند چبایا پتھر

کوئے جاناں کے مگر سو گئے لڑکے شبکو
کہ مرے سر پہ کہیں سے بھی نہ آیا پتھر

سنگ مرمر کا جو منعم نے بنایا تھا محل
ایک بھی آج نہ اوس کا نظر آیا پتھر

مدعی اینٹ جو لیکر مری جانب دوڑا
میں نے گردن پہ وہیں اُسکے لگایا پتھر

چور ہے چور یہ کہنے لگے درباں جسدم
شکو میں نے در جاناں کا ہٹایا پتھر

کس قدر زور پہ ہے حرص کہ منبر کیلئے
شیخ نے میر کے مرقد کا چرایا پتھر

روکش لعل یمن خون جگر سے کر کے
آستانہ کا ترے ہم نے جمایا پتھر

میرے نالوں کے فلاخن نے شب فرقت میں
کیا سر چرخ مقرنس پہ لگایا پتھر

تیری چوکھٹ کے لئے بوسہ گہ خلق جو تھا
ہم نے کعبہ میں وہی جا کے چرایا پتھر

شرر آہ نے میرے دم عسرت ترکی
مثل بارود فلاکت کا اوڑایا پتھر

ہوتا ہے فردوس پر کچھ کچھ گمان کوئی یار
کم نہیں رضواں سے قدر پاسبان کوئی یار

پھر زمین کربلا کی کچھ نہیں حاجت ہمیں
گر بنے تربت ہماری درمیان کوئی یار

جان تک دیدی ہے ہم نے ہدیا گیا چین
آشنا ہوتے نہیں لیکن سگان کوے یار

کتنا ہی غافل ہو لیکن چونک پڑتا ہے وہیں
پاؤں کی آہٹ سے میرے پاسبان کوئی یار

رات اور دن میں گھڑی بھر بھی نہیں سوتا کبھی
کیا فرشتہ ہے کوئی یہ پاسبان کوئی یار

پاؤں کے چھالوں سے عاجز ہوں اگر بنیگا ں
ساتھ لے چلتے مجھے بھی رہروان کوئی یار

غیر گورستاں نہیں آتا نظر اب کوئی گھر
اس طرف اور اسطرف ترکی میدان کوئے یار

اٹھ گیا یار جو محفل سے مکدر ہو کر
بہہ گیا خون جگر بادۂ احمر ہو کر

کرتے پامالی ہیں سخنور ہو کر
بے خبر معنی ایطا سے ہیں اظہر ہو کر

میں جو کہتا ہوں خدا لگتی تو فرماتے ہیں شیخ
دخل دینا ہے یہ اسلام میں کافر ہو کر

اک نہ اک دن ترے خونریز یہ ابرو قاتل
کاٹ دیں گے رگ گردن مری خنجر ہو کر

کیا عجب ہے کہ بپا نوح کا طوفاں کر دے
چشم پر آب شب غم میں سمندر ہو کر

تیرے غم میں تو فلاکت ہی تھی اچھی منعم
بڑھ گئی حرص تری اور تونگر ہو کر

یوں تو پہلے ہی سے تھا رند پر اتو ترکی
ہو گیا اور ہی آزاد قلندر ہو کر

آیا اگر عسس در میخانہ توڑ کر
زخمی کریں گے ہم بھی اسے شانہ توڑ کر

کعبہ میں نصب کر دیا شیخان عصر نے
ہر سنگ آستانۂ بتخانہ توڑ کر

ہم نے بھی اوس کا کاسۂ سر چور کر دیا
آیا عسس جو شیشہ و پیمانہ توڑ کر

جوش جنوں سے رشتہ کے مانند پر بلا
زنداں سے بھاگ جاتا ہے دیوانہ توڑ کر

تھا در تو بند میں مگر اندر یہ پہونچ گیا
کل شب کو سقف خانۂ جانانہ توڑ کر

نافہم کاٹ دیتے ہیں صاحب سخن کی بات
بیقدر شاد ہوتے ہیں دُر دانہ توڑ کر

ترکی سناؤ نگاہیں اوسی اپنی داستان
مجنون کا آج رشتۂ افسانہ توڑ کر

خوش ہوتے ہیں جیسے قد بالا سی لپٹ کر
شاداب ایسے نہیں ہوتے ہیں طوبا سے لپٹ کر

صد حیف کہ صحبت میں تری منعم پُر آثر
برباد کیا دین کو دنیا سے لپٹ کر

مستوں کی طرح سوتا ہے اے طفل پریزاد
دیوانہ ترا دامن صحرا سے لپٹ کر

جاتا ہے ترے کوچہ کو سید ھا شب غم میں
ہر اشک مرا موجۂ دریا سے لپٹ کر

جب آتا ہے رضوان کو ترے قد کا تصور
رہ جاتا ہے فردوس میں طوبا سی لپٹ کر

ڈر صبح قیامت کا نہیں رہتا ہے جس شب
سو جاتا ہوں اوس دلبر رعنا سے لپٹ کر

نوشاہ مرے کلک گہر ریز کا ہر شب
سوتا ہے عروس در معنی سے لپٹ کر

ہر شب ترے دیدار کی خاطر بت ترسا
سو جاتا ہوں رہبان کلیسا سے لپٹ کر

وہ دیتا ہے جب جام مجھے ہاتھ سے اپنے
رہجاتے ہیں لب ساغرِ صہبا سے لپٹ کر
کر بزم سے دور اپنے نہ مجھکو کہ ہے رہتا
گلزار میں کانٹا گلِ رعنا سے لپٹ کر

وہ دشمنِ جان و دلِ عشاق صد افسوس
سویا نہ کبھی ترکی شیدا سے لپٹ کر

عشق کا جائے گا سر سے مرے سودا کیونکر
چارہ گر کرتا ہے دیکھو لگا مدوا کیونکر
نکلے گا حرفِ محبت نہ زباں سے لیکن
دل سے جائے گی تری یار تمنا کیونکر
نقد دل لیکے بھی تسکین کریں گے میری
ہضم کر جائیں گے وہ مال پرایا کیونکر

ولہ

ہم مئے پیں گے خرقہ و دستار بیچکر
سرشار ہوں گے سبحہ و زنار بیچکر
تیری شمیم زلف کو نکہت کے کارواں
لیتے ہیں مول نافۂ تاتار بیچکر
ہم نذر دیں گے ابروے خمدار یار کو
اس عید کی صباح کو تلوار بیچکر
گھر اوس پری کے کوچہ میں اب ہم بنائیں گے
اس گھر کی سقف اور در و دیوار بیچکر
ہم لیں گے بوسے اب لب و دندانِ یار کے
دو چار لعل اور دُرِ شہوار بیچکر
جاتے ہیں پھول والونکے میلی کو دیکھنے
اپنے گلے کا آج وہ اک ہار بیچکر

سوتے ہیں کوے یار میں ترکی ہم اسطرح
اشہب فروش جیسے کہ رہوار بیچکر

میری گردن کا لہو یار کا خنجر پیکر
یہہ ہوا سُرخ کہ میکش مئے احمر پیکر
اے صنم تھا جو ترا نشۂ دیدار وہ آج
سوگیا ہے بخدا زہر کا ساغر پیکر
بوسۂ یار کی سونھ جنکے لگی ہے لذت
وہ نہ خوش ہونگے کبھی ساغر کوثر پیکر

کہتے ہیں اہلِ خرد اُن کو تنکظرف اکثر
جو اچھل پڑتے ہیں دو تین ہی ساغر پیکر

کسطرح بادہ کشی اونکی ہو ظاہر کہ کبھی
گھر سے باہر نہیں آتے ہیں خرد ور پیکر

دیکھتا شیخ ہے کیا غور سے ترکی جو کبھی
رہِ مسجد سے گذرتا ہوں میں ساغر پیکر

بھاگتے مجنوں ہے سُنکر میرے ویرانیکا ذکر
کون سنتا ہے ٹھکر ہے ایسے دیوانیکا ذکر

بیٹھکر باہم کیا کرتے ہیں اکثر اے پری
حوریانِ قصرِ جنت تیرے کاشانیکا ذکر

جاں نثار اپنا سمجھکر وہ نہیں ہیں چھیڑتے
سامنے میرے کبھی محفل میں پروانیکا ذکر

جب حریمِ کعبہ کا شیخِ زمن کرتا ہے وصف
چھیڑ دیتا ہوں ادھر سے میں بھی بتخانیکا ذکر

ہوگیا ٹکڑے مرے دلکی طرح شمشاد بھی
باغ میں قمری سے سُنکر یار کے شانیکا ذکر

میں نہیں سُنتا فسانہ کوثر و تسنیم کا
چھیڑ اے واعظ کسی میکش کے پیمانیکا ذکر

دیکھتے ہیں جو لب و دنداں کو تیرے اے صنم
وہ نہیں کرتے ہیں یاقوت اور دُر دانیکا ذکر

جاں نثاروں کا نہیں کرتا ہے کوئی تذکرہ
اوسکی محفل میں ہوا کرتا ہے بیگانیکا ذکر

اُڑ گیا رنگ اُس پری رو کا برنگِ بوئے گل
سُنکے مجھ سے شیخ ترکی ایک دیوانیکا ذکر

دل کو آئی ہے مرے زلفِ چلیپا کہو کر
بچکے جائیگی کہاں مال پرایا کہو کر

دولتِ صبر و سکوں نعمتِ عقل و دانش
آیا ہے عشق میں سب کچھ دلِ شیدا کہو کر

ہم سے اچھا ہے وہی نعمتِ عقبیٰ جس نے
لی ہے اے شیخِ زمن دولتِ دنیا کہو کر

مایۂ عمر لٹا کر ہو نہیں نادم ایسا
ناسزا جیسے پسر باپ کا پیسا کہو کر

کوچۂ یار میں افسوس کہ ترکی کی طرح
میں بھی آج آیا ہوں نقدِ دلِ شیدا کہو کر

خط سے نکلے جو ترے طائرِ رخسار کے پر
گر گئے شرم سے مرغانِ چمن زار کے پر

خالِ مشکیں کو ترے دیکھنے آتا اُڑ کر
ہوتے اے یار اگر نافۂ تاتار کے پر

اے گلِ اندام ہے جیسا ترے رخسار کا خط
سبز ایسے ہیں کہاں طوطیٔ گلزار کے پر

کیوں کترتے نہ وہ پر طائرِ دل کے میرے
کاٹ دیتی ہیں سبھی مرغِ گرفتار کے پر

اُڑ نہ جاتی سرِ اقدس سے کہیں واعظ
گر نہ ہوتے تری دستار گرانبار کے پر

پھر بھی اڑ جاتا ہے آتے ہی میں دامن سے
باندھ دیتا ہوں دلا طائرِ دینار کے پر

جاتا دلی کو نہ پھر ملکِ دکن سے اُڑ کر
قینچ ہوتے جو مرے طائرِ اشعار کے پر

کشورِ یار کے جانب وہیں اُڑ کر جاتا
ہوتے مانند کبوتر جو دلِ زار کے پر

گردشِ چرخ کتر دیتی ہے قینچی کیطرح
گر نکلتے ہیں مرے بختِ نگوں سار کے پر

سامنے میرے اُڑائیگا نہ پھر خوش حریف
دیکھ لیگا جو مری طبع کے رہوار کے پر

کیوں اُڑائے نہ ہزاروں کے گلے اُڑ اُڑ کر
ہیں یہ جوہر ہی تو قاتل تری تلوار کے پر

اُڑ کے بیٹھے گا ترے رخنہ کہ ہیں موئے مژہ
میرے مرغِ نگہۂ دیدۂ خونبار کے پر

نشہ میں لاتے ہیں جنت سے مضامیں اُڑ کر
موج ہائے مئے گلرنگ ہیں میخوار کے پر

ایک دانہ کبھی کنجشک جو چن لیتی ہے
ٹوٹ جاتے ہیں کلاغِ دلِ زردار کے پر

ہم کو بھی شوقِ شہادت ہوا ترکی جسوقت
خلد میں آئے نظر جعفرِ طیار کے پر

میری گردن تری شمشیرِ جفا سے ملکر
بہہ گیا خونِ دل اک سرخ قبا سے ملکر

سینہ صد چاک ہوا زلفِ دوتا سی ملکر
ہو گیا شاد دل اُس ماہ لقا سے ملکر

کھل گیا غنچۂ دم بادِ صبا سے ملکر

مجھ سے اس واسطے ملتا نہیں وہ خسرو ہند
قدر ہو جاتی ہے کم شہ کی گدا سے ملکر

خاکساروں سے بھی آکر کبھی مل اے شیخ
ہمنے مانا کہ تو آیا ہے خدا سے ملکر

تو نہیں ملتا ہے جس رات تو اُس رات تمیں ہم
لوٹ آتے ہیں کئی بار قضا سے ملکر

ایسے یاروں کو کہا کرتے ہیں سب محسن کش
مارتے یار کو ہیں جو کہ دغا سے ملکر

سخت جاں مجھ سا نہو گا کوئی زنہار کہیں
زندہ رہتا ہوں شب غم کی بلا سے ملکر

زلف پر چیں کی اگر یاد میں نکلی دل سے
آہ لوٹے گی پھر آہوئے خطا سے ملکر

دُور ہیں گرچہ مگر اوس گلِ رعنا کی خبر
پوچھ لیتے ہیں کبھی بادِ صبا سے ملکر

بے تکلف نہ ملو سب سے کہ یہہ قدر بلند
کم نہو جائے کہیں ناز و شما سے ملکر

میری پھر جیب تہی زر سے ہو کیونکر تر کی
روز آتا ہوں میں اک کانِ سخا سے ملکر

دیکھئے کب ہیں وہ خطِ سبز جانفزا کی بہار
ہے نظر میں جن کی باغِ لطف دیں خانی کا سماں

نام نواب

غزلہ

ہوئے کچھ فسردہ خاطر وہ مرا ملال سنکر
نہ دیا جواب لیکن رہے چپ سوال سنکر

شبِ غم کا میں نے رو کر کیا ماجرا جو ظاہر
ہوئے غرق بحرِ خجلت وہ تمام حال سنکر

نہ عدو سے ذکر کرنا مرے مرتبہ کا قاصد
کہیں رنج ہو نہ پہنچے اوس کو مرا کمال سنکر

مرے دل کے مدعا کو جو بیاں کریگا قاصد
ہے گماں کہ ہنکے اوسکو وہیں دینگے ٹال سنکر

لگا کہنے سنکے ظالم خبرِ وفاتِ عاشق
مجھے اس خبر کو قاصد ہوئے چند سال سنکر

نہیں رات دن کی اچھی یہ خصومت آج ایکان
مرا اور عدو کا جھگڑا کرو انفصال سنکر

شبِ غم میں سرد آہیں جو مری جگر سے نکلیں
ہوا گرم مثل نیّر وہ قمر جمال سنکر

کہا شب جو اُنسے میں نے میں ہوں قیس تم ہو لیلیٰ تو مثال زلف برہم ہوئے یہ مثال سُنکر
کرئی سنگدل تھا ایسا نہ بغیر اُس صنم کے کہ نہ رویا انجمن میں مرے دلکا حال سُنکر
یہہ عجب اثر تھا واعظ کہ گئے تھے بھاگ شبکو درِ میکدہ سے میکش ترا قیل و قال سُنکر

مرا حال سُنکے ہزاک لگا انجمن میں رونے
مگر اوس کو کچھ بھی تُرکی نہوا ملال سنکر

بیعت جو میں نے کی ہے قلندر کے چنگ پر ہوکر سوار پھرتا ہوں پشتِ پلنگ پر

ولہ

مشکل ہے نکلنا نگہِ یار سے بچکر جاتا نہیں ایسی کوئی تلوار سے بچکر
جاؤں گا کہاں کاکلِ دلدار سے بچکر جاتا نہیں ہے کوئی بھی اس مار سے بچکر
خورشید فلک کہف کے اصحاب کی مانند جاتا ہے ہمیشہ تری دیوار سے بچکر
ہو جاتا ہے دل ناوکِ مژگانِ نشانہ ابرو کی اگر جاتا ہے تلوار سے بچکر
میں زلف کے پھندے سے نکلجاؤنگا مانا جاؤں گا کہاں غمزۂ خونخوار سے بچکر
اتنا ہوں گنہگار کہ ہر زاہد دیندار جاتا ہے مرے سایۂ دیوار سے بچکر
کب تک تو یوہیں جائیگا مسجد کو دبے پاؤں اے شیخ زمن خانۂ خمار سے بچکر
جاتے تو ہو مسجد کو مگر شیخ خدارا جایا کرو اس خانۂ خمار سے بچکر
اے دل تجھے اُس وقت ولی مانونگا واللہ جائیگا تو گر جلوۂ دیدار سے بچکر
دیکھوں کہ کہاں جاتا ہے بالائے قیامت ای قامتِ جاناں تری رفتار سے بچکر
تُرکی کو لیا پھانس ہی مغبچوں نے آخر جاتا تھا بہت خانۂ خمار سے بچکر

ملا یہہ وصل کی شب ہجر کا اجر ۔ سلامٌ حیٌ حتے مطلع الفجر ۔

ولہ

جسکو کہتے ہیں سب خدا کا گھر ۔ میرے نکلا وہ دلربا کا گھر
خلق کرتی ہے کیوں طواف اُسکا ۔ گر نہیں کعبہ دلربا کا گھر
رہتا ہے میکدہ میں مے آشام ۔ خانقہ میں ہے پارسا کا گھر
چارہ ہوتا ہے ہر مرض کا وہاں ۔ خانۂ یار ہے شفا کا گھر
ہے مرے دل میں ایکدت سے ۔ یار کی زلف مشکسا کا گھر
بوریئے تھے بچھے ہوئے دو ایک ۔ ہم نے دیکھا تھا کل خدا کا گھر
ہے یہہ نزدیک دیکھہ لو چلکر ۔ اے شہ حسن اس گدا کا گھر
گردش آسماں کا ہے ایسا ۔ ہو بہو جیسے آسیا کا گھر
اب ملی گانشاں کسیکو کہاں ۔ میرے دل میں تھے دلربا کا گھر
کی بہت جستجو مگر افسوس ۔ نہ ملا ہم کو آشنا کا گھر
اک زمانے سے تھے مرے دل میں ۔ تیر مژگان دل ربا کا گھر

لوٹتا ہوں میں دیکھکر ترکی
ہجر کی رات کو قضا کا گھر

کاٹ لے مجھ سے دلفگار کا سر ۔ باندہ فتراک میں شکار کا سر
سر مرا چرخ سے بلند رہو پھر ۔ میرے زانو پہ ہو جو یار کا سر
پاے جاناں سے سر ہے میرا یوں ۔ تاج سے جیسے شہریار کا سر
تیغ مژگاں سے پہنک دیگا وہ ۔ کاٹ کر آہوئے تتار کا سر

کوئے جاناں میں کاٹ دیتے ہیں
بے گنہ روز تین چار کا سر
تیرے ترکِ نگہ نے کاٹ دیا
زابلستاں کے شہسوار کا سر

کیا عجب ہے کہ بار ور ہو جائے
سرِ ترکی سے چوبدار کا سر

منزلِ جاناں میں باندھو عاشقِ محزوں کا گھر
کوئے لیلےٰ میں بنانا چاہئے مجنوں کا گھر
نقشِ پائے یار میں ہے چشمِ گریاں کا مقام
ریگِ صحرا میں بنا ہے ماہیٔ جیحوں کا گھر
بعد مردن گر نظر آجائے گا زیرِ زمیں
لوٹ لیگا خواجۂ ممسک وہیں قارون کا گھر
رکھہ نہ لے جوشِ ہوس سے بعدِ مردن زیرِ خاک
سر پر اپنے منعمِ ممسک کہیں قارون کا گھر
ڈھونڈتے پھرتے ہیں غواصِ سخن کیوں بحر میں
میرے سینہ کی صدف میں ہے درِ مضمون کا گھر
عاشقِ میکش کی نظروں میں بنانا چاہئے
اے بتِ بدمست تیرے دیدۂ میگون کا گھر
بنگیا ہے جیسے ہیں مشتاق اک گلرو کے ہم
آہ کا سینہ میں آنکھو نمیں سرشکِ خون کا گھر
میرے دل میں اس طرح ہے زلفِ جاناں کی جگہ
طبعِ شاعر میں ہو جیسے مصرعۂ موزون کا گھر
بارہا دیکھا ہے اسمیں ہم نے اوسکے نور کو
قلبِ انساں بالیقیں ہے خالقِ یکتا کا گھر
کیوں سخن گستر ہیں میری زندگی میں ڈھونڈتے
آتش و آباد و داغ و مومن و مفتون کا گھر
پھر کہاں تھے گر نہیں میرے مصیبت خانہ میں
گردشِ چرخِ دوتا اور طالعِ وارون کا گھر

کب نشاں اوس کا ملیگا ساکنانِ ارض کو
عرشِ پر ترکی ہے میرے شاہدِ مضمون کا گھر

ناوکِ یار نکلتا ہے جگر سے بچکر
یہہ وہ پیکاں ہے کہ جاتا ہے سپر سے بچکر
جائیں وہ غیر کے گھر مجھ سے نہ کیونکر مخفی
چور جاتا ہے نگہباں کی نظر سے بچکر

ضعف اوٹھنے نہیں دیتا ہے زمیں سے مجکو
جاؤ اے راستے والو مرے سر سے بچکر

میں بھی دیکھوں گا شبِ ہجر میں یکھضرت نوح
کون جاتا ہے مرے دیدۂ تر سے بچکر

گرم ہو جاتا ہے جس وقت مری آہ سے
جاتے ہیں اہلِ محلہ مرے گھر سے بچکر

مثلِ سایہ کے میں ہو جاتا ہوں ہمراہ تہی
اب وہ جاتا ہے مری راہ گذر سے بچکر

ہم نشیں زیست تہی باقی کہ نکل آئے ہم
بزمِ اغیار سے آج آفت و شر سے بچکر

اب ملے یا نہ ملے وہ مگر آیہو پہنچے ہیں
کشورِ یار میں آفاتِ سفر سے بچکر

وہ بھی جانے لگا اب مثلِ صنم اے ترکی
ناوکِ نازِ صنم میرے جگر سے بچکر

ہوتے ہیں جب سوار وہ تازی سمند پر
پڑتے ہیں تازیانے دلِ مستمند پر

خطِ سیہ نہیں ہے لبِ نوشخند پر
قبضہ ہے چونٹیوں نے کیا تا شقند پر

قبضہ کیا ہے زلفِ سمن بوئے یار نے
تبت پہ اور تتار پہ اور تا شقند پر

توحید کردگار کا ہے آسمین بھی تو ذکر
کیونکر نہو یقین مرا است و زند پر

کوٹھوں پہ کیا ہجوم نمائشیوں کا ہوا
بیٹھے تھے کل جو آکے وہ بامِ بلند پر

لاتے زمیں پہ طایرِ سدرہ کو باندھکر
رکھتی مثال بازِ جو کا کلِ کمند پر

لائے تو پیچ کو ہیں یہہ حبسِ دل مگر
موقوف اس کا مول ہے انکی پسند پر

پڑتا نہیں ہے ہاتھ کسی پستِ طبع کا
معنی کی بزم میں مری فکرِ بلند پر

پھاہے کہاں تک ان پہ لگائیگا چارہ ساز
ہے زخم تیغِ یار مرے بند بند پر

کیا بادہ نوش رات کو کیفِ شراب میں
کرتے تھے وجد حضرتِ واعظ کی تند پر

صیاد کے ستم سے ملے فصلِ گل کے بعد
صحنِ چمن میں بلبلِ شیدا کے چند پر

جب بھر گریہ ہوتا ہے ترکی مرا رواں
آتی ہنسی ہے اون کے لبِ نوشخند پر

رہے گا ہوش کب اونکو ہماری داستاں سنکر
خوشی سب بھول جائینگے شبِ غم کا بیاں سنکر

خدا کیواسطے تیغ زباں کو روک لے قاصد
کہ ٹکڑے ہوگیا دل حالِ مرگِ دوستاں سنکر

خدا جانے کہانتک سچ ہے کہتا ہے مگر قاصد
کہ شب بھر وہ رہے روتے ہماری داستاں سنکر

تعارف ہے سخن سے جنکو اس ناقص زمانے میں
وہ اب بھی قدر کرتے ہیں مرا رنگین بیاں سنکر

تڑپ کر ہوگیا ٹھنڈا وہیں صحنِ گلستاں میں
ہمارا نغمۂ جاں سوز مرغِ بوستاں سنکر

دبے پاؤں بھی جاتا ہوں تو ظالم چونک پڑتا ہے
مری رفتار کی آہٹ کو اُس کا پاسباں سنکر

پگھل جاتا برنگِ موم پتھر بھی اگر ہوتا۔
ہوا کچھ بھی نہ لیکن نرم وہ میری فغاں سنکر

نہ گر جائیں کہیں وے زمیں پر کہا کی غش ایدل
ہمارا نالۂ غم سا کنانِ آسماں سنکر

نہیں روتا ہوں میں تنہا ہی غم میں اسکی ترکی
کہ چونک اُٹھتا ہے وہ بیداد گر میری فغاں سنکر

ابر وے یار ہوا خواہِ دل و جاں ہوکر
کاٹ دیتے ہیں گلا خنجر براں ہوکر

چلتے تھے دوشِ ہوا پر جو سلیماں ہوکر
نکلے کوچہ سے ترے بے سر و ساماں ہوکر

کہو کیا بیٹھ برس اس فن میں ہوئی تھے کامل
نفع لیکن نہ ملا کچھ بھی سخنداں ہوکر

بے طلب محفلِ دلدار میں جاکر جو کبھی۔
بیٹھ جاتے ہیں تو اٹھتے ہیں پشیماں ہوکر

کر دیا وجد میں رخسارِ صنم کو سجدہ
ہوگیا ہم سے یہہ کیا صاحبِ ایماں ہوکر

درد کا میرے نہیں کرتے ہو درماں افسوس
مار رکھا ہے مجھے عیسیٔ دوراں ہوکر

پھر کہے خلق نہ کیوں کر تجھے کافر ترکی
بُت کی کرتا ہے پرستش تو مسلماں ہوکر

جب چلے ہم کوچۂ جاناں کو بستر باندھکر
آئے لڑکے شہر کے دامن میں پتھر باندھکر

ضعف جانے ہی نہیں دیتا ہے کوئی یار تک
ہم کمر کو اپنی رہجاتے ہیں اکثر باندھکر

زر نہ کچھ واعظ کو جب رندوں کی محفل سے ملا
لے گیا دستار میں مینا و ساغر باندھکر

تار تار اوس کو نہ کردے کوئی رندِ شیخ وقت
جانہ میخانہ میں تو عمامہ سر پر باندھکر

رکھتا ہے ممسک کمر میں سیلئے درہم مگر
قبر میں لیجائے گا ہمیان پُر زر باندھکر

سر جھکا کر پھر استقبال ہم بھی جائیں گے
آئیگا جسدن کمر میں یار خنجر باندھکر

اک نہ اکدن لائیگی ترکی کن میں ضد یقین
آہوئے چیں کو طنابِ زلفِ دلبر باندھکر

درباں یوہیں مارے گا جو پتھر کو اُٹھاکر
لیجائیں گے در سے ترے بستر کو اُٹھاکر

ولہ

رقص کرنے لگے جب شیخ میری تانوں پر
ٹھوکریں کھاکے گرے یار کے مہمانوں پر

حملہ تنہا نہیں کرتا وہ مسلمانوں پر
خون ہر قوم کا ظالم کے ہے پیکانوں پر

دشنۂ بُت لیکے ہے یوں بیٹھتے ابرو نوں پر
جیسے قصاب تبرزیں لئے دوکانوں پر

یوں نہ بن ٹھن کے پئے سیر گلستاں نکلو
باغبانوں کی نہ بن جائے کہیں جانو شیر

ایک مصرع ہی نہیں قابلِ تحسیں اسمیں
ناز کیوں کرتے ہو دو صفحہ کے دیوانوں پر

آپ مضموں سے بہت دیتے ہیں رونق لیکن
رنگ آتا نہیں یاروں کی گلستانوں پر

پارسی اپنی پرستا ہے اُردو بونڈی
ایک مدت سے یہ ظاہر ہے سخندانوں پر

ہم قصیدے کے ہیں باپ اور غزل کے دادا
جاکے لکھدیں یہ معلم ادبستانوں پر

زمزمہ سنکے مرا اہلِ حسد محفل میں
ہاتھ رکھ لیتے ہیں مطرب کے طرح کانوں پر

میں جو لکھتا ہوں یہی رنگ ہے اول سے مرا
حق ہے آگہہ کہ نہیں چوٹ غزلخوانوں پر

چھوڑ کر برج کی بھاشا کو وہ بت پشتو میں
حملے کرنے لگا اب کابلی افغانوں پر

پھر نہیں بالش سنجاب کی خواہش ہوتی
سر کو رکھدیتے ہیں جب یار کی ہم رانوں پر

دیکھکر شاخ ثمرہ پر مرے اشک گلگوں
آگیا رنگ کماں دار کے پیکانوں پر

ہم کہیں محفل جاناں میں جو گھس جاتے ہیں
جھڑکیاں ہوتی ہیں پھر خوب ہی دربانوں پر

اہل توقیر کو راحت نہیں حاصل ہوتی
ابر کم آتا ہے کعبے کے بیابانوں پر

توسن آہ سبک گام ہمارا ترکی
کہیں گردوں کو گرا دے نہ گراں جانوں پر

ضعف سے اٹھ نہیں سکتا ہوں میں پر گر گر
ٹھوکریں پاؤں کی کہاتا ہوں میں اکثر گر کر

در جاناں سے نہ اٹھا دل مضطر گر کر
نہیں اٹھتا ہے زمیں سے کبھی شہپر گر کر

بسکہ نازک ہیں ترے دست حنائی دم قتل
ٹوٹ جائے نہ کہیں بوجھ سے خنجر گر کر

بیٹھکر ہوگا نہ استادہ گراں جاں منعم
اٹھ نہیں سکتا زمیں سے کبھی پتھر گر کر

ہوگیا مست ہوں صہبا سے سنبھالے ساقی
ہاتھ سے میرے نہ ٹوٹے کہیں ساغر گر کر

ایک طومار ہے لٹکا ہوا پر سے اس کے
کہیں رستے میں نہ رہ جائے کبوتر گر کر

بادہ کش لوٹ گئے بزم میں ہنستے ہنستے
شیخ کے سر پہ جو ٹوٹا مرا ساغر گر کر

ناتوانی کے بہانے سے ہم آتے جاتے
سجدہ کر دیتے ہیں دلدار کے در پر گر کر

ہوگئے اتنے ہیں لاچار ضعیفی سے اب
اٹھ نہیں سکتے ہیں ترکی سر بستر گر کر

آئیگا میرے سرہانے وہ مسیحا کیونکر ؟
دل شیدا کی برآئے گی تمنا کیونکر

عشق کا جائے گا سر سے مرے سودا کیونکر ؟
چھوڑے گا دشت نوردی دل شیدا کیونکر

دھوئیں گے داغ محبت کو مسیحا کیونکر ؟
ہم بھی دیکھیں کہ وہ کرتے ہیں مداوا کیونکر

آبلے پاؤں کے چلنے نہیں دیتے اک گام
ہوگا طے منزل دلدار کا رستہ کیونکر

ہے زر و سیم کی خواہش نہ ہوس جینے کی
ہم سے اُلجھے گی بھلا فتنۂ دنیا کیونکر

میں بھی دیکھوں کہ بھلا پیتے ہیں وہ محفل میں
غیر کے ساتھ مرے سامنے صہبا کیونکر

کاش آجائیں وہ اسدم تہ دکھائیں انکو
توڑتا ہجر میں دم ہے دل شیدا کیونکر

وہ تو ہیں پردہ نشیں فکر یہی ہے مجھکو
آکے دیکھیں گے مری قبر کا میلا کیونکر

پوچھتے شیخ ہیں آ آکے یہ مجھ سے تیری
تیرا مسکن ہوا کعبے سے کلیسا کیونکر ؟

عشق میں جھیلی مصیبت کس قدر
اے فلک ہے میری ہمت کس قدر

بڑھ گئی اون کی خصومت کس قدر
اِس سے پہلے تھی محبت کس قدر

گھر میں ممسک کے ہے دولت کس قدر
دیکھئے پھر بھی ہے خست کس قدر

دیکھکر کہتے ہیں مجھکو ہم نشیں
بڑھ گئی ہے تیری وحشت کس قدر

مدعی کے ہاتھ سے شبکو ہوئی
اونکے گھر میں میری ذلت کس قدر

میری تربت سے بھی نفرت ہی اوسے
ہے بھری دل میں کدورت کس قدر

دیکھو ارباب کرم کی مفلسو ؟
اس زمانے میں ہی قلت کس قدر

ہوگیا ہوں جب سے رسوا عشق میں
لوگ کرتے ہیں ملامت کس قدر

کی اشارے تیرے اغیار نے
رات کو میری فضیحت کس قدر

ہوگئی میرے سخن کی ہر طرف — داغ کے مرتے ہی شہرت کس قدر

دیکھکر ترکی مرا حالِ خراب
اب وہ کرتے ہیں محبت کس قدر

مرتا نہیں وہ میرا کہا مانتے اگر — کرتے معالجہ مجھے پہچانتے اگر
مردہ نہ کرتے شعر کو سکتے سے مولوی — علمِ عروض و قافیہ کچھہ جانتے اگر
ممکن نہ تھا کہ ملتا نہ پھر گوہرِ مراد — خاکِ اوسکی رہ گذار کی ہم چھانتے اگر
پھر اون کی تیغِ ناز سے ہم کو بچاتا کون — دل میں ہمارے قتل کی وہ ٹھانتے اگر
ہاں اٹھکے پوچھتے مرا نام و نشاں ضرور — محفل میں شبکو وہ مجھے پہچانتے اگر
پھر خوب اون کا مصحفِ رخسار دیکھتا — قرآں کو میرے سامنے گر دانتے اگر

ترکی پھر اون سے غیر لڑاتا نظر کہاں
محفل میں وہ ذرا بھی بھویں تانتے اگر

ہاتھ آئے گا سرِ زلفِ معنبر کیونکر — بس میں کر لیتے ہیں افعی کو سنپولا کر کیونکر
آنا لیجائے گا طومارِ کبوتر کیونکر — خدمتِ یار میں پہونچے گا یہ فتر کیونکر
غیر کو دیکھہ کے ہوں گا نہ مکدر کیونکر — اپنی چھاتی پہ میں رکھہ لوں گا یہ پتھر کیونکر
کاٹ دون گا میں شبِ غم کو تڑپ کر مانا — تا دمِ صبح بچے گا دلِ مضطر کیونکر
ہم بھی دیکھیں گے کہ محفل میں ہماری آگے — غیر کے ہاتھہ سے پیتے ہیں وہ ساغر کیونکر
جبتک اوس بت سے نہ تھا عشق کہا کرتے تھے — یہ مسلمان سے ہو جاتے ہیں کافر کیونکر
کس طرح دلکو اڑا لیتی ہے یہ زلفِ سیاہ — جان لیجاتی ہے وہ چشمِ ستمگر کیونکر
پوچھتے جاکے عدو سے ہیں مرے قتل کی وقت — پھیرتے گردنِ عاشق پہ ہیں خنجر کیونکر

پوچھتا دشمن بدگو ہے حسد سے مجھکو
تجھکو کہنے لگی مخلوق قلندر کیونکر

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ دوہی دن میں
ہوگئی عشق کی شہرت مری گھر گھر کیونکر

کیا خوشا مد سے ہمیں پوچھتا ہے دوست کہ تم
چشم ماہی کا بنا لیتے ہو گوہر کیونکر ؟

تذکرہ غیر کا چھیڑوں گا تو سنکر ترکی
وہ کریں گے مرے اقوال کو باور کیونکر

خنجر کو مرے خون سے تو رنگ برابر
گھوڑے کے لہو آئیگا کب تنگ برابر

اوس گھر سے صدا آتی ہے اب آہ و بکا کی
بجتے تھے جہاں روز دف و چنگ برابر

مجھ سے بس صلح نہ آیا وہ کسیدن ؟
ظالم کی مرے ساتھ رہی جنگ برابر

پاسنگ سے بھی نکلیگا قیمت میں بہت کم
گو لعل کا ہے لب سے تری رنگ برابر

غیروں پہ تلطف مگر افسوس کہ ہم کو
یہ چرخ دکھاتا رہا نیرنگ برابر

گو پھاڑا ہے مخضر مگر اوس شوخ کے دل میں
اب تک ہے میرے قتل کا آہنگ برابر

دھلی میں فن شعر میں برسوں مری ترکی
یاران سخنور سے رہی جنگ برابر ؟

نکلے گا نہ دل زلف گرہ گیر سے باہر
ہوگا نہ یہ وحشت زدہ زنجیر سے باہر

ولہ

ہوئی مجھ روسیہ پر رحمت رب جہاں کیونکر
پس مردن لقب بخشا مجھے خلد آشیاں کیونکر

بچیگا نالۂ آتش فشاں سے آسماں کیونکر
رہیگا اشک طوفاں خیز سے قایم جہاں کیونکر

ہوئی افشا حدیث عشق ایجاز بیاں کیونکر
عدو کے کان تک پہونچی ہماری داستاں کیونکر

کرین گے میرے اعجاز سخن کا امتحاں کیونکر
زبان کھولیں گے میرے سامنے سحر البیاں کیونکر

نہیں جسنے لکھا خطِ دو حرفی یکمدت سے
وہ بھیجگا فرامش پیشہ ای دل ارمغاں کیونکر

ذرا آکر تو دیکھو تم بھی مقتل میں کہ قاتل کی
ہمارے حلق پر چلتی ہے تیغ جانستاں کیونکر

پیا آبِ بقا پھر بھی نہ چھوڑا درد فرقت نے
خضر کو مل گئی تھی اُس سے عمرِ جاوداں کیونکر

نہ دیکھا بام پر آکر کبھی اُس آتشیں رخ نے
کہ میری آہ سوزاں سے نکلتا ہے دھواں کیونکر

کئی دن سے مرے جب تشنۂ خوں ہیں تو پھر مجکو
وہ دین گے دستِ رنگیں سے شرابِ ارغواں کیونکر

مٹا دیگا سپہر کینہ پرور گر عداوت سے
ملیگا پھر مرے مدفن کا یارو نکو نشاں کیونکر

کلامِ گرم سنکر لکھنوی میرا ہیں فرماتے
پسِ آتش ہوا یہ کاہلی آتش زباں کیونکر

کبھی مے شیخ پوچھو جاکر اُس سے کہ ای کافر
بنا ہے سجدہ گاہِ خلق تیرا آستاں کیونکر

نہوتا گر اشارہ اُس چراغِ حسن کا شبکو
اوٹھا دیتا بھری محفل سے ہمکو یاسباں کیونکر

لیا ہے مول درد عشق دیکر نقد دل ہمنے
کریں گے اس متاعِ بے بہا کو رائیگاں کیونکر

مرے مرغِ دلِ مجروح کو سینہ کی گلشن سے
اوڑا کر لے گئی وہ کاکلِ عنبر فشاں کیونکر

دکھا دینگے خطِ سبز اوس سمن رو کا اگر ہم سے
کوئی پوچھیگا ہوتی ہے بہارِ بیخزاں کیونکر

علالت دشمنوں کی مجھ سے جب دیکھی نہیں جاتی
تو پھر میں ای فلک دیکھونگا مرگِ دوستاں کیونکر

سراپا ہوگئیں تھی آتشِ فرقت سے خاکستر
پسِ مردن ہما کھاتا ہماری ہڈیاں کیونکر

اوڑا کر دھجیاں میری چبا کر ہڈیاں میری
سگانِ کوچۂ جاناں رہوتے مہرباں کیونکر

بہار آتے ہی جب سودا ہوا کہنے لگے ہمدم
مرض گھٹکر بڑھا پھر یہ نصیبِ دشمناں کیونکر

کسیدن جاکے پوچھیں گے اُن سے اسقدر تُرکی
کہ ہوکر مہرباں پھر ہوگئے نامہرباں کیونکر

زلف آئی ہے آشفتا بنکر — جان لے جائے گی قضا بنکر
مار ڈالیگی چشم و زلف سیاہ — فتنہ بنکر یہہ وہ بلا بنکر
دیدنی ہے غرور اوس بت کا — بیٹھا ہے بام پر خدا بنکر
دیکھکر میرا دشت سہم گئے — خضر آئے تہے رہنما بنکر
ہے ارادہ کہ بیٹھہ جائیں اب — کوچۂ یار میں گدا بنکر
کیوں ڈبوتے ہو بحر فرقت میں — کشتئ عمر ناخدا بنکر

ترکئ درد کش ہے بیٹھا ہوا
آج مسجد میں پارسا بنکر

کاٹ ابروے دلدار کا خنجر سی ہو گئی بنکر — جو کام ہی شمشیر کا نشتر سے ہو گیونکر

وله

شیخون کے پاس پہونچا ہی مستانہ ہو لگر — مسجد میں آگیا رہ میخانہ ہو لگر
ہونے لگا نثار ترے رخ پہ بار بار — محفل میں روے شمع کو پروانہ ہو لگر
اوس نے کہا تھا قصۂ مجنوں سنا مجھے — کہنے لگا میں اپنا ہی افسانہ ہو لگر

وله

ماہ کنعاں کی جو اوس ماہ نے دیکھی تصویر — ہنسکے کہنے لگا گویا ہے یہہ میری تصویر
بکتی بازار میں مجنوں کی جو دیکھی تصویر — بیگماں میں نے یہہ سمجھا کہ ہی میری تصویر
ہر گہڑی مجکو دکھا کر وہ حسیں کہتا ہی — میری اچھی ہے کہ یوسف کی ہی اچھی تصویر
چاہئے عاشق و معشوق کی مانی باہم — کس لئے مجہ سے جدا یار کی کھینچی تصویر
کچہ پری کا جو کیا ذکر تو جھجلا کے کہا — ہم سے اچھی کہیں ہوگی نہ پری کی تصویر

دیکھکر کہنے لگا یار کا نقشہ بہزاد۔ ہے کسی حور کی یا ہے یہہ پری کی تصویر
حسن یوسف کا کبھی ذکر جو کرتا ہے کوئی ہم دکھا دیتے ہیں لاکر اُسے تیری تصویر
اُنکی صورت کا مرقع جو دکھایا اون کو ہنسکے کہنے لگے کتنی ہے یہہ اچھی تصویر
کون سا تیرا ہے معشوق جو پوچھا اُونسے اوسکی ہی میں نے اوسے لاکے دکھادی تصویر
نقش یوسف کا تصور کیا سب نے اوسکو دیکھی ایوان زلیخا میں جو تیری تصویر

اب ہے وحشت سے یہ حالت کہ مصور ترکی
کھینچتے ساتھ ہیں مجنوں کے ہماری تصویر

ہے مست بٹھا غیر کو تو پشت برابر مدہوش کی آنکھوں میں ہی رو پشت برابر
ظالم نہیں آب لب جو پشت برابر آنکھوں کا یہہ آیا ہے لہو پشت برابر
میں اُٹھ گیا محفل سے ندامت زدہ ہوکر بیٹھا جو ترے جاکے عدو پشت برابر
آغوش میں دلدار ہے مینا ہی سرہانی ساغر مرے آگے ہی سبو پشت برابر
سنبل ہوا پھر اور بھی خجلت سے خمیدہ پہونچے تری زلفونکے جو مو پشت برابر
جب قامت بالا سے تری نا پکے دیکھا نکلا قد سرو لب جو پشت برابر
تکیہ نہیں ملتا تو ہماری کے لئے میں رکھہ لیتا ہوں ساقی کا سبو پشت برابر
دھو دل کی کدورت کو نہو جایہ ڈر ہے اس آئینہ کا زنگ سے رو پشت برابر

باز آیا وہ تب قتل سے عشاق کی تر کی
بہنے لگا جب خون گلو پشت برابر

رُک رُک کے چلے گا جو یہ قاتل ترا خنجر کاٹیگا گلے کو مرے مشکل ترا خنجر
جی بھر کے میں کرتا گل عارض کا نظارا ہوتا جو دم قتل نہ حائل ترا خنجر

نکلا ہے سیہ آب عوض خوں کے شاید
ڈوبا ہوا تھا زہر میں قاتل ترا خنجر

گو بیٹھے ہیں مقتل میں بہت قابلِ کشتن
لیکن ہے مرے سمت ہی مائل ترا خنجر

بیٹھا ہوں بہت دن سے شہادت کی طلب میں
کس روز کرے گا مجھے بسمل ترا خنجر

لیتا ہے خبر میرے ہی دل اور جگر کی
اغیار کو کرتا نہیں بسمل ترا خنجر

ترکی کی طرح مجھ کو بھی خونناب جگر میں
نہلائے گا اک روز یہ قاتل ترا خنجر

ردیف راے اُردو

کرتا ہے مجھ سے آپ کا دربان چھیڑ چھاڑ
اچھی نہیں یہ روز کی ایجان چھیڑ چھاڑ

اوس طفلِ ماہ وش سے سرِ راہ بیٹھکر
کرتا ہے ایک کابلی افغان چھیڑ چھاڑ

دانائے روزگار تو کرتے نہیں کلام
آ آ کے مجھ سے کرتے ہیں نادان چھیڑ چھاڑ

دیکھو تو کیا ہی حالتِ مستی میں رات کو
کرتا تھا ایک آپ سے مہمان چھیڑ چھاڑ

کھائے گا موہنی کی مجھ سی فن شناعر میں گر
ترکی کرے گا بزم میں سحبان چھیڑ چھاڑ

قصہ خواں میرا ہی تو حالِ دلِ دیوانہ چھیڑ
رات کو تجھ سے نہیں وہ گر کوئی افسانہ چھیڑ

اے مغنی آج میری ہی مئے اشعار سے
یار کی محفل میں کوئی نغمۂ مستانہ چھیڑ

وہ پری وش تجھ سے گر کرتا نہیں ہے چھیڑ چھاڑ
تو ہی اب محفل میں اُسکو ایدلِ دیوانہ چھیڑ

مار کی مانند کھائے گا دلِ بیتاب پیچ
سامنے میرے نہ زلفِ یار کو اے شانہ چھیڑ

پھر نہ چھیڑیں کس طرح ترکی بھی سب میزبان
جبکہ خود کرتا ہے آکر مجھ سی صاحبخانہ چھیڑ

ہاتھ دوں گا میں ترا زاہد دیندار مروڑ
دمبدم یوں نہ مرا رشتۂ زنار مروڑ

دست میخوار نہ اے شحنۂ خونخوار مروڑ
دیگا گردن کو تری چرخ ستمگار مروڑ

سانپ سمجھیں نہ کہیں مردم آبی لب بحر
بال زلفوں کے نہا کر نہ تو ای یار مروڑ

دل شیدا مرا بیتاب ہوا جاتا ہے
یوں نہ شاطہ خم کاکل دلدار مروڑ

پھر بجاؤنگا ستاری نہ میں کہنے سے ترے
انگلیاں میری نہ کہونٹی کیطرح یار مروڑ

اے معلم نہ کہیں ہاتھہ یہ کٹ جائیں ترے
کان اوس طفل پر یرو کے نہ ہر بار مروڑ

یہہ تکبر نہیں خلاق جہانکو منظور
ہر گھڑی کبر سے مو چھوں کو نہ ای یار مروڑ

اپنے پنجہ میں مرے پنجہ کو لیکر اکثر
راہ چلتے ہوئے دیتا ہے وہ عیار مروڑ

در جاناں سے چلا جاتا ہوں اٹھکر لیکن
دست و پا میرے نہ ای حاجب دلدار مروڑ

میں چبو دوں گا تری ہاتھ میں کانٹی ساقی
اوس گل اندام کا محفل میں نہ رخسار مروڑ

چومتا ہاتھہ جو اوسکے ہوں کہی میں ترکی
میرے ساعد کو وہیں دیتی ہیں اغیار مروڑ

رشتۂ مہر دل پاک سنمای یار نہ توڑ
تو جو مومن ہے تو پھر کعبہ کی دیوار نہ توڑ

ہے یہہ نازک مرا آئینۂ دل بہر خدا
سنگ فرقت سے اسے چرخ ستمگار نہ توڑ

میں لگا ہوں نے سر کو تو وہ بولا چل چل
ٹکریں مار کے میرے در و دیوار نہ توڑ

سر مرا توڑ مگر محتسب خانہ خراب
فصل گلشن میں در خانۂ خمار نہ توڑ

دوست ہو خواہ کہ دشمن ہو مگر اے غافل
سنگ غیبت سے کسی کا در اسرار نہ توڑ

ہو حضر یا ہو سفر بزم ہو یا خلوت ہو
پاس انفاس کے ارکن کا مگر تار نہ توڑ

مانگتا جان ہے گر یار تو دیدی ترکی
اتنی سی شئے کے لئے خاطر دلدار نہ توڑ

وصل باغ وصل بہروی وصل جمن

ردیف زاے معجمہ

تو نے نہ سنی عاشقِ رنجور کی آواز
پہونچی نہ ترے کان تلک موکی آواز

اوس روز سنیں گے وہ مرا نالۂ جانکاہ
سُن لیں گے سرافیل کے جب صور کی آواز

کب شور سُنے گا مرا ہے جو کہ سمجھتا
نزدیک کی آواز کو بھی دور کی آواز

ہاں میرے ہی وہ نالۂ موزوں کی صدا تھی
تم سمجھے تھے جسکو کہ ہے طنبور کی آواز

اوس طفل پری وش کا جو سُن لیگا تو آنا
یاد آئے گی رضواں کو نہ پھر حور کی آواز

خوش صوت ہوں بلبل سی کہ ہوتی نہیں ہرگز
چوں جامِ گلی ساغرِ بلور کی آواز

نکلا جو زبانے سے مرے نشہ میں اناالحق
مستوں نے یہ سمجھا کہ ہے منصور کی آواز

اک روز سُنا دیجئے ہم کو بھی خدارا
اے حضرتِ موسیٰ جبلِ طور کی آواز

دل سائلِ مسکیں کا ہوا خوف سے دونیم
شب کو جو سنی منعمِ معمور کی آواز

اے مستِ مئے خواب تری کان تلک افسوس
پہونچی نہ کبھی عاشقِ رنجور کی آواز

موسیٰ کی طرح ہوش نہیں رہتا ہے تر کی
سُنکر ہمیں اُس شاہدِ مستور کی آواز

دیکھہ لیگا جو لبِ شاہِ عرب کا اعجاز
اپنے یاد آئے گا عیسےٰ کو نہ لب کا اعجاز

قابِ قوسین سے بڑھکر نہیں رتبہ کوئی
لکھیں گے ہم اسے معراجی شب کا اعجاز

ولہ

خون سے ہے مرا جگر لبریز
اشکِ گلگوں سے چشم تر لبریز

ہو گیا ہے غبار کینے سے
خصم کم بخت کا جگر لبریز

کہہ نہ شیریں دہن سی تلخ نہ کر
زہر سے کوزۂ شکر لبریز

کبر سے یوں ہی اُسکا کاسۂ سر
مے سی جیسے ہو جام زر لبریز

نہوئی چشم اشک سی میری
یادِ حق میں دمِ سحر لبریز

رہتے ہیں آنسوؤں سی رات اور دن
دیدۂ طفل بے پدر لبریز

خونِ عاشق نہیں کیا تو پھر
کیوں لہو سے ہی تیرا گھر لبریز

یہہ تری مانگ مشکِ چیں سی یار
کون کرتا ہے ہر سحر لبریز

ایں غزل چوں قصیدہ ترکی
کرد دامانم از گہر لبریز

ردیف سین مہملہ

میں ضعیفی میں نہ بیٹھوں کسطرح دلبر کے پاس
رشتۂ باریک کی ہوتی ہی جا گوہر کے پاس

ہے جگہ گیسو کی ابرو اور رخِ دلبر کے پاس
بیٹھنا کافر ہے یہ محراب اور منبر کے پاس

میں پڑا رہتا ہوں جا کر کونۂ دل ارمیں
دن کو دیوار و نکے نیچے اور شب کو در کے پاس

ہے مری آرام گہہ مدت سے اے یک اجل
راستہ میں یار سنگین دل کے اک پتھر کے پاس

لعلِ شیریں سے ترے کب دو رہونگی تشنہ کام
ہے مگس اور مور کی جا کوزۂ شکر کے پاس

پھر نہیں معلوم بتیا بی وہ جاتی ہی کہاں
بیٹھ جاتا ہے جو وہ دم بھر دلِ مضطر کے پاس

ہوگئی برپا قیامت میں قیامت ایک اور
اُس کے فریادی گئے جب داورِ محشر کے پاس

بوئے زلفِ عنبر آگیں جب کبھی آتی ہی یاد
بیٹھ جاتا ہوں میں جا کر معدنِ عنبر کے پاس

عاشقانِ حلقۂ زلفِ سیہ نے بہرِ مرگ
اپنا مسکن کرلیا ہے روزنِ اژدر کے پاس

پھر تکبر سے مرا ہوتا ہے سر افلاک پر
بیٹھ جاتا ہوں کبھی جو ترے در کے پاس

ہے رگِ گردن وہ ترکی اک شہیدِ ناز کی
جو دھری رہتی ہے اُسکے دستۂ خنجر کی پاس

ردیف شین معجمہ

میں ہوا جلوۂ دیدار سے ایسا بیہوش
ہو گئے طور پہ تھے جیسے کہ موسیٰ بیہوش

گو بلا نوش ہوں کل بزم میں تیری لیکن
ہو گیا پی کے میں اک ساغرِ صہبا بیہوش

دن میں رہتا ہوں میں ہشیار و لیکن شبکو
اک پری کا مجھے کر دیتا ہے سایا بیہوش

آج بیخود ہے ترا جیسے کہ عاشق کوئی
مرضِ صرع سے ہوتا نہیں ایسا بیہوش

دیکھکر کہتے ہیں بیجان اطبا اوس کو
ہے مریضِ آج ترا صبح سے ایسا بیہوش

نالۂ ہول فزا سُنکے ہمارا شبکو
ہو گیا طفل کی مانند وہ برنا بیہوش

طفلِ دل افعیِ خوں خوار سمجھکر تری کی
ہو گیا دیکھ کے شب زلفِ چلیپا بیہوش

ہو گیا مجھ سے جب وہ دوشادوش
کہنے ساقی لگا کہ نوشا نوش

شب کو محفل میں یار کی تری کی
صبح تک تھی صدائے نوشا نوش

دیکھکر اوس کو مجھکو آیا غش
جس پری پر تھی ساری دنیا غش

ہم چلے جبکہ کوے جاناں کو
ضعف سے ہر قدم پر آیا غش

اب ہے پیری میں دمبدم آتا
نوجوانی میں کب تھا آتا غش

دیکھتا اوس کا میں جلوہ اگر — مثلِ موسیٰ مجھے نہ آتا غش

جلوۂ یار دیکھکر ترکی
آگیا مجکو مثلِ موسیٰ غش

مرے دیوان کے اشعار نہ ای یار ترا ش — بال و پر طایر مضمون کے نہ زنہار ترا ش
عہدِ پیری میں نہ ہرگز خطِ رخسار ترا ش — اب جوانونکی طرح ریش نہ ای یار ترا ش
کاٹ دیتا ہو نمیں یوں کہنہ مضامیں جیسے — باغبان دیتے ہیں ہر فصل میں اشجار ترا ش
آبلے پاؤں کے کانٹو نمیں مزہ دیتے ہیں — دامنِ دشت سے مجنوں نہ مری خار ترا ش
بڑھ گیا جوشِ جنوں فصلِ بہار آتی ہی — فصد لیکر مری اب مویِ سر ای یار ترا ش
بزم میں آج ہی بیٹھے گا نہ گر تو ساقی — بال و پر دیں گے بطِ بادہ کے میخوار ترا ش
مر گئی سنتے ہیں فرہاد تری فرقت میں — اب نہ شیریں کیلئے دامنِ کہسار ترا ش
تیرے کوچے میں بسر عمر کو کر دونگا کہیں — میر نخاطر نہ تو سنگِ در و دیوار ترا ش
لیکے اڑجائیں فرشتے نہ سمجھکر مہ نو — ناخنِ اپنے نہ افلاک نہ ای یار ترا ش
سیکڑوں صورتیں شیریں کی تراشیں فرہاد — میرے سجدہ کو بھی اک صورتِ دلدار ترا ش
یہہ جو بت تجھکو دکھاتا ہو نمیں دیکھہ ای آزر — بت میرے واسطے اس شکل کی دو چار ترا ش
خالِ مشکیں کو جو دیکھا ترے نادم ہو کر — آہوئے چیں نے دیا نافۂ تاتار ترا ش
حالتِ کفر میں یہ بھی تو ہے نکلی واعظ — میری مو چھوں کیطرح ریش بھی ای یار ترا ش
میں بھی اُس بت کی پرستش ہوں برہمن کرتا — واسطے میرے بھی اک رشتۂ زنار ترا ش

کہیں اڑجای نہ مرغِ دلِ ترکی اسیر
دیکھہ مشاطہ نہ یہہ گیسوئے خمدار ترا ش

ردیف صاد مہملہ

منعموں کے دل میں کچھ تنہا نہیں آزار حرص
ہے فقیروں کے جگر میں بھی کھٹکتا خار حرص

دیکھہ تو گرد ہوس سے ای لئیم سنگدل
ہوگئی برپا ہے سینہ میں تری دلوار حرص

تیرے ڈسنے کیلئے کنج لحد میں ای بخیل
اس جگہ سے ساتھہ جائیگا کفن بیمار حرص

خضر و عیسےٰ بھی اگر ہوں اسکے آگے چارہ ساز
قول ہے لقمان کا بچتا نہیں بیمار حرص

ہم سفر قارون کا ہو جائیگا پہر یزمیں
گر پڑے گا فرق ممسک پر اگر کہسار حرص

خرمن جاں کو جلا دیگی تری مانند برق
خواجۂ ممسک زبان شعلہ ہای نار حرص

آج کل اس شہر میں ہے بند بخشش کی دکان
ہو رہا ہے گرم لیکن ہر طرف بازار حرص

کارگر ہوگی نہ ہرگز ممسک بیمار کو
چارہ گر کوئی دوا جز شربت زینار حرص

پشت ہو جائیگی ترکی اک نہ اک دن تیری خم
گر یوں ہی کھینچیگا تو مانند اشتر بار حرص

شمع رو جو دیکھتا ہی تیرے ترانیکا رقص
بھول جاتا ہی اسے لیلے کی دیوانیکا رقص

چل دکھائیں شیخ تجھکو آج میخانیں ہم
سامنے پیر مغاں کے ایک مستانیکا رقص

ناچنا یاد آگیا ہم کو غزال دشت کا
دیکھکر آج اوس پری پیکر کے دیوانیکا رقص

میرے ہی محفل میں اک آتی نہیں ہیں ورنہ وہ
دیکھنے جاتے ہیں ہر شب ایک مستانیکا رقص

محو دل سے ہوگئی شیخ زمن کی بزم وجد
دیکھکر محفل میں اوسکی ایک مستانیکا رقص

سنبل و شمشاد کیا کہاتی ہیں دلمیں پیچ و تاب
دیکھکر اس زلف عنبر فام میں شانیکا رقص

ہم بھی طوف اسکے چراغ حسن کا کرنے لگے
دیکھکر محفل میں پیش شمع پروانیکا رقص

یاد آجاتا ہے ہم کو بھی تپیدن ہای دل
دیکھتے ہیں گلخن سوزاں میں جب دانیکا رقص

آگے ساقی کے کیا کرتے ہیں ترکی ہم بھی وجد
سامنے شیشہ کے جب ہوتا ہے پیمانیکا رقص

ردیف ضاد معجمہ

ہے عاشقوں کو یار کے کاشانیسے غرض
مسجد سے کام ہے نہ صنم خانیسے غرض

اے قصہ خواں سنا مجھے میری ہی داستاں
مجھکو نہیں ہے قیس کے افسانیسے غرض

آنسو بہا رہی ہے یہ کیوں اُسکے حال پر
کچھ شمع کو نہیں ہے جو پروانے سے غرض

پوچھیں گے کب وہ عاشق بیتاب کا ملال
زلفوں سے انکو کام ہے اور شانیسے غرض

ترکی کا حال زار وہ کیوں دیکھنے لگے
کب ہوشمند رکھتے ہیں دیوانیسے غرض

لبریز ہے گلاب سے دلبر کے گھر کا حوض
جیسے کہ آب آشک سے اس چشم تر کا حوض

فوارہ ہای چشم شفق رنگ نے مرے
کیا بھر دیا ہے خون سے اُس سیم بر کا حوض

اے باغبان نہیں ترے گلشن کی صحن کا
جیسے کہ ہے صفا مرے دلبر کے گھر کا حوض

کوثر کا حوض گلشن جنت میں دیکھکر
عاشق کو یاد آگیا دلبر کے گھر کا حوض

روز حساب ہوگئے بیتاب سے آب آب
آتش پرست دیکھہ کے نار سقر کا حوض

رندوں نے آج بادۂ گلگوں سے بھر دیا
میخانہ کے جو یاس تہا اللہ کے گھر کا حوض

کیا عیب اس میں ہے جو کوئی آشنا لکھے
شیریں دہان یار کو ترکی شکر کا حوض

ہم کو ملا ہے خسروِ ملکِ دکن سے فیض
اور ساکنِ دکن کو ہمارے سخن سے فیض

پینسٹھ برس کی عمر میں آئے دکن کو ہم
حاصل ہوا نہ جب سے شیخ وطن سے فیض

زردار کا نکلتا ہے زردار ہی سے کام
مرغِ چمن کو ملتا ہے مرغِ چمن سے فیض

ظالم سے ناتواں کا بر آیا کبھی نہ کام
ملتا ہے کب غریب کو حرفِ کہن سے فیض

ابدال و غوث سے نہ ہوا مدعا حصول
تُرکی ملا ہمیں تو درِ پنجتن سے فیض

ردیف طاے مہملہ

قلب مضطر صبر کر آتا ہے خط
غم نہ کھا تو اس قدر آتا ہے خط

میں دکھا دیتا ہوں غیروں کو وہیں
مجھکو مخفی اوس کا گر آتا ہے خط

ہے اوسیکے ہاتھ کا جو غیر کے
ہاتھ میں مجھکو نظر آتا ہے خط

ایک مدت ہوگئی ہے یار کا۔
اب نہیں اے نامہ بر آتا ہے خط

لکھتے ہیں طومار وہ اغیار کو
اور مجھکو مختصر آتا ہے خط۔

غیر کے خط میں ہمارے نام کا
اکثر اب اے نامہ بر آتا ہے خط

ہچکیاں آتی ہیں تُرکی صبح سے
اوس پری وش کا مگر آتا ہے خط

ردیف ظاے معجمہ

زندگانی کا نہیں بے یار حظّ
لے گیا ہے عشق کا آزار حظّ

نوجوانی کا فراقِ یار میں ۔ ہائے مجھکو تو آتا نہیں زنہار خط
مفلسوں کو کیا مزا ہے عمر کا اوس کا ملنا ہے تجھے زردار خط
کر دیا برباد روزِ عمر کا ۔ تو نے افسوس ایدلِ بیمار خط
میکدہ میں کل ہمیں حاصل ہوا خوب ہی اے واعظِ دیندار خط
کھو دیا ہے زندگانی کا مری تیرے دردِ ہجر نے ای یار خط

زیست کا ترکی نہیں ملنا کبھی ۔
عاشقوں کو بے وصالِ یار خط

ردیف عین مہملہ

جب ہوئی رُخ سے ترے بے نور شمع ہوگئی فانوس میں مستور شمع
آگے کالے کے نہیں جلتا چراغ زلف سے تیرے رہی گی دور شمع
مار کر پروانہ پر شبخون رات صبح سے پہلے ہوئی کافور شمع
دیکھکر رخسار روشن یار کا بھول جاتی ہے چراغِ طور شمع
تیرے رُخ کا جب سے ہے پرتو پڑا ہوگئی ہے اے پری مغرور شمع
دی جو نسبت عارضِ دلدار سے ہوگئی آفاق میں مشہور شمع

دیکھکر محفل میں ترکی روے یار
ہوگئی خجلت سے کیا بے نور شمع

ردیف غین معجمہ

چارہ گر تجھ سے نہ جائیگا مری سینے کا داغ
دور ہوتا ہے بڑی مشکل سے آئینے کا داغ

شست و شو تو کی بہت چھوٹی نہ جاتی مگر
چارہ گر سمجھا تھا داغ دل کو پشمینے کا داغ

کم نہیں ہونے کا دھونے سے عبث محنت نکر
ہے ترے دل میں یہ حاسد دیر سی کینے کا داغ

تو بھی لیجائے گا ممسک درہم و دینار کا
مثل قاروں دل پر اپنے زر کے گنجینے کا داغ

بارہا دھویا ہے تر کی بیں نے آب لطف سے
قلب دشمن سے نہیں جاتا مگر کینے کا داغ

میرے نالے ملے گا اسکے مسکن کا سراغ
نغمۂ بلبل سے جیسے صحن گلشن کا سراغ

تیرے کوچے کے سوا اے یار ملتی کا نہیں
میری مسکن کا نشاں اور میرے مدفن کا سراغ

جب بہت کی جستجو تب تیری زلفوں میں ملا
اے سمن بر طائر دل کے نشیمن کا سراغ

لگ گیا اس کا پتا یوں بوئے گیسو سے مجھے
جس طرح ملتا ہے نقش پا سے رہزن کا سراغ

تیرے عارض کی ضیا مخبر ہے منزلکی تری
ڈھونڈتا ہے کون اے شمع روشن کا سراغ

زلف مشکیں سے ملا یوں اسکے کوچہ کا نشاں
بوے گل سی جس طرح ملتا ہے گلشن کا سراغ

ہم بھی یوسفین گر وہاں جس جا وہ جاتا ہے سوار
مل گیا تر کی گرا اسکے پای توسن کا سراغ

دل سے مٹتے نہیں ہوس کے داغ
مو نہ سی جاتے ہیں لب برص کے داغ

یوں ہیں رخ پر ترے برص کے داغ
پیٹ پر جیسے ہوں فرس کے داغ

وہ نہاتے ہیں جب لب دریا
نظر آتے ہیں پیش و پس کے داغ

اس وقاص کا بھی قافیہ ہے
تب ہوس سے ہیں ضم برص کے داغ

پھر ہے کیا پشت پر تری تر کی
گر نہیں درۂ عسس کے داغ

نشان ہائے کمان و تیر بر پشت راس

جانور بارہ سنگھ صحرا و قاص

ملتقط از خسرو نامہ ۔ گزٹ الہ آباد

ردیف فاے معجمہ

پھر گیا زندانسے عاشق کوئی جاناں کیطرف
پھر چلا مرغِ قفس اڑکر گلستاں کیطرف

ہوگیا ہے جب سے زلفِ یار کا سودا مجھے
سیر کو جاتا ہوں اکثر سنبلستاں کیطرف

ہمنشیں تیرا خدا حافظ کہ مجھکو کھینچکر
لے چلا ہے جوشِ وحشت پھر بیابانکی طرف

یار دیوانہ سمجھکر فصلِ گل سے پیشتر
بھیجدیتے ہیں مجھے ہر سال زندانکی طرف

کردیا تھا چاک پچھلے سال دامن اسکے سال
ہاتھ پھیلایا ہے وحشت نے گریباں کی طرف

دی اجازت غیر کو اور دیکھتے ہم رہ گئے
دیدۂ حسرت سے شکوہ چشمِ دربانکی طرف

ایک مدت سے تمنّاے شہادت میں اسیر
دیکھتے ہیں یار کی شمشیرِ براں کی طرف

سامنے ہوتا ہے جب تیرا لبِ رنگیں تو پھر
دیکھتا کوئی نہیں لعلِ بدخشانکی طرف

دلمیں دردِ عشق سے ہوتا ہے جسدم پیچ و تاب
دیکھہ لیتے ہیں تمہاری زلفِ پیچانکی طرف

پھر سگ و دربان اڑائیں گے قبا کی دھجیاں
لیچلا ہے جذبِ دل پھر کوئی جاناں کی طرف

ہیں جو پامالِ خرامِ قامتِ بالاے یار
دیکھتے ہیں وہ کہاں سروِ خرامانکی طرف

توڑ کر زنجیر پاہم جائیں گے ترکی ضرور
ہند سے اب کے برس شاہِ خراسانکی طرف

کر نہیں تو نے کیا اے دلِ مضطر واقف
ہوگیا پھر وہ مرے حال سے کیونکر واقف

کسطرح آتا نہ ابتک مرے خط کا پاسخ
کوچۂ یار سے ہوتا جو کبوتر واقف

نیچر ایک وہی ہے بتِ ترسا ورنہ
میری مشرب سے ہیں سب مومن و کافر واقف

دیکھہ آپہلے درِ یار کا رستہ ایدل
کیونکہ لازم ہے کہ ہو راہ سے رہبر واقف

باغ میں ناز نہ کرتا کبھی رعنائی کا
قامتِ یار سے ہوتا جو صنوبر واقف

تھا اشارہ سے کسیکے یہ تجاہل ورنہ
ایک مدت سے ہے مجھ سے وہ ستمگر واقف

یا وہ گویوں کا نہیں کرتے ہیں شکوہ عاقل
سخنِ پاک سے ہوتے ہیں سخنور واقف

یہہ ہوا زار میں فرقت سے کہ وہ بھول گیا
خوب تھا ورنہ مری شکل سے دلبر واقف

تشنہ لب مجھکو نہ رکھیں گے صفِ محشر میں
مجھ سے ترکی ہیں بہت ساقیٔ کوثر واقف

اے پری تیری انجمن میں حریف
نظر آتا ہے مثلِ دیوِ کثیف

چھپ گئے آشیانِ عنقا میں
اس زمانہ میں سب نجیب و شریف

وہ غزل لکھکر آپ لائے ہیں
ٹھیک ہے جس کا قافیہ نہ ردیف

درد اُٹھ اُٹھکے بیٹھ جاتا کیوں
گر نہ ہوتا مری طرح وہ ضعیف

میرے مدت سے ہیں کرم فرما
میرزا داغ اور جلیل و لطیف

تھے وہی تو مہر نمیت الدینخاں
جسکو سمجھے تھے تم کمانڈر چیف

یار کے کوچہ کی ہوا ترکی
سوزشِ دل کی کر گئی تخفیف

لکھتے اوس بت کی رہے زلفِ دوتا کی تعریف
نہ لکھی بیٹھکے اک دن بھی خدا کی تعریف

ردیف قاف معجمہ

اُس ستمگر کو نہیں پھولوں کے آب و رنگ کا شوق
ایک مدت سے گھسے ہے میرے شعر تر کا شوق

شیخ کو اتنی کہاں ہے ساغرِ کوثر کی چاہ
جس قدر میکش کو دلمیں ہے مئے احمر کا شوق

جمع کرتے ہیں خزانہ ہم دُرِ اشعار کا
خواجۂ پرآز کو ہے گرچہ سیم و زر کا شوق

دین و دنیا کی نہیں رہتی ہے پھر مجکو خبر
جوش زن ہوتا ہی دلمیں جبکہ اُس کافر کا شوق

ہے مناسب دور ہی رہنا عروسِ دہر سے
کیونکہ اس قحبہ کو ہے ہر شب نئے شوہر کا شوق

جب علم ہوتی ہے مقتل میں تری تیغ دو دم
دید کے قابل ہی اُسدم اس دلِ مضطر کا شوق

بوے زلفِ عطر آگیں سے معطر ہی مشام
میرے دلمیں اب نہیں ہی مشک اذفر کا شوق

یہہ خدا جانے کہ ہی کسکی ہلاکت کا خیال
آجکل اُس بُت کو بیحد ہے مگر خنجر کا شوق

وہ بھی تھا اکدن کہ رہتا تھا رفیقونکی طرح
مجکو اُنکے در کا شوق اور اُنکو میرے گھر کا شوق

منعم سنگین جگر کو یوں جواہر کی ہے فکر
بُت پرستونکے ہو دلمیں جسطرح پتھر کا شوق

پھر وہ کب لکھیگا تری مدحتِ اہلِ دول
ہو گیا ہے جسکے دل کو نعتِ پیغمبر کا شوق

ملتی نہیں ہے سر سے بلائے شبِ فراق
جائیگی جان لیکے جفائے شبِ فراق

اے چرخ فتنہ باز دکھادی ہمیں کبھی
روز وصالِ یار بجائے شبِ فراق

دو یار ایک جا مجھے آتے ہیں جب نظر
کرتا ہوں نالہ کہکے میں ہائے شبِ فراق

دیکھوں گا روزِ وصل میں کیونکر کہ جب مجھے
پیدا کیا ہے حق نے برائے شبِ فراق

کس مدعی کی ہو گئی تری نہیں خبر
حق میں مرے قبول دعائے شبِ فراق

یوں مرے دم سے ہے گلزارِ وطن کی رونق
جسطرح جادِ بہاری سے چمن کی رونق

ردیف کاف عربی

یوں ستائے گا آسماں کب تک
میں کرونگا یوہیں فغاں کب تک

تم ستاؤ گے گر یوہیں مجھکو
بند رکھوں گا میں زباں کب تک

میں رہوں گا فراق میں زندہ
آخر اے یار مہرباں کب تک

کہتے ہیں جب میں کرتا ہوں کچھ ذکر
ختم ہو گی یہ داستاں کب تک

دل مجروح پر میں کھاؤں گا
تیر مژگان دلستاں کب تک

لائے گا قاصد مبارک پے
مژدۂ وصل دلستاں کب تک

اے ہمایوں سگان کوچۂ یار
کھائیں گے میری ہڈیاں کب تک

یوہیں جائے گا یہ دل پر آزر
کاسۂ دست خواجگاں کب تک

فرقت یار میں مجھے ترکی
زندہ رکھے گا آسماں کب تک

ملی جو اوس نے مرے چہرہ پر گشت کی خاک
تو میں نے اوسکو تصور کیا بہشت کی خاک

فنا کے بعد بجز ذات حق کوئی ترکی
شناخت کر نہیں سکتا ہے نیک و زشت کی خاک

یار کی بزم میں رہتا ہے کبھی ایک سے ایک
بیٹھتا رشک کے باعث ہے جدا ایک سے ایک

ولہ

دیکھیں ہوتے ہیں مہرباں کب تک
ہمکو رکھتے ہیں نیم جاں کب تک

کشور یار سے دل بیتاب
دیکھیں آتا ہے کارواں کب تک

یہہ جفائیں یہہ ظلم یہہ بیداد
ہم سہیں تیری آسماں کب تک

تم سنوگے نہ کب تک اور اپنی
میں سناؤنگا داستاں کب تک

بخت دیکھیں دکھائیگا تُرکی
روضۂ شاہِ انس و جاں کب تک

یا سبز خط نہیں لایا ہے کبوتر اب تک
شاید اوسنے نہیں دیکھا مرا دفتر اب تک

میرے اقوال کو کرتا نہیں باور اب تک
نہوا دل سے مسلمان وہ کافر اب تک

اے مسیحی نہیں گر شاہِ عرب ختم رسل
کیوں نہ پیدا ہوا پھر کوئی پیمبر اب تک

نالۂ گرم سے میرے نہوا نرم وہ شوخ
موم ہو جاتا و گر نہ کوئی پتھر اب تک

دیکھی اکبار تھی آئینہ نے صورت تیری
میری آنکھوں کی طرح وہ بھی ہے حیران اب تک

پھر دکھا دے قدِ بالا کو چمن میں جا کر
منتظر ہے ترے جلوہ کا صنوبر اب تک

ہوگیا تن سے جدا سر تو ہے لیکن اُسنے
میری گردن سے اُٹھایا نہیں خنجر اب تک

پھر نہ بن آئی کوئی بات جب اُسنے پوچھا
میری فرقت میں رہا زندہ تو کیونکر اب تک

جستجو کرتے ہوئی دیر ہے تُرکی لیکن
مثلِ ناسخ نہ ملا کوئی سخنور اب تک

جیسی ہے تیری کمر اے گلِ رعنا باریک
اس قدر کب ہے رگِ گردنِ لیلیٰ باریک

ہوگیا سوکھکے غم میں تری جیسے مرا جسم
ایسا ہوتا ہے کہاں نیم کا تنکا باریک

حل بجز روحِ خفائی کبھی ہونیکے نہیں
ہیں بہت ہی کمر یار کے معنی باریک

غمِ فرقت میں ہے جیسے کہ مرا تن لاغر
تارِ ریشم کا نہیں ہوتا ہے ایسا باریک

ٹوٹ جائیگا کشاکش سے یقیں ہے اکدن
یار ہوتا ہے محبت کا یہ رشتہ باریک

صفحۂ دل کا پئے سیر مضامین کمر
خطِ مستر کی طرح چاہیئے رشتہ باریک

یاد میں ہوگیا اُس شوخ نگہ کی تُرکی
موئے مژگاں کیطرح جسم ہمارا باریک

تیرے تن سے نہیں شاخ سمن ایجاں نازک
لب نازک سے نہ برگ گل ریحاں نازک

تیرے قد سے ہے کہاں سرو گلستاں بالا
لب رنگیں سے نہیں لعل بدخشاں نازک

دیتے تشبیہ ہم اوس سے اگر ایجاں ہوتا
تیرے رخسار سے برگ گل ریحاں نازک

ڈھونڈھ لاتا کمر یار کے نازک مضموں۔
کاش ہوتی یہہ مری طبع سخنداں نازک

دور رکھ سنگ جفا اس سے کہ ہوتا ہے عبث
شیشۂ مے سے زیادہ دل مستاں نازک

کشمکش سے تری یہ ٹوٹ نجائے دریغ
ہے نہایت ہی صنم رشتۂ ایماں نازک

کمر یار کے مضمون ہے لکھتی شب و روز
کیوں نہ تر کی ہو تری طبع سخنداں نازک

حالت ہے مری صورت دیوار سی نازک
پیکر ہے غبار قدم یار سے نازک

گلبرگ کہاں ہے لب دلدار سی نازک
پتہر نہیں ہوتا در شہوار سے نازک

محفل میں حسینان جہاں کی قد جاناں
دو چار سے بالا ہے تو دو چار سی نازک

اے بت مرے ملنے سے کہیں ٹوٹ نجائے
مذہب ہے ترا رشتۂ زنار سے نازک

ہیں عاشق و معشوق نزاکت میں برابر
وہ گل سے ہے نازک تو یہ ہے خار سی نازک

واعظ تو یوہیں کہتے ہے ہوگی نہیں ہوگی
رفتار قیامت تری رفتار سے نازک

کی فکر جو باریک تو تر کی نکل آیا۔
مضمون ہمارا کمر یار سے نازک

ہجر کی آگ میں جلکر نہ کراہیں کب تک
دل تفتیدہ سے نکلیں گی نہ آہیں کب تک

ہر گھڑی مرے رولانیکے لئے محفل میں
غیر سے آپ لڑائیں گے نگاہیں کب تک

اے دل ایام جدائی کے اٹھا کر صدمے
ان حسینوں کی محبت کو نباہیں کب تک

مجھ سے پوشیدہ رقیبوں کے بلانے کے لئے
اپنے کوچے کی کنجی رکھو گے راہیں کب تک

میری آغوش سے تو دور رہیگا کب کے
ہوگئیں گردن میں عدو کی تری باہیں کب تک

ایک دو دن کی نہ کچھ فکر تھی ہر گز لیکن
یار کی طرح ہم اغیار کو چاہیں کب تک

ایسے جینے سے تو مر جانا ہے بہتر ترکی
یوں پڑے ضعف سے بستر پہ کراہیں کب تک

لوٹے گا زمیں پر دلِ بیتاب کہانتک
بیٹھیں گے سرہانے مرے احباب کہانتک

سوتا رہا تو اور گئے قافلے والے
بیدار ہو غافل یہ گراں خواب کہانتک

جبتک کہ نہو وصل نہیں زیست کی امید
فرمائیں گے چارہ مرا احباب کہانتک

کیا کہاتے ہیں غوطے سر افلاک فرشتے
پہونچا مرے اشکوں کا ہے سیلاب کہانتک

افسوس کہ کرتے نہیں کچھ قدر گہر سنج
میں ڈھونڈھ کے لاؤں دُرِ نایاب کہانتک

وحشت زدہ سو دازدہ فرقت زدہ ہونمیں
لکھے گا وہ خط میں مرے القاب کہانتک

بیمار ہوں میں اُس لبِ جاں بخش کا عیسے
تم دوگے مجھے شربتِ عناب کہانتک

کب تک تپِ فرقت سے یہ دل ہوگا نہ مضطر
ٹھہریگا بھلا آگ میں سیماب کہانتک

خونِ دلِ عشاق بہائے گا زمیں پر
یہہ خنجرِ مژگانِ سیہ تاب کہانتک

رہیگا یہ دریائے غم دختر و فرزند
چکر میں مجھے صورتِ گرداب کہانتک

ہم قبر بنائیں گے تری ملکِ دکن میں
ترکی ہوس کشورِ پنجاب کہانتک

ہوگی نہ رگِ گل کمرِ یار سے نازک
موہوگا نہ ریشم کے کبھی تار سے نازک

ولہ

یہہ لبِ لعل ہے یا ہے گلِ تر ایک پر ایک
ہے یہ رکھا ہوا یا طشت شکر ایک پر ایک

دیکھکر تجکو گرا رشکِ قمر ایک پر ایک
ہے پڑا غش میں سرِ راہ گذر ایک پر ایک

شب ہوئے بزم میں سب یہ تری دیدار کی غش
کہ پڑا ہی رہا تا وقتِ سحر ایک پر ایک

وہ اُدھر جھومتا محفل سے جو نکلا باہر
ٹھوکریں کھاکے لگا گرنے اِدھر ایک پر ایک

گرتی ہے خلق تری جنبشِ رفتار سے یوں
باد سے جیسے سرِ شاخ شجر ایک پر ایک

دیکھکر روے شبِ ہجر مژہ سے میری
ڈر کے گرنے لگے اشکوں کے گہر ایک پر ایک

شب کو یہ کثرتِ اعدا تھی کہ مستوں کی طرح
رکھکے سوتا تھا تری بزم میں سر ایک پر ایک

چلتے دیکھے جو ترے تیرِ ہدف کی خاطر
ٹوٹے پڑتے ہیں مرے لختِ جگر ایک پر ایک

دیکھتا تو ہے کدھر مردمِ چشمِ احباب
اس لئے رکھتی ہے محفل میں نظر ایک پر ایک

تیری زلفوں کی جو کرتا ہوں ثنا محفل میں
کہاکے بل گرتے ہیں کیا اہلِ ہنر ایک پر ایک

یہہ غزل میں نے جو محفل میں سنائی ترکی
وجد میں گرنے لگے اہلِ نظر ایک پر ایک

ردیف کاف فارسی

ہے کہاں خوشتر ترے رخسار سے گوہر کا رنگ
اور نہیں مثلِ لبِ گلگوں مئے احمر کا رنگ

ہو گیا میرے لہو سے سرخ جب خنجر کا رنگ
کھل گیا مانندِ گل پھر عارضِ لبکر کا رنگ

گر نہ پڑتا عکس اوس کی زلفِ عنبر فام کا
خال کی مانند پھر ہوتا نہ مشک سر کا رنگ

وصل کی شب جب نظر آئی تباشیر سحر
اُڑ گیا کافور ہو کر عاشقِ مضطر کا رنگ

دیکھہ لیگا جب ترے جھومر کا ہیرا رشک سے
کالے پتھر کی طرح ہو جائیگا گوہر کا رنگ

پڑ گیا گر عکس رنگیں عارضِ دلدار کا
لالہ کی مانند ہو جائے گا نیلوفر کا رنگ

تیرہ ہے قلبِ عدو روشن نہیں ہو نیکا
سنگِ مرمر کیطرح ہوگا نہ اس پتھر کا رنگ

ہو گیا محفل میں شبکو رکشِ رنگ شفق
میرے خونِ چشم تر سے دامنِ دلبر کا رنگ

نام ۵

ہیں گلِ مضمونِ نو سخ جیسے ترکی خوشنما
ایسے رنگیں کے نہیں اشعار کے دفتر کا رنگ

دیکھا ہے جب سے اوس بتِ سیمیں بدن کا رنگ
بو ہو کے اڑ گیا ہے گلِ یاسمن کا رنگ

دیکھا ہے خوب ہی شعرائے دکن کا رنگ
ملتا نہیں کسی سے ہمارے سخن کا رنگ

نکلا ہے جب سے اوس رخِ رنگین پہ خطِ سبز
پھیکا سا ہو گیا ہے بہارِ چمن کا رنگ

اک لعلِ لب کی یاد میں نکلی ہے میرِ جاں
کر دینا سرخ دوستو میرے کفن کا رنگ

کھاتا ہے خونِ لعلِ بدخشاں جو کھا کے پان
ہوتا ہے سرخ یار کے ترکی دہن کا رنگ

ہم سے ہوا کسیکا پہ پیوند رنگ ڈھنگ
غیروں نے کو کیا تھا بہت بند رنگ ڈھنگ

ہم نے کیا ہے مومن و غالب کے شعر سے
اپنی غزل کا حسن سے دوچند رنگ ڈھنگ

ولہ

دیکھکر میری شاعری کا رنگ
اڑ گیا نظمِ مدعی کا رنگ

موجدِ شیوۂ سخن ہیں ہم
ہم کو بھاتا نہیں کسی کا رنگ

بزمِ جاناں میں دیکھکر مجھکو
اڑ گیا روئے مدعی کا رنگ

رام پور میں جما نہ آگے مرے
جان صاحب کی ریختی کا رنگ

کرتے ہیں قائن قائن ریختہ گو
دیکھکر میری پارسی کا رنگ

میں نے کچھ عرض کی تو غصے سے ہو گیا سرخ اوس پری کا رنگ

نہ جما میری بزم میں ترکی
گل فروشوں کی شاعری کا رنگ

ردیف لام

مرنا مجھے قبول ہے جینا نہیں قبول
عقبیٰ کا مستمند ہوں دنیا نہیں قبول

قسمت میں جو لکھا ہے وہ ہو جائے آج ہی
یارب یہہ مجکو وعدۂ فردا نہیں قبول

عاشق کا غیر قبلۂ روئے صنم سجود۔
کہتے ہیں عشقباز کہ ہوتا نہیں قبول

ہمراہ دوستوں کے ہے دوزخ مجھے پسند
غیروں کے ساتھ خلد میں جانا نہیں قبول

منظور ہے مجھے تری تیغ ادا کا زخم
لیکن عدو کا غمزۂ بیجا نہیں قبول

مل جاؤں تیری دین میں اسلام چھوڑ کر۔
یہ مجکو ہرگز اے بت ترسا نہیں قبول

پھر میرے کیوں علاج میں مصروف ہیں طبیب
خود مجکو جبکہ ہجر میں جینا نہیں قبول

اک روز رو کے بیٹھ کے رونا ہے جس قدر
ہر روز کی بکا دل شیدا نہیں قبول۔

میں جان و دل سے اسکے ہوں ہر امر کا مطیع
وہ میری ایک بات بھی کرتا نہیں قبول

مشغول ایک بت کی پرستش میں ہوں مجھے
جز سومنات مسجد اقصیٰ نہیں قبول

میں دے چکا طلاق ہوں اس بد خصال کو
اب مجکو وصل قحبۂ دنیا نہیں قبول

ترکی میں چھوڑ بیٹھا ہوں دونو کو اب مجھے
کعبہ نہیں پسند کلیسا نہیں قبول

جس قدر تجکو ہے ایدل دارِ دنیا کا خیال | کاش ہوتا اس قدر ایوانِ عقبیٰ کا خیال

ولہ

ہیں رخ سے تیرے غرق ندامت سمن کے پھول | بے آب کر دئے ترے لب نے چمن کے پھول
خوش رنگ جیسے ہیں مرے داغِ جگر کے گل | ایسے کہاں ہیں گلشنِ چرخِ کہن کے پھول
رکھدیتے ہیں ہمیشہ امیروں کے سامنے | لیجا کے گل فروش ہماری سخن کے پھول
پوچھوں گا اون کو میں گلِ معنی دکھاکے آج | یہ پھول آبدار ہیں یا نسترن کے پھول
پوچھا جو میں نے اون سے یہ محرم ہیں کیا ہے چیز | ہنسکر کہا کہ ہیں یہ مرے نخلِ تن کے پھول
آئے وہ سُنکے ہیں یہ کسی گل فروش سے | ہیں آج ایک عاشقِ دور از وطن کے پھول
کہتے ہیں دیکھکر وہ ہمارے گلِ سخن | یہ کونسے شجر کے ہیں اور کس چمن کے پھول
رضواں جو دیکھ لیگا کرن پھول یار کے | دیکھے گا پھر کہاں وہ ارم کے چمن کے پھول
میں آج سینہ چیر کے اپنا دکھاؤں گا | اُس یارِ گلعذار کو داغِ کہن کے پھول
دیکھی ہے جس نے یار کی گلدار کفشِ پا | دیکھے گا کب وہ جاکے نہالِ چمن کے پھول

تُرکی ضرور مجلسِ شاہ دکن میں آج
ہم اپنے لیکے جائیں گے باغِ سخن کے پھول

مدت سے کر رہا ہے ترا انتظار گل | ہے غم میں تیرے میری طرح بیقرار گل۔

ولہ

یاد آگیا وہ طور کا جلوا شبِ وصال | دیکھا جو اُس پری کا تماشا شبِ وصال
دیکھیں گے روے یار کا جلوا شبِ وصال | دونوں پئیں گے بیٹھکے صہبا شبِ وصال
تا صبح سجدہ کرتے رہے روے یار کو | یاد آیا کعبہ اور نہ کلیسا شبِ وصال

دو قالب ایک جاں مجھے اُس سے دیکھکر
خلوت سے دور ہوگیا سایا شبِ وصال

تا عمر دیکھتا نہ میں پھر روے روزِ ہجر
سنتا اگر وہ میرا فسانا شبِ وصال

دیکھا نہ ہوگا حضرتِ موسےٰ نے طور پر
دیکھا جو میری آنکھوں نے جلوا شبِ وصال

حرفِ دوئی کا نام بھی باقی رہا نہ جب
تن اوس نے میرے تن سے ملایا شبِ وصال

یاد آگیا جو گریۂ روزِ سیاہِ ہجر
بہنے لگا پھر آنکھوں سے دریا شبِ وصال

اللہ رے نازکی کہ نشانِ میانِ یار
مجھکو نہ صبح تک نظر آیا شبِ وصال

ہوجائے گی سحر شبِ دیجور وہ قسم
گر کھول دیگا زلفِ چلیپا شبِ وصال

خاطر سے مثلِ حرفِ غلط محو ہوگیا
تُرکی صباحِ ہجر کا شکوا شبِ وصال

ہے آجکل تو اون کو مے و جام کا خیال
اصلا نہیں ہے عاشقِ ناکام کا خیال

ہرگز نہیں صنم کو مرے نام کا خیال
ہوتا ہے برہمن کو کب اسلام کا خیال

نے خاص سے غرض ہے نہ کچھ عام کا خیال
جب سے ہوا ہے دل کو دلارام کا خیال

جرمانہ مانگتے ہیں وہ اُلٹا مدیح کا پہ
تھا جن کی ذات سے ہمیں انعام کا خیال

زلفوں میں تیرے پھنس گیا دل خال کے سبب
مرغِ گرسنہ رکھتا ہے کب دام کا خیال

گلگشتِ باغ کی نہیں رغبت مجھے بااغباں
جب سے ہوا ہے اُس بُتِ گلفام کا خیال

ہم دیکھتے ہیں مصحفِ رخسارِ یار جب
آتا ہے دل میں الف لام کا خیال

جاتے ہیں کوے یار کو دن بھر میں چند بار
نے صبح کا خیال ہے نے شام کا خیال

تُرکی سفید ہوگئے مو اب تو دل سے چھوڑ
دنیاے دوں کی زال سیہ فام کا خیال

سب سے جدا ہے میرے کمیتِ سخن کی چال
ملتی نہیں ہے کبک سے زاغ و زغن کی چال

پامال کر رہا ہے دلوں کو وہ نوخرام
عاجز ہے اوسکی چال سے چرخِ کہن کی چال

رفتارِ چشمِ مست کو تیری نہ پائے گی
کبکِ دری کی اور غزالِ ختن کی چال

لڑکر عدو سے عہدِ وفا مجھ سے باندھنا
یہ بھی ہے ایک اُس بتِ پیماں شکن کی چال

مدت سے آشنا ہوں میں اُسکے خرام کا
یہ جھپتی نہیں ہے مجھ سے عروسِ سخن کی چال

انساں تو اکطرف کہ فرشتوں کو آجکل
پامال کر رہی ہے تیری بانکپن کی چال

نفسِ ستم شعار کا دھوکہ نہ کھائیں گے
پہچانتے ہیں خوب ہم اس راہزن کی چال

دنیائے دوں کیواسطے زنہار خلق سے
اے شیخ حق پرست نہ چل مکر و فن کی چال

ہر حورِ قصرِ خُلد میں خجلت سے چھپ گئی
دیکھی جو فتنہ خیز بتانِ دکن کی چال

حُوروں کو بھول جائیں گی محشر خرامیاں
گر دیکھ لیں گی اُس صنمِ سحر فن کی چال

یاروں نے کیں اگرچہ بہت خوشخرامیاں
سو جھی مگر نہ تُرکی نازک سخن کی چال

ردیف میم

رخ ترا کب ہے شمعِ طور سے کم
چشمِ فتاں نہیں ہے حور سے کم

سنکے کہتی ہے خلق مجکو نہیں
تیرا نالہ صدائے صور سے کم

غمِ جاناں سے میرا جسمِ نحیف
وزن میں اب ہے پائے مور سے کم

مجھکو پہچانتا عدو کیوں کر
نظر آتا ہے اوسکو دور سے کم

مانگیں اُس وقت غیر سے تُرکی
ہم کو ملتا ہو جب حضور سے کم

ہم کو نہ ہے زمیں کا نہ چرخِ کہن کا غم
رہتا ہے روز و شب مگر اُس سیمتن کا غم

ولہ

یوں آہ سے میری ہوا دشمن کا جگر گرم
جیسے کہ تپِ کہنہ سے ہو جاتا ہے سر گرم

کرتے مجھے وہ نرگسِ فتاں سے مگر گرم
ہوتی کبھی تاثیر جو بادام کی تر گرم

حسّاد کے دل رشک سے ہو جاتے ہیں ٹھنڈے
جب بزم کو کرتا ہے مرا نغمۂ تر گرم

نکلے گی تفِ آہ جو یوں میرے دہن سے
مانندِ جہنم مرا ہو جائے گا گھر گرم

رفتار نہیں پہلے سے تری برق کی مانند
اب ہو گئی گفتار بھی اے رشکِ قمر گرم

ہر چند ٹھنڈی مرے اشعار کی بندش
حاسد کا جگر کر دیا محفل میں مگر گرم

اے چرخِ ستمگر اُسے ٹھنڈا نہ سمجھنا
آہِ دلِ تفتیدہ کا ہوتا ہے اثر گرم

یوں جلکے مرا سینہ کبھی خاک نہ ہوتا
ہوتی نہ جو اوس شوخ کی تاثیرِ نظر گرم

شاید کوئی دل سوختہ اس رہ سے گیا ہے
مانندِ سقر ہے جو تری راہ گذر گرم

جل جاؤں گا برگِ گلِ عارض کی اثر سے
ہوتا ہے کہ تاثیر میں برگِ گلِ تر گرم

غصہ سے وہ دیتے دُرِ دنداں کہیں بوسہ
ہو ٹھوں پہ مرے رکھتے ہیں کر کے گہر گرم

ٹھنڈے بھی مرے شعر ہیں اور گرم بھی تر کی
اس واسطے کہتے مری معنی کو ہیں تر گرم

یوں لڑکھڑاتے ہیں ترے بیمار کے قدم
جیسے کہ جوشِ بادہ سے میخوار کے قدم

اُٹھتے نہیں ہیں عاشقِ بیمار کے قدم
چومیں وہ کس طرح فرسِ یار کے قدم

دل بستہ ہیں جو کاکلِ پرچینِ یار کے
لیتے ہیں جا کے آہوئے تاتار کے قدم

اکدن تو میرے فرق پہ بدلے زمین کے
پڑ جائیں کاش یار کے رہوار کے قدم

اللہ رے غرور کہ ترکی دم خرام
ٹکتے نہیں زمین پہ زردار کے قدم

لے وہ بت اپنے آشنا کا نام — حضرت شیخ لو خدا کا نام ہے
یاد ہے زلفِ دلربا کا نام۔ ہے — بھولتا کب ہے اس بلا کا نام
نام یاد آتا ہے جب اس بت کا — بھول جاتے ہیں پھر خدا کا نام
آزما کر کسی نے رکھا ہے — بیوفا یار پر جفا کا نام
سخت دل تھا عدو مگر شبکو — ڈر گیا سنتے ہی قضا کا نام
یاد رہتا ہے غیر کا اوس کو — بھول جاتا ہے آشنا کا نام
ہو گیا گم ہے اس زمانہ میں — الفت و مہر اور وفا کا نام
سامنے میرے غیر سے ایما۔ — پھر نہ لینا کبھی حیا کا نام
مجھ سے نفرت رقیب سے الفت — پھر نہ لینا کبھی وفا کا نام
عاشقِ روے حورِ خلد بریں — میں نے رکھا ہے پارسا کا نام
بھاگتا ہوں حرم سے جانبِ دیر — سُنکے شیخانِ باریا کا نام۔
خاکپاے جناب غوث علے — ہے یہی میرا ابتدا کا نام
آگئی جان شوق سے لب پر — نام مرشد سنکر اوس یار بیوفا کا نام
حل مشکل کے واسطے ہم نے — آزمایا ہے مرتضےٰ کا نام۔

عہدِ پیری میں بیٹھکر ترکی
کنج عزلت میں لو خدا کا نام

حسود کو مرا رنگ سخن نہیں معلوم — یہ کور ہے اسے راہ چمن نہیں معلوم

پڑے ہیں کوچۂ جانانمیں ایک مدت سے
وطن تو کیا ہمیں نام وطن نہیں معلوم

کبھی تو سیر کو آتا وہ اس طرف لیکن
ہمارا یار کو بیت الحزن نہیں معلوم

ہوا ہے غصّہ سے کیوں سرخ عارضِ سیمیں
یہ کیوں پڑی ہے جبیں پر شکن نہیں معلوم

نشان اوس کا ملیگا ہمیں کہاں ترکی
جب اوس پری ہی کو اپنا دہن نہیں معلوم

مست ہو جائیں گے جسدم بادۂ احمر سے ہم
زیب دیں گے شعر کو مضمون کے زیور سے ہم

گر دلِ مضطر نہ کرتا حشر نالو سے بپا
کیوں نکالے جاتے ای مجنوں صفِ محشر سے ہم

اس قدر معشوق و عاشق ملکے کب ہوتے ہیں شاد
جس قدر ملکر ہوئے خوش یار کی خنجر سے ہم

ہیں ہماری یہ کنیزیں دونوں اُردو فارسی
کہہ چکے ہیں بارہا کمتر سے اور برتر سے ہم

چھیڑتے ہیں تب فسانہ زلف عنبر فام کا
پاک کر لیتے ہیں مونھ کو جبکہ مشک تر سے ہم

مار زلفِ یار سے ہی ربط اک مدت سے کب
حضرتِ موسے ڈریں گے آپکے اژدر سے ہم

آگیا آدم کا جنّت سے نکلنا ہم کو یاد
کل نکلوائے گئے جب کوچۂ دلبر سے ہم

بیٹھ ہی جاتے ہیں جاکر دیر ہو یا خانقاہ
اُٹھتے ہیں کچھ فیض لیکر مومن و کافر سے ہم

زندگی باقی ہے گر ترکی تو حق کی فضل سے
مل ہی جائیں گے کبھی پھر حضرتِ اختر سے ہم

ہے بُرا ہی جو کوئی اوسکو بھلا کہتے ہیں ہم
دشمن جاں کو بھی ترکی آشنا کہتے ہیں ہم

سر نہ کھاؤ چپ رہو پہلے ہی کہدیتے ہیں وہ
اپنا اُن سے جب کبھی کچھ ماجرا کہتے ہیں ہم

جان عشاق اوسکی خشش سی ہوا ہو جائیگی
زلف جاناں کو نہ ہونا ای صبا کہتے ہیں ہم

کچھ تو دلمیں منصفی اپنے بھی کرنی چاہیئے
گالیاں دیتے ہو تم اور مرحبا کہتے ہیں ہم

رندشاہد باز ہیں گو حضرتِ ترکی مگر
اون کو اپنا پیشوا اور رہنما کہتے ہیں ہم

ہو جاتے ذبح مفت میں تیغ نظر سے ہم
بچکر نکلتے گر نہ تری رہگذر سے ہم

کردیں گے تیرہ مثل شب تار بیگماں
صبح وصال غیر کو دودِ جگر سے ہم

گر چھوڑ دیگا دشنۂ چرخ کجی پسند
جا بر نہوں گے یار کی تر چھی نظر سے ہم

درماں اس کا کیجئے نہ کر نہ ٹالئے
تنگ آگئے ہیں اب تو دلِ نوحہ گر سے ہم

نام و نشاں ہی آکے کوئی پوچھتا نہیں
بیٹھے ہیں آستانے پر اُسکے سحر سے ہم

تھا قصد کچھ کہیں گے مگر ہو گئے پھر آج
صورت کو اوسکی دیکھکے کچھ بے خبر سے ہم

کاہیدہ اس قدر ہیں کہ نالو دہ ہو گئے
ترکی لپٹ کر اُس بتِ نازک کمر سے ہم

ردیف النون

مجکو جینے کی خوشی اور خوف مرنیکا نہیں
میں بجز خالق کبھی خلقت سے ڈرنیکا نہیں

کتنا بیڈر ہے مرا قاتل کہ کہتا ہے مجھے
خون سے میں تیرے محشر میں مکرنیکا نہیں

میں تو کرتا جا بجا اوس کی جفاؤں کا گلہ
پر کروں کیا ہر جگہ یہہ ذکر کرنیکا نہیں

ذبح ہو جاؤں گا میں لیکن تماشے کیلئے
بام سے وہ مہ لقا نیچے اُترنے کا نہیں

مجکو درد عشق سے منظور ہے مرنا مگر
پانوں پر عیسے کے سر اپنا میں دھرنیکا نہیں

میں دم مردن سنبھل بیٹھا تو وہ کہنے لگے
ہے بڑا یہ سخت جاں کم بخت مرنیکا نہیں

میرے مسکن کا پتہ گر ملگیا ترکی اُسے
پھر کبھی اُس رہگذر سے وہ گذرنیکا نہیں

میں نے جب سے اُس پری رُو کو ہی دیکھا خواب میں
پھر کسی شب بھی مہِ کنعاں نہ آیا خواب میں

ایک ترسا زادہ کا جس روز سے عاشق ہوں میں
ہے نظر آتا مجھے ہر شب کلیسا خواب میں

غزلہ

زلف اُس پری کی کاکلِ لیلیٰ سے کم نہیں
سودا ہمارا قیس کے سودا سے کم نہیں

مردوں کو زندہ کرتے ہو وقت خرام ناز
رفتار آپ کی دمِ عیسیٰ سے کم نہیں

محفل کو بیخود ایک ہی گردش میں کر دیا
تیری نگاہ مست بھی صہبا سے کم نہیں

منزل کڑی ہے دیر نہ اے ساربان کر
صحرا ہمارا قیس کے صحرا سے کم نہیں

جیکے نہیں ہیں دیدۂ باطن کھلے ہوئے
ترکی مری نظر میں وہ اعمیٰ سے کم نہیں

فرقت کی رات روز قیامت سے کم نہیں
مرتا نہیں ہوں میں یہ کرامت سے کم نہیں

میں نے یہ کب کہا ہے کہ تمثال دو بتاں
اُس سرو خوشخرام کے قامت سے کم نہیں

ساقی بنایا غیر کو محفل میں اُسنے رات
یہہ بھی تو میرے حق میں ندامت سے کم نہیں

تنہا نماز پڑھتا ہے جو با حضور قلب
اوس کا قیام بھی تو امامت سے کم نہیں

ترکی ہیں ریختہ میں مری باسخ اُستاد
اُردو مری سلیم ہر دو سلامت سے کم نہیں

میری آنکھوں کی اگر کوئی دوا ملتی نہیں
خاک کوئے یار بھی کیا اے صبا ملتی نہیں

دست و پای سیمگوں پر چاہئے مہندی نگار نگ
خون عاشق ہی لگا لو گر حنا ملتی نہیں

دربدر پھرتی ہے ماری جبہ سائی ہی رہتی ہے دور
ہے کوئی باعث کہ جو مجکو قضا ملتی نہیں

کم کہاں اکثیر سے ہے مرد کامل کی نظر
ہے غلط کہتے ہیں جو یہہ کیمیا ملتی نہیں

کھینچ اے بہزاد مجنوں کے عوض میری شبیہ
میری صورت قیس کی صورت سے کیا ملتی نہیں

ٹھہرہ گیا ہے جو اُس کا سُن لیا ہے جیسے یہ
خوب رویوں کو سزا روزِ جزا ملتی نہیں

ابتدائے عمر میں نکلے تھے ہم ترکی مگر۔
منزلِ مقصد کی اب تک انتہا ملتی نہیں

ہیں معانی کے مری جیب میں گوہر پنہاں
میرے ہر شعر میں مضمون کے ہیں دفتر پنہاں

یوں دہن میں ہے ہمارے لبِ دلبر پنہاں
جس طرح شیر میں ہو جاتی ہے شکر پنہاں

میں جہاں کہتا ہوں اُس بُت کا تصور لیں
لعل کو رکھتا ہے جسطرح کہ پتھر پنہاں

یوں ہے پوشیدہ تری آنکھ میں خونریز نگاہ
جسطرح ہو کفِ فصّاد میں نشتر پنہاں

کر دیا اُس کو عیاں زلفِ معنبر نے تری
ورنہ تھی آج تلک معدنِ[1] عنبر پنہاں

ہیں ترے نوش لبا کام و دہن کے اندر
چشمۂ آبِ بقا چشمۂ کوثر پنہاں

کوئے اعدا سے میں شب کو نکل آیا مخفی
اسطرح جیسے کہ مکّہ سے پیمبر پنہاں

میرا عنقائے خیال اے دلِ معنی گستر
رہتا ہے دیدۂ اغیار سے اکثر پنہاں

دیکھکر قامتِ جاناں کو چمن میں ترکی
ہو گیا دامنِ گل جیب میں صنوبر پنہاں

زلفِ دلدار ہے بلا تو نہیں۔
نگہۂ یار ہے قضا تو نہیں؟

ناخدا کی ہمیں ہے کیا پروا
ناخدا ہے مگر خدا تو نہیں۔

ہے نسیمِ بہشت ای رضوان
اوسکے کوچہ کی یہ ہوا تو نہیں

نامہ بر سچ بتا خدا کے لئے۔
مجھ سے وہ خوش ہی کچھ خفا تو نہیں

ادب اتنا کرو نہ ترکی کا
وہ ہے اک رندِ پارسا تو نہیں

[1] معدن در کلام اہل ریختہ مؤنث و مذکر ہر دو آمدہ

آگے تری آنکھوں کے صنم خو کی آنکھیں
ایسی ہیں کہ جیسی ہوں کسی کور کی آنکھیں

اُس وقت کہیں اُس بُتِ مغرور کی آنکھیں
جب بند ہوئیں عاشقِ رنجور کی آنکھیں

بے نشہ ہیں اُس بُتِ مغرور کی آنکھیں
شیخ ایسی ہیں جیسے کہ ہوں مخمور کی آنکھیں

میں بھول گیا چشمِ غزالانِ ختن کو
کل دیکھکر اک آہوئے لاہور کی آنکھیں

یوں شیخ کے چہرہ پہ نظر آتی ہے عینک
جیسے کسی اندھے کے ہو بلور کی آنکھیں

ساقی ہیں تری سیم کی کافور کی گردن
رخسار ہیں غلمان کے اور حور کی آنکھیں

کیا کوئی سمائے مری نظر و نمیں کہیں نے
دیکھیں ہیں علی اوسط مغفور کی آنکھیں

کیونکر وہ گرفتار ہوا دام میں زن کے
روشن نہ تھیں کیا بلعم باعور کی آنکھیں

گرتا وہ کہاں چاہ تیخ تیں جو ہوتیں
قدموں کی طرف منعم مغرور کی آنکھیں

میں ڈھونڈتا تا نزدیک کے نصوں نہیں کی
حق نے مجھے بخشی ہیں بہت دور کی آنکھیں

اچھا نہ کہے گا نہیں دل آرا کا دشمن
دشمن ہے وہ اپنا ہی جو ہے یار کا دشمن

ولہ

انساں کا ہے یوں کیسۂ زر جان کا دشمن
ولہ
جس طرح کہ شیطان ہے ایمان کا دشمن

وہ بوے عنبر سارا ہے تیرے بالو نمیں
کہ دھوم جسکی ہے تاتار کے غزالو نمیں

نہ سر بلند دل میں سمجھو نہ ذی کمالو نمیں
شمار مجکو کر و اپنے پاے مالو نمیں

پری رخوں میں ہے ایسی نہ خوش جمالو نمیں
وہ سرخی اُن کے جو ہے گو یہ گوری گالو نمیں

فلک تو ارک طرف عرش تک ہلا دیتے
اثر ذرا بھی جو ہوتا ہمارے نالو نمیں

ہے ترک غمزۂ چشمِ بتاں وہ قلب شکن
کہ مثل جسکی نہیں بیدل اور رسالو نمیں

یہی ہے ڈر کہ شبِ وصل بھی وہ رشکِ قمر
سحر نہ کردے کہیں حیلے اور حوالو نمیں

مرا کمال تو دیکھو کہ ہو کے لاہوری
غزل میں بیٹھکے پڑھتا ہوں دہلوی الو نمیں

خدا حرام کرے مجھ پہ نعمتِ عقبیٰ
نہیں ہوں شاد کے گر میں حلالو نمیں

یہ کی تلاش کہ گم ہو گیا میں خود لیکن
نہ مسجدوں میں ملا اور نہ وہ شوالو نمیں

جو دیکھا چیر کے سینہ ترے شہیدوں کا
بجائے آب لہو تھا جگر کے چھالو نمیں

کرے گا چشم تراب کون میری میت پر
کہ ایک بھی نہیں باقی ہے رونیوالو نمیں

جو دیکھ لیتے چمن میں ترا قدِ بالا
یہہ سرکشی کبھی رہتی نہ نونہالو نمیں

عروسِ دہر کو ہرگز نہ موفہ لگا ترکی
دہن دریدہ یہہ قحبہ ہے پیرزالو نمیں

مے پیکے ہوئے مجھ سے وہ شب دست و گریباں
یوں پہلے ہوا کرتے تھے کب دست و گریباں

پہلے تو ادب کرتے تھے ہر ایک کا لیکن
ہو جاتے ہیں ہر اک سے وہ اب دست و گریباں

جب پھیرتے ہیں غیر تو مجھ سے وہ چھڑ کر
ہو جاتے ہیں خجلت کے سبب دست و گریباں

کم ظرف جو ہوتے ہیں تو ہو جاتی ہیں باہم
پیکر قدح خون عنب دست و گریباں

کل عرس میں ناصر کے ہوئی خوب ہی باہم
دو چار مغل اور عرب دست و گریباں

اغیار کھڑے دیکھتے تھے در سے تماشا
خلوت میں ہوئی مجھ سے وہ جب دست و گریباں

ترکی کوئی تجھ سے ہی خطا ہوتی ہے صادر
یوں ہوتے ہیں بیوجہ وہ کب دست و گریباں

دلِ فگار ہے مضطر تجھے خبر ہی نہیں
ہے جانِ زار لبوں پر تجھے خبر ہی نہیں

ولہ

قامتِ یار کو ہم سروِ چمن کہتے ہیں
خال کو نافۂ آہوئے ختن کہتے ہیں

پھانسی دیدوں میں انہیں یا تھہ جو لگ جائیں ترے
تیرے گیسو کو جو ریشم کی رسن کہتے ہیں

چادرِ ماہ جو آتی ہے شبِ غم میں نظر
اوس کو سب عاشقِ بیمار کفن کہتے ہیں

میر محبوب علی خاں ہیں جو آصف مشہور
اون کو پریوں میں سلیمانِ دکن کہتے ہیں

زالِ دنیا کی جو کرتا ہے اطاعت ترکی
زن مرید اسکو سبھی شیخِ زمن کہتے ہیں

غیر کے قرب میں اور ہم سے پرے بیٹھے ہیں
ہم بھی اب سر کو ہتیلی پہ دھرے بیٹھے ہیں

کیوں ستاتے ہو کہ پہلے ہی سے ہم محفل میں
مثلِ فوارہ پُر آب بھرے بیٹھے ہیں

وله

ترے جور و ستم ہم کب تلک اے آسماں دیکھیں
کہاں تک ہم ترے ہاتھوں سے مرگِ دوستاں دیکھیں

دکھائے ہمکو عالم میں نہ وہ دن ایزدِ باری
کہ اپنی آنکھ سے ہم شامِ مرگِ دوستاں دیکھیں

جلائیگی تری فرقت دلِ بیتاب کو کب تک
کہاں تک سرد مہری ہم تری اے مہرباں دیکھیں

سر رہ ایک مدت سے ہیں اس امید پر بیٹھے
کہ شاید یار کی کشور کا کوئی کاروان دیکھیں

نہیں ملتا سراغ اوس کا بہت کی جستجو ہم نے
تمہیں اے خضر فرماؤ کہ اب جا کر کہاں دیکھیں

رہیں جیتے کہ مر جائیں مگر ہے آرزو دل میں
کہ موسے کی طرح جلوا ترا جانِ جہاں دیکھیں

خدا وہ دن دکھائے ہمکو اے تمکی کہ آنکھوں سے
میر ہم روضۂ پاکِ رسولِ انس و جاں دیکھیں

کرتے ہیں ناشناس ہی صاحب سخن کا خوں
ہوتا ہے قدرداں سے کہاں اہلِ فن کا خوں

ہو جائیگا دوچار تو کر دیگی ایک دن
تیغِ نگاہِ یار غزالِ ختن کا خوں

ولہ

وہ ہے گر آغوش میں پھر حور کی حاجت نہیں
اوسکی خلوت میں چراغ طور کی حاجت نہیں

اس جگہ ہر رند کہتا ہے انا الحق دمبدم
میکشوں کی بزم میں منصور کی حاجت نہیں

ہے مرے مدت سے یہ بار دنیا دنی
اب میں خود مزدور ہوں مزدور کی حاجت نہیں

ہے مرے بیت الحزن میں جلوہ گر وہ اب مجھے
شمع روشن اور مہ پرنور کی حاجت نہیں

کر دیا ہے سب کو بیخود تیری چشم مست نے
بزم میں اب بادۂ انگور کی حاجت نہیں

ہمنشیں لیجائیگا مجکو بہا کر سیل اشک
میری میت کو کفن اور گور کی حاجت نہیں

ہو گیا ہے میرا مشہد کوی جاناں کے قریب
ہتی زمین طوس دور اب دور کی حاجت نہیں

مل گیا گلگشت کو باغ دکن ہی اب مجھے
گلشن کشمیر اور لاہور کی حاجت نہیں

کشتۂ تیر نگاہ یار ہوں ترکی مجھے
اب دم شمشیر اور ساطور کی حاجت نہیں

تیغ نے تیری پیا جیسے مری گردن کا خوں
اس طرح پیتا نہیں دشمن کسی دشمن کا خوں

پی لیا گو تیغ نے تیری مری گردن کا خوں
خون کا شاہد مگر ہے یہ تری دامن کا خوں

فصل گل سے پیشتر ہی دیکھ لی باد صبا
کر دیا صیاد نے ہر طائر گلشن کا خوں

یار معنی آشنا تیغ قلم سے اس طرح
کرتے ہیں خون مضامیں جس طرح دشمن کا خوں

کوی جاناں میں ہے ہتیاروں مارا ترکی لہو
ہو رواں تیرے مقتل میں بھی ہر نالے کا خوں

یار کے کوچہ میں جانا بار بار اچھا نہیں
اشتیاق اتنا بھی قلب بیقرار اچھا نہیں

وصل اچھا ہے غم ہجران یار اچھا نہیں
موت بہتر ہے بگرچہ انتظار اچھا نہیں

فاش کر دیتا ہے سُنکر سرِ پنہانی رقیب
آپ کا اے مہرباں یہہ رازدار اچھا نہیں

طبع گر موزوں نہیں پھر علم سے حاصل ہو کیا
وہ فرس چلتا ہے کم جس کا سوار اچھا نہیں

پاک کر گردِ ملالت سے دلِ نازک کو جلد
اس قدر آئینہ پر رہنا غبار اچھا نہیں

دیکھکر کہتا ہے میرے جسم اور صحرا کو وہ
یہہ شکار اچھا نہیں یہ مرغزار اچھا نہیں

جس سے سنتے ہیں یہی سنتے ہیں ترکی رات دن
آجکل اس شہر میں کچھ کاروبار اچھا نہیں

کب سنتے ہیں وہ عاشقِ خونبار کی باتیں
خوش آتی نہیں اُن کو دلِ افگار کی باتیں

جب کرتے ہیں وہ ابروِ خمدار کی باتیں
جانا ہوں سمجھتے میں کہ ہیں تلوار کی باتیں

کہنا نہ کبھی اُن سے دمِ وصل دلِ زار
دردِ سحر ہجر و شبِ تار کی باتیں

آشفتہ ہوئی سنکے وہ کیا کاکلِ مشکیں
آہوتے جو کیں نافۂ تاتار کی باتیں

مجھکو تو زباں ہی وہ نہیں کہولنے دیتے
سُن لیتے ہیں لیکن لبِ اغیار کی باتیں

مجھکو کسی عاشق کی سُنا شیخ حکایت
میں سنتا نہیں کافر و دیندار کی باتیں

پیکر کبھی کہنا نہ کچھ اُس شوخ سے ترکی
باور نہیں کرتا ہے وہ میخوار کی باتیں

ہیں تلخ حسینانِ سمن قند کی باتیں
شیریں ہیں ترے لعلِ شکر خند کی باتیں

ہیں یاد ہمیں لعلِ شکر خند کی باتیں
عطّار کیا کرتے ہیں گلقند کی باتیں

زرطشت کے ہے دین سے انکو جو محبت
پاس اُن کے نہ کیونکر کریں ہم زند کی باتیں

ہیں جاہل و نافہم مشیر آجکل اُن کے
سنتے نہیں وہ مردِ خردمند کی باتیں

کیا کاٹتا ہے تیغ زباں سے وہیں دشمن
کرتا ہوں جو میں یار سے پیوند کی باتیں

جہیز و لبِ دلدار کا کچھہ ذکر خدارا ۔ اے حضرتِ ناصح نہ کرو پند کی باتیں
جس نے نہیں دیکھا ہے مری یار کو تڑکی
وہ کرتا ہے یعقوب کے فرزند کی باتیں

اون کے در پر جو کبھی جا کے دعا دیتے ہیں گالیاں آکے وہ دو چار سنا دیتے ہیں
وہ کبھی غرفہ سے مونہہ کو جو دکھا دیتے ہیں خنجرِ ناز کے کشتے کو جلا دیتے ہیں
پان کہاتے ہیں جو وہ غیر سے لیکر ہم بھی ندی اک خون کی آنکھوں سے بہا دیتے ہیں
اون کی خلخال کی سن لیتے ہیں جسو صدا ہم بھی زنجیرِ پہ پاؤں کی ہلا دیتے ہیں
بیٹھہ جاتے ہیں کبھی جا کے جو اُنکے در پر مل کے دربان سے اغیار اُٹھا دیتے ہیں
عہد و پیماں کو مرے حرفِ غلط کی مانند صفحۂ دل سے وہ یکبارہ مٹا دیتے ہیں

گرچہ لاغر ہیں مگر نالے سے اپنے ترکی
خانۂ چرخِ ستمگار ہلا دیتے ہیں

کس سے دل بہلائیں مجنوں بھی تو ماہی نہیں دشت بندے کو خدا کے کارخانے میں نہیں
کیوں نہ پھر تنخواہ اپنی عالم بالا پہ ہو ایک پیسہ جبکہ آقا کے خزانے میں نہیں
تیرے کوچہ سے جب اُٹھہ جاتا ہوں کہتی ہے خلق آج بلبل کا پتہ کیوں آشیانے میں نہیں
کہتے ہیں وحشت زدہ مجکو حکایت تیری درد ہے جتنا وہ مجنوں کے فسانے میں نہیں
منزلت ہے جس قدر سنگِ درِ دلدار کی وہ بزرگی کعبہ کے بھی آستانے میں نہیں
مجکو یہہ سودا کہ یکتا ہوں وفاداری میں ان کو یہہ دعوے حسیں مجھہ سا زمانے میں نہیں
آتشیں نالے ہمارے جس قدر ہیں جانگداز تیزی اتنی نارِ دوزخ کے زبانے میں نہیں
سامعیں کہتے ہیں ترکی تیری نغمہ میں مزا جس قدر ہے وہ غنا دل کی ترانے میں نہیں

چاک وحشت سے ہے یوں میری قبا کا دامن
پارہ جس طرح کہ ہوتا ہے گدا کا دامن

ولہ

صبح فراق کھا گئی لخت جگر کا خون
اب شام غم پیئے گی مری چشم تر کا خون

ہیں بند کر کے شیشہ میں اب بھیجنے لگے
خط کے جواب میں وہ مجھے نامہ بر کا خون

صیاد کی چھری سے ہوا ایکدن نہ حیف
یارب شب وصال میں مرغ سحر کا خون

کرتے ہیں خون باپ کا اس عہد میں پسر
شیرویہ نے کیا تھا کہ جیسے پدر کا خون

رنگیں ہوئی ہے کیا ہی بہار بر نگ گل
شمشیر یار تر کی خونیں جگر کا خون

تصور اوس کا ہے ایسا نظر کے پردے میں
کہ جیسے پتلی ہے اس چشم تر کے پردے میں

جو آیا خواب میں شبکو تو مثل دل اوسکو
چھپا کے رکھ لیا لخت جگر کے پردے میں

درم کو رکھتا ہے منعم بغل میں بوں مخفی
کلاغ بیضہ کو جیسے کہ پر کے پردے میں

نہاں ہے دامن افلاس میں مرا یوں فضل
ثمر ہو جیسے کہ برگ شجر کے پردے میں

دل وجگر میں ہے علم اپنے جس طرح روی
نہاں ہوا برد اور آستر کے پردے میں

ترے بھی عیب کی ہو جاتی شہرت اے منعم
نہاں نہوتا جو وہ قرص زر کے پردے میں

ہے نور نظم نہاں دل میں میری یوں جیسے
شعاع مہر ہے جیب سحر کے پردے میں

نشانہ ہو گیا تیر مژہ کا آخر دل
چھپا نہا سینہ کی گو وہ سپر کے پردے میں

چھپیگا عیب نہ ہرگز کہ بوی زشت کبھی
نہیں ہے رہتی نہاں مشک کے پردے میں

ہمارے قلب میں یوں ہے گناہ کا دھبہ
کہ جیسے داغ ہے نور قمر کے پردے میں

مرے ہی یار کے ہونٹوں کی شرم سے ترکی
چھپا ہے لعل بدخشاں حجر کے پردے میں

میں یہہ پڑھتا ہوں وہ جب تی ہیں خوں ثُمَّ اَنتُم هٰؤُلَاءِ تَقتُلُونَ
عہد کر کے کس لئے پھرتے ہو آپ ثُمَّ اَقرَرتُم وَاَنتُم تَشهَدُونَ
یاد رآ و میم و لام و واو نون یاد رکھہ جہہ ہیں یہہ حرف یہ ملون

وله

دیکھوں کیونکر کہ نہیں یار کے گھر میں روزن نہ تو دیوار میں روزن ہے نہ در میں روزن
یوں کیا ناوک مژگاں نے جگر میں روزن جیسے کر دیتے ہیں منقب سے گہر میں روزن
پڑ گیا خطِ سیہ سے لبِ تر میں روزن کر دیا چونٹیوں نے تنگ شکر میں روزن
تا سحر یار کی چوکھٹ پہ جو پٹکا میں نے مثلِ غربال مرے ہو گئے سر میں روزن
بند ہوتے ہی نہیں چشمۂ کوثر کی طرح ہو گئے ہیں مرے کیا دیدۂ تر میں روزن
یوں کیا سینہ میں اُس بُت کی نظر نے سوراخ تیر کر دیتا ہے جیسے کہ سپر میں روزن
یار کو دیکھہ نہ لے گھر میں مرے غیر کبھی میں نے رکھا نہیں دیوار نہ در میں روزن
دشمنِ اعلیٰ کا جو ادنیٰ نہ جہاں میں ہوتا پڑتا آہن سے کہاں پارۂ زر میں روزن
مژۂ یار نے یوں چھید کئے ہیں دل میں جسطرح ہوتے ہیں زنبور کی گھر میں روزن
دیکھتے یار کو ہم سیرِ چمن کی کرتے نظر آتا جو کوئی باغ کے در میں روزن
ناتواں خصم سے بھی چاہئے ڈر کر رہنا کر دئے سیکڑوں دیمک نے حجر میں روزن

لاتا پاسخ مرے مکتوب کا جلدی تر کی
گر نہ کر دیتا کبوتر کے وہ پر میں روزن

لکھوں اعدا کی شکایت یہ مجھی تاب نہیں حیدرآباد ہے یہہ خطۂ پنجاب نہیں۔

وله

گھر کر گئی ہے زلف معنبر مرے دلمیں
بُت خانہ بنائے گی یہہ کافر مرے دلمیں

گیسو نے لیا جان کو پھندے میں پھنسا کر
مارا نگہہ یار نے خنجر مرے دلمیں

دن بھر تو وہ اغیار کی محفل میں مِرے ہیں
راتوں کو مگر سوتے ہیں آکر مرے دلمیں

آجائیں گے گر وہ تو سناؤنگا شبِ وصل
ہے ہجر کا لکھا ہوا دفتر مرے دلمیں

پہلے تو رہا کرتے تھے آنکھوں میں ہمیشہ
اب بیٹھتے ہیں آکے وہ اکثر مرے دلمیں

غیروں سے وہ جب آنکھہ لڑاتے ہیں سرِ بزم
چبھہ جاتے ہیں کیا رشک کے نشتر مرے دلمیں

ہیں بیٹھتے ترکی وہ رقیبوں سے بگڑ کر
آنکھوں میں کبھی اور کبھی آکر مرے دلمیں

جس نے دیکھیں ہیں ہمارے دستانکی اونگلیاں
وہ کہاں دیکھے گا پھر حورِ جنانکی اونگلیاں

غیر کی ہوتی نہیں ہے اُسکے در پر روک ٹوک
اُٹھتی ہیں میر بیطرف ہی پاسبانکی اونگلیاں

دیکھکر مثلِ زنانِ مصرِ بحرِ حسنِ یار
کاٹ دیں یوسف نے دستِ درفشانکی انگلیاں

ٹوٹتا جسدم ہے گل کرتی ہی بلبل یہہ دعا
کٹ کے گر جائیں الٰہی باغبانکی اونگلیاں

یوسفِ مصری کے جب آتا ہی ہوٹونکا خیال
چاٹ لیتا ہو نمیں اُس شیریں دہانکی اونگلیاں

جب سے دیوانہ ہوں اک طفلِ پری رخسار کا
اٹھتی ہیں میر بیطرف پیروجوانکی اونگلیاں

جب رقم کرتا ہے ترکی وہ مری خط کا جواب
کانپ جاتی ہیں دبیرِ آسمانکی اونگلیاں

ہر غزل میری اگر آیۂ تسخیر نہیں
پھر تو یہہ سمجھو کہ اس عہد کا میں میر نہیں

میں اُٹھا سکتا نہیں ضعف کی باعث ورنہ
تیرے بالے سے تو بھاری مری زنجیر نہیں

خلق بسمل ہوئی جاتی ہے انہیں دیکھہ کر کیوں
ہاتھ میں اُنکے کوئی تیغ نہیں تیر نہیں

ایک دو روز میں گلگشت نہ ہوگی اس کی
یہہ مرا سینہ ہے کچھ گلشن کشمیر نہیں

لیلیٰ چرخ کو کر دوں گا سحر تک برہم
مثلِ مجنوں یہہ مرا نالۂ شبگیر نہیں

آتے آتے وہ پلٹ جاتے ہیں گھر سے میرے
اس سے ظاہر ہے کہ سیدھی مری تقدیر نہیں

آئینہ اور ادھر میں تفاوت ہی بہت اے ماتی
یہہ ہے یوسف کی مری یار کی تصویر نہیں

زر تھا جب پاس تو دیتے تھے جگہ آنکھوں پر
اب جو مفلس ہیں تو کرتا کوئی توقیر نہیں

فردا اعمال جو محشر میں دکھائیں گی مجھے
صاف کہدو نگا یہہ تو مری تحریر نہیں

کان رہتا ہے ہر اک شخص کا اسکی جانب
بزم میں کوئی بھی سنناٹا مری تقریر نہیں

مری تسکیں کے لئے جھوٹھ نہ بولا ای قاصد
اوس ستمگر کی تو یہہ ہاتھہ کی تحریر نہیں

پھر بھی کیوں کہتے ہیں تڑکی مجھو مرشد مرشد
نکتہ سنجوں کی اگر قوم کا میں پیر نہیں

جس نے دیکھی ہیں حنائی اس صنم کی ایڑیاں
پھر کہاں دیکھے گا وہ حور ارم کی ایڑیاں

گھستے گھستے ہوگئیں باریک کاغذ کیطرح
اک صنم کی یاد میں اہل حرم کی ایڑیاں

رحم کر اے گردش چرخ ستم پرور کہ اب
ہوگئیں کانٹوں سی چھلنی پای دم کی ایڑیاں

پھول نسریں کا سمجھکر باغباں گلزار میں
سر پہ رکھہ لیتا ہے اپنے اس صنم کی ایڑیاں

روزگار اس عہد میں ملتا نہیں ملتا نہیں
پھرتے پھرتے گھس گئیں اہل قلم کی ایڑیاں

حور و غلماں کا پسند آئیگا کب عارض ہمیں
ہم نے دیکھی ہیں بت نازک قدم کی ایڑیاں

کیا عجب ہی گل سمجھکر رکھہ لے بلبل چونچ میں
دیکھکر صحن گلستاں میں صنم کی ایڑیاں

ہے سفر تو دور کا پھر کس لئے گھستی نہیں
آتے جاتے رہرو ملک عدم کی ایڑیاں

حالگس تخت الترک کو گھستے گھستے وقت ذبح
کل ترے اک کشتۂ تیغ ستم کی ایڑیاں

یہہ غلط باندھی گئی ہیں متفق من دیکھئے
ہیں کہاں آہو کی اور شیرِ اجم کی ایڑیاں

دیکھتے مو نہہ تک نہیں ہم منعمِ مسک کا لیک
سر پہ رکھہ لیتے ہیں ہر صاحب کرم کی ایڑیاں

حورِ جنت مو نہہ دکھائیگی نہ پھر تری مجھے
دیکھہ لیگی وہ اگر میرے صنم کی ایڑیاں

برگِ گل سے ہیں سبک اُس سیمبر کی ایڑیاں
ایسی نازک حور کی ہیں نہ بشر کی ایڑیاں

چلتے چلتے کوئی جانا نہیں جو گھس جائیں گی پاؤں
میں بنالوں گا وہیں پھر اپنی سر کی ایڑیاں

ساتھہ میرے چلتے چلتے وادیٔ پُر خار میں
چہد کے چھلنی ہوگئیں آخر خضر کی ایڑیاں

کوئے جانا نکانہ ہاتھہ آیا نشاں اور راہ میں
آبلوں سے بھر گئی ہیں نامہ بر کی ایڑیاں

دیکھہ چشمِ غور سے در پر تری اے دیدہ ور
آتے جاتے گھس گئیں اہلِ ہنر کی ایڑیاں

دشتِ وحشت میں پھروں تا روز و شب کوئی مگر
میری لوہے کی بنادے یا حجر کی ایڑیاں

ماہِ کامل کا نہیں وہ دیکھتا پھر مو نہہ کبھی
دیکھہ لیتا ہے جو اُس شکِ قمر کی ایڑیاں

ٹوکنے پر بھی مرے اک بیخبر دے شعر میں
باندہ دیں جلدی سے آہو تتر کی ایڑیاں

ایسا اک بُت چاہئے میری بغل میں جسکی ہوں
سیم خالص کی کفِ پا اور زر کی ایڑیاں

دیدۂ دل جن کے روشن ہیں سمجھکر اپنا فخر
سر پہ رکھہ لیتے ہیں وہ اہلِ نظر کی ایڑیاں

کیوں نہ صانع نے بنائیں اُس بُتِ گلفام کی
انگلیاں مرجان کی اور لولوئے تر کی ایڑیاں

ہجر میں رگڑیں یہانتک نہیں آتیں نظر
میرے تُرکی مردمِ چشمانِ ترکی ایڑیاں

ہاتھہ لگ جائیگا اُس بُت کی قبا کا دامن
ہم نے پھیلایا ہے اب دستِ دعا کا دامن

باندہ دیجئے وہیں ہم جان حزیں کو اُسمیں
نظر آجائیگا گر یک قضا کا دامن

کھا گئی خاک لحد پیر و جوانکی ہڈیاں
کر گئی سب ہضم یہہ خورد و کلانکی ہڈیاں

آج بھی روکے گا بزم یار سے مجھکو اگر
پھر تو ہے میرا دہن اور پاسبانکی ہڈیاں

اے ہما کہنا سمجھ اور سوچکر ان کو ذرا
ہیں یہہ جسم عاشقان ناتوانکی ہڈیاں

نقش ہے کسکی جو پوچھا تب یہ فرمانے لگے
ہے یہ اک اپنی ہی یار مہربانکی ہڈیاں

خنجر مژگان کوچۂ دلدار ہیں بحیر حرام
اے ہما اس میری جسم ناتوانکی ہڈیاں

ہیں حسن و خاشاک کی مانند رستے میں پڑیں
اک تمہارے عاشق بی خانمانکی ہڈیاں

چرخ کر دیتا ہے دم بھر میں عدم در گرد سے
سر کی مانند پیل و پیلبانکی ہڈیاں

ریگ میں ذرے جو آتے ہیں نظر ذرّی نہیں
ہیں یہ قوم عاد کے جسم گرانکی ہڈیاں

لگ گیا تر کی شب غم میں اگر وہ میری ہاتھہ
میں چبا جاؤں گا پیر آسمان کی ہڈیاں

شب غم لای نہ سر پر مری آفت کسدن
روز فرقت نے دکھای نہ مصیبت کسدن

میرے گھر آنے کی ہوگی اسی فرصت کسدن
ہاتھہ آئے گی مجھے وصل کی دولت کسدن

ولہ

نام تک اس بیوفا کا اب تو ہم لیتے نہیں
تہک بہی جاتے ہیں تو در پر اسکے دم لیتے نہیں

مرے حق میں وہ جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
وہی اچھے ہیں کہ جو مجھکو برا کہتے ہیں

خم ابرو کو اگر لکھتے ہیں شمشیر جفا
نگہہ یار کو ہم تیر قضا کہتے ہیں۔

ایک ہی روز میں لے آتا ہی خط کا پاسخ
نامہ بر کو مرے احباب صبا کہتے ہیں

تو ہمیں گالیاں جب دیتا ہی اے شیریں لب
ہم تہ دل سے اسی وقت دعا کہتے ہیں

ہوں تو گمراہ مگر اہل طریقت مجھکو۔
پیشوا کہتے ہیں اور راہ نما کہتے ہیں

خسروِ ملکِ قناعت ہوں مگر کوری سے
اہلِ دنیا ہی دنی مجھکو گدا کہتے ہیں

مجھکو کشور ہی بُرا کہتے ہیں ورنہ ترکی
اہلِ توحید تو سب مردِ خدا کہتے ہیں

یہ کنگی چوٹی کی باتیں ہمیں پسند نہیں
وہ شعر پست ہے مضمون میں گر بلند نہیں

نگہ کے تار سے کیوں کھینچتے نہیں دل کو
دراز زلفِ دوتا کی اگر کمند نہیں

بغیر ذاتِ تو اے بے نیاز در عالم
وہ کون ہے جو کسی کا نیازمند نہیں

نہیں زمانہ میں بیدرد آپ کی مانند
مری طرح کوئی عالم میں دردمند نہیں

پڑھا ہے کس نے کہ لعلِ شکر فشانکو ترے
لکھا ہے شعر میں مینے کہ مثل قند نہیں

صباح عید مبارک ہے بہر قربانی
مجھے ہی کیجئے بسمل جو گوسپند نہیں

حسود کہتے ہیں اکثر کہ ترکی آزاد
کسی بھی مشرب و مذہب کا پابند نہیں

رُخِ دلدار کا جواب نہیں
برگِ گل میں یہ آب و تاب نہیں

لکھتے خط کا مرے جواب نہیں
پھر یہ کیا ہے اگر عتاب نہیں

یار کے حُسن کا جواب نہیں
ماہ کیا شئے ہے آفتاب نہیں

ہے پسینہ یہہ اک سمن بر کا
عندلیبِ چمن گلاب نہیں

اوس کی رحمت کی گر نہیں تعداد
میرے عصیان کا بھی حساب نہیں

شربتِ وصل سے کرو سیراب
اب جدائی کی مجھمیں تاب نہیں

مجھپہ دیتے ہو غیر کو ترجیح
آپ کا خوب انتخاب نہیں

میرے روزِ سیہ کا سایہ ہے
شبِ یلدا یہہ اے جناب نہیں

میل ہے اک پری کے شانیکا
آہوے چیں یہ مشک ناب نہیں

چشم میگون یار سے ہیں مست
ہمکو اب خواہش شراب نہیں

زمزمہ ہے یہہ میرے نالے کا
دوستو نغمۂ رباب نہیں

کیوں نہیں دیتے یار پھر پاسخ
گر سخن میرا لاجواب نہیں

لوث دنیا سے ہوگئی ہے سیاہ
ریش قاضی یہ یہہ خضاب نہیں

رشتۂ حرص جس قدر ہے دراز
طول ایسی کوئی طناب نہیں

کس لئے آج تیری محفل میں
ترکی خانماں خراب نہیں

اس طرح ملک سخن ہی اب مری تسخیر میں
ہو دل عشاق جیسے زلف کی زنجیر میں

فرق ہو کیوں کر نہ تقریر جواں و پیر میں
ہے کجی اور راستی آخر کمان و تیر میں

اسطرف کرتا ہے شاید مدعی ہی کچھ فسوں
ورنہ میرا نالۂ دل کم نہ تھا تاثیر میں

تا نہ جاں بر ہو کوئی نخچیر وہ ناوک فگن
زہر تھوڑا سا لگا دیتا ہے نوک تیر میں

میری اور مجنوں کی حالت میں تفاوت کیچہ ہیں
ہم برابر دونوں ہیں سودا میں اور تشہیر میں

کیا عجب ہی جان پڑ جائے گر اے نقاش نظم
میرے اعجاز سخن سے بلبل تصویر میں

میں سمجھکر اس کو جاہل بند کر لیتا ہوں لب
کھولتا ہے جو دہن اپنا مری تقریر میں

وہ فقط آتی نظر ہے شب کو اور یہ اندن
فرق اتنا ہے تری اور ماہ کی تنویر میں

مست ہو جاتے ہیں سنکر پھر یہ کیوں پیر و جواں
گرمی بغض نہیں شامل مری تقریر میں

کاش لیجائیں مجھے مقتل کو اس انداز سے
طوق ہو زیب گلو اور دست و پا زنجیر میں

میرا تن لاغر نہیں تجھ سی گرای مجنوں تو پھر
ہڈیاں آتی نظر ہیں کیوں مری تصویر میں

وہ ہے مردہ اور میں ہوں زندہ ای مرقدیت
ورنہ کیا ہے فرق میرے اور کلام میر میں

رکھدے ای منشئ قدرت ایک نقطہ خال کا
اوس پری رو کے خط رخسار کی تحریر میں

بچ گئے تھے جو بنائے مسجد اقصا سی سنگ
صرف وہ ہم نے کئے بتخانہ کی تعمیر میں

چاٹتا ہوں بعد کشتن ہی دہان زخم کو
کس قدر لذت ہے اُسکی برش شمشیر میں

ہوں میں ترکی اب دکن میں ورنہ ایسی ہی جلیسی تھے
اصفہان میں میرزا صائب غنی کشمیر میں

میر و سعدی کا ہم نوا ہوں میں
تکنۂ سنجوں کا پیشوا ہوں میں۔

چشم خلقت میں گو گدا ہوں میں
اپنے گھر کا تو بادشاہ ہوں میں۔

رند ہوں میں نہ پارسا ہوں میں
آشناؤں کا آشنا ہوں میں۔

نیک ہوں بد ہوں خیر جو کچھ ہوں
تیرا بندہ تو اے خدا ہوں میں۔

بعد میرے کہیں نہ ہوں گمراہ۔
بذلہ سنجوں کا رہنما ہوں میں

مر گیا تھا مگر نوید وصال
سنکے پھر زندہ ہو گیا ہوں میں

ڈر ہے یہہ کبر سے کہیں منعم
کہہ نہ دے خلق کا خدا ہوں میں

میں لپٹتا ہوں وہ سرکتی ہے
کتنا دنیا کا مبتلا ہوں میں

ایک مشفق نے یہہ لکھا تھا کل
خوب ترکی کو جانتا ہوں میں

دہر میں جو پے تعمیر کمر باندھتے ہیں
اپنا دریا کے کنارے پہ وہ گھر باندھتے ہیں

ولہ

جب اُس بت کی زلف دوتا دیکھتے ہیں
تو گردن میں دام بلا دیکھتے ہیں

شب ہجر میں شام سے صبح تک ہم — تری راہ پیک قضا دیکھتے ہیں

ولہ

شکوہ آنے کی وہ کہا کر جو قسم جاتی ہیں — اشک آ آ کے مژہ پہ مری تہم جاتی ہیں
کوچہ یار کو یوں خلد سے ہم جاتی ہیں — جسطرح اہل سقر سوئے ارم جاتے ہیں
جھوٹھ سمجھوں میں اُسے ہو جو پُرانا فقرہ — روز اک مجھکو نیا دیکے وہ دم جاتے ہیں
ایک مدت ہوئی موقوف ہے آنا جانا — نہ وہ آتے ہیں کبھی اور نہ ہم جاتے ہیں
ہم نکلتے ہیں سجود درِ جاناں کے لئے — اہلِ دیں جبکہ پئے طوف حرم جاتے ہیں
پھر اُٹھاتی ہیں جو دربان بھی توکب ہیں اٹھتے — جبکہ ہم جاکے درِ یار پہ جم جاتے ہیں
چارہ گر اسکی نہ کر فکر کہ دم ہے جبتک — دلِ غم دیدہ کے کب داغ الم جاتے ہیں
قید ہو جاتے ہیں شاید کہ پلٹتے ہی نہیں — اس جگہ سے جو سوئے ملک عدم جاتے ہیں

کچھہ تو باعث ہی کہ اب حضرت تری کی ایدوست
تیری محفل میں کئی روز سے کم جاتے ہیں

مرتے مرتے شب فرقت میں سنبھل جاتے ہیں — ملک الموت ہمیں دیکھہ کے ٹل جاتے ہیں
پھٹکار کر پڑے تری زلف کی مجنوں گھر سے — پہلے ہی فصل بہاری سے نکل جاتے ہیں
شعلۂ رشک سے محفل میں عدو شمع صفت — آتشیں سُنکے مرضا میں مرجل جاتے ہیں
پاؤں رکھتے ہی تری کوچہ میں یہ حضرت دل — طفل بیباک کی مانند مچل جاتے ہیں
پاس جاکر کہوں حال اپنا میں کسطرح کہ جب — دیکھتے ہی مجھے وہ دُور سے ٹل جاتے ہیں
یہ ستم تازہ ہے یا نو سے کہ آتے جاتے — دلِ نازک کو ہماری وہ مسل جاتے ہیں
شیخ مہ عید ہیں یا بند شریعت لیکن — پانوں رکھتے ہی تری رہ میں پھسل جاتے ہیں

پیش آئے گا وفا سے کہ جفا سے دیکھیں
آج ہم یار کے گھر پہلے پہل جاتے ہیں

نہوا کچھ بھی اثر اُسکے دلِ سنگیں کو۔
ورنہ پتھر مری آہوں سے پگھل جاتے ہیں

وصفِ لب لکھتے ہیں اُس بُت کے تنِ سیمیں کا
شعر سانچے میں ہمارے وہیں ڈھل جاتے ہیں

کیوں ہجوم اتنا ہے مخلوق کا ترکی شاہد
آج پڑھنے کو کہیں اپنی غزل جاتے ہیں

خوف ہو جس کو جان کا تیری گلی میں آئے کیوں ؟
تجھ سے نگہ لڑائے کیوں ناوک غمزہ کھائے کیوں

بزمِ صنم میں جائے کیوں رشکِ رقیب کہائے کیوں ؟
خونِ جگر بہائے کیوں بارِ الم اُٹھائے کیوں

قصرِ سخن کو چھوڑ کر خام بنا اُٹھائے کیوں ؟
گرنے کا جسکے خوف ہو ایسا محل بنائے کیوں

قصد ترے حریم کا جس نے کیا ہوائے صنم ؟
کعبہ کی رہ میں ٹھوکریں حج کیلئے وہ کھائے کیوں

جسکی بلند شان ہو جسکو عزیز جان ہو ؟
کوچہ میں تیرے آئے کیوں موت کے مونہہ میں جائے کیوں

خار کبھی چبھا نہو جسکے جگر میں ہجر کا۔ ؟
قصۂ دردِ جاں گزا عاشق اُسے سنائے کیوں

نسخۂ روئے یار کو کہتا ہو جو کتابِ حق ؟
پھر وہ حضورِ عاشقاں اوسکی قسم نہ کہائے کیوں

بیٹھے جو بزم یار میں پھر یہہ دلِ ستم زدہ ۔ ؎
نالۂ جاں خراش سے سقف فلک ہلائے کیوں
وعدہ پہ گر نہ آئے تو عاشق انتظار کش ؎
جان سے ہو کے تنگ پھر زہر فسانہ کھائے کیوں
حور ارم ہو یا پری پردہ کی جسکو فکر ہو ۔ ؎
جلوۂ حسن بام سے غیر کو وہ دکھائے کیوں
رنگ رخِ سخنوراں سنکے جسے ہو مشک ساں ؎
ایسی ثنائے زلف میں کوئی غزل سنائے کیوں
تیغ نگاہِ دلربا کہی نہیں اگر تو پھر ؎
قلب فگار روز و شب کرتا ہے ہائے ہائے کیوں
مجکو جو یار لے گئے کہنے لگا وہ تند خو ۔ ؎
ایسے نحیف و زار کو میرے مکاں میں لائے کیوں
غیر پہ میرے جیتے جی یار جو یوں جفا کرے ؎
پھر یہہ دلِ ستم طلب شک سے مر نہ جائے کیوں
جسکے قدم سے انجمن باغِ خزاں رسیدہ ہو ؎
ایسے جگر فروز کو بھیجکے خط بلائے کیوں

ترکی زار سچ بتا دیکھکر اوس نگار کو
آنکھ میں تیری اشک خوں میری طرح بھر آئے کیوں

جا کر حریم کعبہ کو ہم دیکھتے نہیں
جبتک تمہاری آ کی قدم دیکھتے نہیں

سنبل کو جا کے باغ میں ہم دیکھتے نہیں
جبتک کہ زلف یار کا خم دیکھتے نہیں

مفلس کیحالت اہل درم دیکھتے نہیں
بہو کہو نکو بہدرگ شکم دیکھتے نہیں

تو دیکھتا ہی غیر کو اور تیرے سامنے
ہم حور کو بھی تیری قسم دیکھتے نہیں

پیتا ہی چھپکے ہم سے تو اور ہم ترے بغیر
ای یار سوی ساغر جم دیکھتے نہیں

فرماتے ہی کہ دیکھیں گے تیرا نکلتے دم
کیوں اب نکلتے وہ مرا دم دیکھتے نہیں

ترکی مرے کلام کو جوش حسد سے اب
سننا تو کیا تھا اہل قلم دیکھتے نہیں

دل شہید اکی بر آئے کی تمنا کس دن
جائے گا سر سے مری عشق کا سودا کس دن

دیکھنے آؤ گے تم مجکو مسیحا کس دن
بڑہ گیا درد تو پھر ہوگا مداوا کس دن

میں نے کس روز نہ کی تیری پرستش ای بت
تیری خاطر نہ کیا طوف کلیسا کس دن

عید کے روز بھی نہ کر کے جو رکھوگے تو بہر
آپ اوڑہیں گی یہہ گوٹے کا دوپٹہ کس دن

اُس نے آکر مجھے کس شب نہ رولایا ترکی
میری آنکھوں سے نہ جاری ہوا دریا کس دن

باور نہیں کرتا ہوں میں حساد کی باتیں
بلبل کے لئے دام ہیں صیاد کی باتیں

وہ سنتے ہیں کب عاشق ناشاد کی باتیں
شیریں نہ سنے گی کبھی فرہاد کی باتیں

سُن لیگا جو اُس طفل پریزاد کی باتیں
کب یاد رہیں گی اُسے اُستاد کی باتیں

ساری نہ سنو بیٹھ کے تم رام کہانی
دو چار تو سُن لو دل ناشاد کی باتیں

کھینچا نہ گیا نقش ترے روی نکو کا
جھوٹی تھیں وہ سب مانی و بہزاد کی باتیں

سنتے رہے ہم بزم میں بیٹھے ہوئے شب بھر
اُس ترکِ ستمگار سے بیداد کی باتیں

کیا سحر ہے ہو جاتا ہے ہر شخص مقلد
سُن لیتا ہے جو ترکِ کی آزاد کی باتیں

سنتے نہیں ہم اُن سے کبھی دین کی باتیں
کرتے ہیں فقیروں سے بھی وہ کین کی باتیں
کرتے ہیں سونگھا کر وہ مجھے کاکلِ مشکیں
ماچین کی باتیں تو کبھی چین کی باتیں
صد حیف کہ غمّاز کی حاسد کی عدو کی
سنتے ہیں وہ ہر دم انہیں دو تین کی باتیں
ملتا نہیں بستر کو جنہیں ٹاٹ کا ٹکڑا
کرتے ہیں وہ ایران کے قالین کی باتیں

کرتا ہے وہ سفاک سُنا کر مجھے ترکی
شمشیر کی نیزہ کی قرابین کی باتیں

عارضِ یار پہ لہراتے ہیں گیسو دونوں
اک مسلماں کے ہیں مشتاق یہ ہندو دونوں
گھات میں رہتی ہیں میری تری ابرو دونوں
ذبح کر دیں گے مجھے پا کے یہ قابو دونوں
چشمِ دشمن سے لڑاتے ہیں نگاہیں ہر دم
مجھ سے ہی کرتے ہیں رم یار کے آہو دونوں
نقد دیں لوٹ کے لیجائیں گے اکدن میرا
تری زلفوں کے صنم یہ جو ہیں ہندو دونو
ٹوٹ جائیں نہ کہیں ٹھوکریں کھاتے کھاتے
راہ میں اوس کی مرے کاسۂ زانو دونوں
جانبِ دیرِ حرم سے مجھے لیجاتے ہیں
باندھ کر مشکیں یہ کافر ترے دو دونوں
آتشِ غم کے بھڑکنے سے مجھے پہلے ہی
خاک کر دیں گے جلا کر لبِ گو دونوں
دُر نہیں دستِ درازی کا تو پھر کیوں شب کو
باندھ دیتی ہو رسن سے مرے بازو دونوں
کافر انکھیں تری تسخیر خلایق کے لئے
سیکھتی جا کے ہیں ہاروت سے جادو دونوں
اثرِ سحرِ بیاں ناظمِ شیریں گفتار
ہو گئے فیض سے میری یہ سخن گو دونوں

بند کر دیتے ہیں محفل میں زباں شاعر کی
دم گفتار مرے لعل سخن گو دونوں
لب خود را بلعل تشبیہ دادہ

دیکھتے آکے جو اس عہد میں زندہ ہوتے
میرا انداز سخن سعدی و خواجو دونوں

نہ ملا وامق و مجنوں کو سراغ جاناں
گرچہ کرتے رہے بیحد وہ لگاپو دونوں

ہیں نہیں ہوں جو عزیز دل ہر قوم تو پھر
میرے شیدا ہیں یہ کیوں مسلم و ہندو دونوں

شعلۂ آہ سے ہو جاتے ہیں ہر شب ترکی
گرم تا بہ کیطرح میرے یہ پہلو دونوں

دل لے گئیں پہلو سے اڑا کر تری آنکھیں
رہزن ہیں فسوں گر ہیں ستمگر تری آنکھیں

ہیں خون سے لبریز ستمگر تری آنکھیں
کس کا یہہ لہو آئی ہیں پیکر تری آنکھیں

ملتی ہی نگاہیں دل عشاق پہ ظالم
غمزہ کا چلا دیتی ہیں خنجر تری آنکھیں

دشوار ہے بچنا تری شمشیر نگہ سے
ہیں قاتل عشاق ستمگر تری آنکھیں

در دیدہ نظر سے دل عاشق پہ سر بزم
مژگاں کا چھپا دیتی ہیں نشتر تری آنکھیں

کرتا ہے وہی چشم پری زاد کی تعریف
جس نے نہیں دیکھیں ہیں فسونگر تری آنکھیں

چھپ جائیگی خجلت سے در باغ جناں میں
دیکھیں گی جو حوریں دم محشر تری آنکھیں

کر دیں نہ کہیں شیخ کے غارت دل و دیں کو
کافر تری زلفیں یہہ ستمگر تری آنکھیں

ہو جاتی ہیں غصہ سی مجھے دیکھکر اب سرخ
مانند دو جام مے احمر تری آنکھیں

کر دیتیں ہزاروں ہی بپا دہر میں فتنے
پردہ سے جو ہوتیں کبھی باہر تری آنکھیں

لیجائیں گی ترکی کا بھی ایمان کسی روز
یہہ دین کی دشمن ہیں جو کافر تری آنکھیں

نہ فکرِ صوم نہ ذکرِ نماز کرتے ہیں
ثنا تری مگر اے بے نیاز کرتے ہیں

ہماری فکر یہ کیوں چارہ ساز کرتی ہیں
کہ ہم نہ خواہشِ عمرِ دراز کرتے ہیں

کبھی ہنساتے ہیں مجھکو کبھی رولاتی ہیں
عجب طرح کے وہ ناز و نیاز کرتے ہیں

گریز پا یہ کنیزک ہے کس لئے منعم
وفائے دولتِ دنیا پہ ناز کرتے ہیں

نہ بہید اپنے پرائے سے کہہ کہ صاحبِ عقل
بیاں کسی سے کہاں اپنا راز کرتے ہیں

عدو کو کہتے ہیں میری طرح فرشتہ خصال
وہ نیک و بد میں کہاں امتیاز کرتے ہیں

دو چار مجھہ سے ہی ہوتے ہیں مغبچے پہلے
سحر کو جب درِ میخانہ باز کرتے ہیں

ہمیں کریں گے غلامی سے غالباً آزاد
عدو کو آج جو وہ سرفراز کرتے ہیں

مزہ ملا ہے قناعت کا جنکو دستِ ہوس
کسیکے آگے کہاں وہ دراز کرتے ہیں

درِ فلک وہیں کر لیتے ہیں فرشتے بند
ہم اپنے نالہ کا جب کوک ساز کرتے ہیں

طوالتِ شبِ ہجر اُنسے پوچھ اے ترکی
جو صبح درغمِ زلفِ دراز کرتے ہیں

لوٹ کر اے مہ لقا عہدِ شباب آتا نہیں
پھر دوبارہ بام پر یہہ آفتاب آتا نہیں

ایک مدت ہوگئی خط کا جواب آتا نہیں
اور مجھے اس فکر میں راتو نکو خواب آتا نہیں

محتسب ہے سدرہ یا اور ہے کوئی سبب
کیا ہوا ساقی کو کیوں لیکر شراب آتا نہیں

ترک گئے ہو دو ہی دیکر کہلے دس بوسے مجھے
کم سے کم کیا تمکو دس تک بھی حساب آتا نہیں

میرے سینے پر نہیں جمتا ہے کینے کا غبار
یہہ فلک وہ ہے کہیں اسپر سحاب آتا نہیں

چاند آتا ہے نظر رخسارۂ زنگی کا خال
میرے گھر جس رات کو وہ ماہتاب آتا نہیں

آڑ میں غیروں کی باتیں غیر سی کرتی ہو کیوں
وہ تو ہے بے شرم تمکو بھی حجاب آتا نہیں

کیا وہ دو دن ہی کی تھی سب بندہ پروری دور تھے
مدعی کیوں آپ کے اب ہم کو آتا نہیں

کچھ حرم سے ہی نہیں تُرک کی ملدر آجکل
میکدہ میں بھی تو وہ خانہ خراب آتا نہیں

کہاں وہ شاخ غزالِ ختن کو دیکھتے ہیں
جو تیری زلف دوتا کی شکن کو دیکھتی ہیں

کبھی کمر کبھی درجِ دہن کو دیکھتے ہیں
ہم اُس حسین کے ہر عضو تن کو دیکھتی ہیں

کہاں وہ جا کے عروسِ چمن کو دیکھتی ہیں
جو میرے شاہد رنگیں سخن کو دیکھتی ہیں

وہ سیرِ باغ کو جاتے نہیں مگر آکر
کبھی کبھی مرے بیت الحزن کو دیکھتی ہیں

نہال نازک جاناں ہے یاد آجاتا
چمن میں جب کبھی شاخِ سمن کو دیکھتی ہیں

جنوں کا ہوتا ہے اُنکو گمان کچھ مجھ پر
پھٹا ہوا جو مرے پیرہن کو دیکھتی ہیں

عدو کو دیکھتے ہیں مہر سے وہ جب ہم بھی
نگاہِ یاس سے چرخِ کہن کو دیکھتی ہیں

وہ یاد آتی ہے آوارگی ہمیں اپنی
کبھی کسی جو غریب الوطن کو دیکھتی ہیں

میں داخل اُنکے شہیدوں میں گر نہیں تُرکی
تو پھر وہ کیوں مرے خونیں کفن کو دیکھتی ہیں

جو ہے زہر آبِ چشمِ مدعی میں
کہاں وہ سم ہے ہیر یکی کنی میں

رہے برسوں تک اُسکی جب گلی میں
ہوا شہرہ ہمارا عاشقی میں

ستم ہے یہ کہ عرضِ مدعا کو
اُڑا دیتے ہیں وہ اکثر ہنسی میں

بیانِ روزِ غم سنکر شبِ وصل
بہت نادم ہوئے وہ اپنی جی میں

بھروسہ کیا ہے دم آیا نہ آیا
نہو غافل خدا سے زندگی میں

لگا رہتا ہے میلا واں شب و روز
یہ کس کی قبر ہے تیری گلی میں

شریکِ حق نہ کر بندے کو ناداں
تجھے کچھ دی نہیں قدرت ولی میں

نہیں سروِ چمن مثلِ قد یار پہ
تفاوت ہے شجر اور آدمی میں

نہیں پاسِ ادب کچھ بے ادب کو
وہ کہدیتا ہے جو آتا ہے جی میں

جو کر جاتا ہے کام اُس لبکا اعجاز
کہاں یہہ بات سحر سامریں میں

نہ دیکھا بعد غالب کوئی ترکی
ترا ہم پلّہ اُردو پارسی میں

دمِ بدم یار کے کوچے میں جو ہم جاتے ہیں
قتل کرنے کو عدو کہا کی قسم جاتے ہیں۔

جب کبھی ہم پئے دیدار صنم جاتے ہیں
در پہ پتھر کیطرح جاتے ہی جم جاتے ہیں

اشک آ آکے مژہ پر مری تھم جاتے ہیں
جب وہ آنیکے لئے کھا کے قسم جاتے ہیں

اب نکر فکر ہماری کہ سحر سے پہلے
ہم سوئے ملک عدم ای شب غم جاتے ہیں

مستعد جان بھی ہو جاتی ہی جانیکے لئے
وہ جو آکر کبھی کہتے ہیں کہ ہم جاتے ہیں

یہہ وہ ہے دور کہ ممسک کیطرح سائل سے
مونہہ چھپائے ہوئے ارباب کرم جاتے ہیں

میرے گھر آتے ہیں جسدن تو وہ ناحق مجھپہ
ای فلک کر کے ہزاروں ہی ستم جاتے ہیں

ہم حرم سے کبھی آجاتی ہیں مندر کیطرف
اُٹھکے مندر سے کبھی سوئے حرم جاتے ہیں

رحمتِ حق ترے قربان کہ حوروں کو لئے
سامنے شیخ کے ہم سوئے ارم جاتے ہیں

پھر کوئی چھیڑ اُدھر سے ہوئی شاید ہمدم
آجکل بزم عدو میں جو وہ کم جاتے ہیں

اس زمانہ کا سمجھکر مجھے انشا ترکی۔
چوم کر اہلِ سخن میری قدم جاتے ہیں

دیکھنے جب وہ گلستاں کی بہار آتے ہیں
ہم بھی ساتھ اور لہجے ہوئے صورت خار آتے ہیں

آج جو میری طرف ہو کے سوار آتے ہیں
آہوئے دل کو مگر کرنے شکار آتے ہیں

جب یہ سنتے ہیں کہ وہ ہو کے سوار آتے ہیں
ہم بھی اڑتے ہوئے پھر مثل غبار آتے ہیں

اور دیجاتے ہیں آکر مجھے جینے کی دعا
میری بالیں پہ عیادت کو جو یار آتے ہیں

واعظ آتے ہیں شب غم میں تسلی کیلئے
یا نصیحت کی لگانے یہ کنار آتے ہیں

چھوڑ دیتے ہیں سمجھکر مجھے لاغر بیخبر
کر کے زہ جب وہ کماں بہر شکار آتے ہیں

زندہ کرنے کا ارادہ ہے ہمارے شاید
قم جو کہتے ہوئے وہ سوئے مزار آتے ہیں

گر نہیں بھیجتے اعدا تو کہاں سے کہئے
روز گوندے ہوئے بھونکے یہ ہار آتے ہیں

گل کھلائیں گے کبھی حلق کی کانٹے بنکر
روز یہ پھول کے شیشے جو ادھار آتے ہیں

مانگتے جاتے ہیں رو رو کے دعا بخشش کی
جانب میکدہ جب بادہ گسار آتے ہیں

جان دیکر ہی نکلتے ہیں وہ ترکی کی طرح
تیرے کوچے میں جو اے کیسو یار آتے ہیں

پھر کر گئی ہے جب سے وہ صورت مری دلمیں
حیرت مری آنکھوں میں ہے حسرت مری دلمیں

ہے مومن و کافر کی محبت مری دلمیں
ہر مذہب و ملت کی ہے وقعت مری دلمیں

چھیڑوگے رقیبوں کا اگر ذکر شب وصل
کیونکر نہ پھر آئے گی کدورت مری دلمیں

کیا لیکے کروں گا میں بھلا دولت دنیا
موجود ہے جب گنج قناعت مری دلمیں

ہے دوست کا کیا ذکر کہ دشمن ہے جی اب تو
تر کی نہیں واللہ خصومت مری دلمیں

توڑنا باندھ کے پیمانِ وفا خوب نہیں
بے گنہ ہوں مرے حق میں یہ سزا خوب نہیں

چھوڑ اب بھی کہ سرِ زلفِ دوتا خوب نہیں
اس کا سودا دلِ شیدا نجدا خوب نہیں۔

گھر مرے دیدۂ تر میں نہ بنا زالِ جہاں
ڈالنی ساحلِ دریا پہ بنا خوب نہیں۔

دور رکھ مجھ سے نہ گیسوئے معنبر کی شمیم
یہہ عداوت تری اے بادِ صبا خوب نہیں

گھر سے باہر نہیں رکھتا ہوں قدم میں کہ کبھی
ہے سنا جب سے زمانے کی ہوا خوب نہیں

مرنے جو لگا عاشقِ مضطر شبِ غم میں
کوچے میں ترے لے گیا بستر شبِ غم میں

آیا نہ کبھی وہ مہِ انور شبِ غم میں۔
چمکا نہ مرے بخت کا اختر شبِ غم میں

بیدار ہی رہتا ہوں میں اکثر شبِ غم میں
ملتی نہیں راحت کبھی دم بھر شبِ غم میں

ڈرتے ہیں کہ مر جاؤں گا سینے میں لگا کر
احباب چھپا دیتے ہیں خنجر شبِ غم میں

کرتا مری بیعت وہیں اسلام کو لاکر۔
سنتا مرے نالے جو وہ کافر شبِ غم میں

مانندِ سگِ سوختہ پا غیرتِ مہتاب
تا صبح لگاتا ہوں میں چکر شبِ غم میں

مردار کے ہے خون سے بدتر نظر آتی۔
مجکو نہ دکھاؤ مئے احمر شبِ غم میں

جینے کی توقع نہیں رہتی ہے کسی کو۔
حالت مری ہو جاتی ہے ابتر شبِ غم میں

لیجاتا ہے کوئی نہ کوئی سنتا ہے اُسکو
لکھ لکھ کے میں تہ کر جاتا ہوں دفتر شبِ غم میں

وہ سنگ دل آہوں کو جو سنتا ہی نو آکر
رکھ دیتا ہے منہ پر مرے پتھر شبِ غم میں

آکر مرے دروازہ پہ اغیار کے ہمراہ۔
وہ ہنستے ہیں رونا مرا سنکر شبِ غم میں

اے ہم نفس اس کا ہے تعجب تو مجھے بھی
ہو جاتا ہوں میں زندہ جو مر کر شبِ غم میں

ہو جاتے ہیں جب تنگ تو احباب اُٹھا کر
لیجاتے ہیں مجکو ترے در پر شبِ غم میں

ہو جاتا ہے ہر موے بدن یاد میں اُسکی
پیکاں شب غم میں کبھی نشتر شب غم میں

اغیار سے شکوہ نہیں یاروں سے بھی ترکی
دیکھا نہ مرے حال کو اک شب غم میں۔

ہم بیاباں میں جو تہک کر کبھی دم لیتے ہیں
قیس سے پہلے ہرن آکے قدم لیتے ہیں

کھاتے ہیں سر کی ہماری ہی وہ جھوٹی سوگند
وعدۂ وصل کی جب اُن سے قسم لیتے ہیں

میرے گھر میں جو نہ آئیں تو نہ آئیں لیکن
اپنے گھر آنے کی بھی مجھ سے قسم لیتے ہیں

یاد آجاتا ہے سایہ تری دیواروں کا۔ پا
قصر جنّت میں کبھی جا کے جو دم لیتے ہیں

ہم کریں دل کو طلب آپ سے ممکن ہی کہاں
کوئی شے دی کے نہ پھر اہل کرم لیتے ہیں

ٹوٹ جاتا نہیں کیوں ساعد سیمیں اون کا
ہاتھ پھیلا کے جو منعم سے درم لیتے ہیں

چوم کر ہاتھ کو کہتے ہیں سلامت باشد
جب کبھی نام مرا اہل عجم لیتے ہیں۔

میں وہ دریاے معانی ہوں کہ گوہر دیکر
میرے اشعار کو ارباب ہمم لیتے ہیں۔

اپنے کوٹھے سے ترے قصر فلک رفعت کی
کیا بلائیں مری نالے شب غم لیتے ہیں

بے خبر ہیں تری شمشیر نگہہ سے شاید
بل کی زلفوں سے جو آہوئے حرم لیتے ہیں

جا کے فردوس میں وصف قد جاناں کیلئے
آج ہم حور سے طوبا کا قلم لیتے ہیں

دیکھہ لے وصل کی شب ہو کے تصدق کیا کیا
ہم بلائیں تری اے زلف صنم لیتے ہیں

خون کا کرتے ہیں میرے ہی بہ مخضر تیار
جب کبھی دست حنائی میں قلم لیتے ہیں

میں وہ شاعر ہوں کہ ہر بزم سخن میں ترکی
میرے سب اہل ہنر اُٹھکے قدم لیتے ہیں

لہ یعنی کہ دریا کے دست خود داری بلند۔

میری محفل میں جنابِ میر کی حاجت نہیں
ہو جہاں پیغمبر اوس جا پیر کی حاجت نہیں

قول ہے اُستاد کا صورت بہ بیں حالش مپرس
سامنے ہوں میں ترے تقریر کی حاجت نہیں

تیرے کوچے سے نکلکر جائے گا وہ کس جگہ
زلف کے قیدی کو کچھ زنجیر کی حاجت نہیں

خود بخود ہو جائے گا ٹھنڈا تڑپ کر دیکھنا
زخمیٔ تیغِ نگہہ کو تیر کی حاجت نہیں۔

شہر کے قاضی سے کہدو نگاہیں ترکی کرائے
ذکر ہے ہر جام اُشبہیر کی حاجت نہیں

ہر دم آکر جو نہ رونے کی قسم دیتے ہیں
آج بھی کل کی طرح مجکو وہ دم دیتے ہیں

غیر کو بادہ مجھے بادہ میں سم دیتے ہیں
پھر یہہ کہتے ہیں کہ پی جا تجھے ہم دیتے ہیں

بس یہی آکے تسلّی شبِ غم دیتے ہیں
صبح تک مجکو نہ رونے کی قسم دیتے ہیں

وہ سخی اب ہیں زمانے میں کہ سائل کو کبھی
نانِ مطبخ سے نہ کیسے سے درم دیتے ہیں

کوچۂ یار میں دیدیں ہمیں تھوڑی سی زمیں
شیخ کو کر چمنستانِ ارم دیتے ہیں۔

سامنے بیٹھکے لکھے ہی جسے زعمِ سخن
لیجئے اوسکو یہہ قرطاسِ قلم دیتے ہیں

اعتراضوں کی میں بھرمار ہوں کہ حاسدم
گالیاں خوب ہی پھر اہلِ قلم دیتے ہیں

غیر کو دیتے ہیں بھر بھر کے پیالے مے کے
ایک دو گھونٹ سے بھی ہمکو تو کم دیتے ہیں

کاش کہدیں شبِ غم میں وہ کبھی یہ مجکو
آج رونے کی اجازت تجھے ہم دیتے ہیں

غیر کے گھر میں بھی رہجا کبھی جاکر کہ تجھے
وصل کے دن کی قسم ای شبِ غم دیتے ہیں

گر نہیں کعبہ سے افضل تو ترے کوچے میں
جان کیوں آکے غزالانِ حرم دیتے ہیں

دیکھئے ظلم کہ محشر میں فرشتے مجکو۔
عوضِ کوئے صنم باغِ ارم دیتے ہیں

خط میں لکھا ہے کہ ہم آئیں گے گھر میں تیرے
دور ہی دور سے کیا کیا مجھے دم دیتے ہیں

ہو گیا گرچہ ہوں راہب مگر اب تک مجھکو
اپنی آنکھوں پہ جگہ اہلِ حرم دیتے ہیں

صلۂ شعر میں ارباب ہمم کا ترکی
دم نکل جاتا ہے گر ایک درم دیتے ہیں

غم لیل و نہار کچھ بھی نہیں
شکوۂ روزگار کچھ بھی نہیں

زیست کا اعتبار کچھ بھی نہیں
یہہ بنا پائدار کچھ بھی نہیں

جب سے پیشِ نظر ہے روزِ سیاہ
فکرِ شبہائے تار کچھ بھی نہیں

سر کے سودا کو ہے دوا سے سکوں
دل کو لیکن قرار کچھ بھی نہیں

غم و عیش زمانہ ہیچ ہیں ہمیچ
یہہ خزاں و بہار کچھ بھی نہیں

دیکھ بے حساب لوسے آج
ایک دو تین چار کچھ بھی نہیں

انتظارِ شب و سحر سے حصول
چشمِ پر انتظار کچھ بھی نہیں

اے عروسِ جہاں ترا پیماں
بخدا اُستوار کچھ بھی نہیں

حق جو چاہے گا ہو گا شیخ ہمیں
خوفِ روزِ شمار کچھ بھی نہیں

دشت میں میرے صید دل کی سوا
ناوکِ افگن شکار کچھ بھی نہیں

دوست کیا دشمنوں سے بھی ترکی
میرے دل میں غبار کچھ بھی نہیں

کبھی تو ہو گا وہ اگر دو چار رستے میں
پڑا ہوا ہوں میں مثلِ غبار رستے میں

ملیں گے چہرہ پہ اپنے سُمِ فرس کی خاک
جو مل گیا وہ کبھی شہسوار رستے ہیں

لپٹ گئے وہیں دامن سے اُسکے خار صفت
ملا جو رات کو وہ گلعذار رستے میں

نگاہ بھی نہیں کرتا مری طرف افسوس
کبھی جو بھولے سے ملتا ہی یار رستے میں

وہ گھر میں آئیں مرے شب کو کسطرح ترکی
کہ غیر بیٹھے ہے مانند مار رستے میں

زلفِ رہزن کو دیکھتا ہو نہیں
چشمِ پُرفن کو دیکھتا ہو نہیں

دلِ بسمل اُڑے نہ خون کہیں
اونکے دامن کو دیکھتا ہو نہیں

کبھی سوئے قمر کبھی اوسکے
رخِ روشن کو دیکھتا ہو نہیں

دیکھکر اپنا سینۂ سوزاں۔
جاکے گلخن کو دیکھتا ہو نہیں

اون کے پہلو سے کس قدر ہے قریب
جاے دشمن کو دیکھتا ہو نہیں

بزم میں دیکھکر صراحی کو۔
اون کی گردن کو دیکھتا ہو نہیں

کوئی جاناں سے روکتی ہیں جب
جاکے گلشن کو دیکھتا ہو نہیں

دیکھکر اُس صنم کی سخت دلی۔
سنگ و آہن کو دیکھتا ہو نہیں

جرم یہہ ہے کہ ہو کے طالب شیخ
کیوں برہمن کو دیکھتا ہو نہیں

روزنِ در پہ ہے نگاہ کبھی
کبھی چلون کو دیکھتا ہو نہیں

ترے کوچے میں جو ہوئے ہیں شہید
اون کے مدفن کو دیکھتا ہو نہیں

خطِ جاناں کو دیکھکر ترکی
مہ کے خرمن کو دیکھتا ہو نہیں

قدِ جاناں کو دیکھتا ہو نہیں
سروِ بستاں کو دیکھتا ہو نہیں

زلفِ پیچاں کو دیکھتا ہو نہیں
سنبلستاں کو دیکھتا ہو نہیں

کوئی جاناں کو دیکھتا ہو نہیں
باغِ رضواں کو دیکھتا ہو نہیں

اپنے رونے سے اور ہنسی سے تری۔
برق و باراں کو دیکھتا ہو نہیں

سو ہی جائے کہیں وہ خفتہ نصیب — چشمِ درباں کو دیکھتا ہو نہیں
کیوں جلاتی نہیں رقیب کا گھر — آہِ سوزاں کو دیکھتا ہو نہیں
دیکھکر اون کی زلف کافر کیش — اپنے ایماں کو دیکھتا ہو نہیں
بھرتا ہے دم ترا ہی اے کافر — حبسِ مسلماں کو دیکھتا ہو نہیں
نیّرِ حسن کب ترے آگے — ماہِ تاباں کو دیکھتا ہو نہیں
ان دغا باز آشناؤں کے — عہد و پیماں کو دیکھتا ہو نہیں

آمدِ فصلِ گل ہے ای ترکی
جیب و داماں کو دیکھتا ہو نہیں

تیر قضا ہے کسطرح نوکِ مژہ دکھا کہ یوں — پوچھے جو کوئی برق کو تیغ ادا بتا کہ یوں
میں نے جو پوچھا طور پر جلوہ ہوا تھا کسطرح — رُخ کو دکھا کے بام سے بولا وہ منھ چھپا کہ یوں
سنبلِ صحنِ باغ کے پوچھا جو خم ہیں کسطرح — کہنے لگا دکھا کے وہ کاکلِ مشکسا کہ یوں
میں نے جو پوچھا باغ میں کہتے ہیں پھول کسطرح — چہرہ دکھا کے یار کا کہنے لگی صبا کہ یوں
پوچھے جو تجھ سے باغباں رغِ چمن کا زمزمہ — گا کے یہہ پھر غزل مری اسکو وہیں سنا کہ یوں
پوچھا جو میں نے حشر میں کیسے تو منھ دکھائے گا — رُخ سے نقاب پھینک کر بولا وہ خود نما کہ یوں
پوچھے جو کوئی دل جلا چمکے ہے برق کسطرح — کرکے نہاں عیاں وہیں جلوۂ رخ دکھا کہ یوں
میں نے جو پوچھا شام غم آتی ہے سر پہ کسطرح — زلفِ سیہ کو کھول کر بولا وہ دلربا کہ یوں
پوچھے کبھی مسیح کا تجھ سے کوئی جو معجزا — پہلے تو مجھکو مار دے مار کے پھر جلا کہ یوں
پوچھا جو شامِ وصل میں مجھ سے ملوگے کسطرح — رکھکے قدم کو دوش پر ہم نے کہا کہ یوں
پوچھی جو کوئی کس طرح ذبح کریگا گو سپند — پہلے ہی عید سے مجھے کرکے فدا بتا کہ یوں

ترکی نے زار کو کیا ذبح جو پوچھا کس طرح
گردنِ صید کاٹ کر غیظ سے پھر کہا کہ یوں

دل لیتا ہے گیسوئے معنبر کی بلائیں
مومن یہ لیا کرتا ہے کافر کی بلائیں

تم ذبح مجھے کرتے تھے اور مر دمکِ چشم
لیتی تھیں تمہارے دمِ خنجر کی بلائیں

پہلو سے نکلکر ترے جب ہوتا ہے قرباں
پھر لیتے ہیں ہم بھی دلِ مضطر کی بلائیں

سوتا رہے کل وصل کی شب میں وہ سحر تک
لیتے رہے ہم زلفِ معنبر کی بلائیں

دیکھے گی کراک بار بھی ترکی مری جانب
لے لیں گے وہیں چشمِ فسوں گر کی بلائیں

دیکھی جو گلستاں میں بہارِ رخِ جاناں
دل ہو گیا بلبل کا نثارِ رخِ جاناں

آیا ہے مرے گھر میں وہ کاشانے سے اپنے
اشکوں سے میں دھوؤں گا غبارِ رخِ جاناں

ڈالے گی نہ پھر آنکھ پہ گل تازہ پہ بلبل
دیکھے گی کسی دن جو بہارِ رخِ جاناں

مانی نے کہا دیکھ کے نقاشِ ازل نے
کیا کھینچے ہیں یہ نقش و نگارِ رخِ جاناں

کیا حسنِ خداداد ہے ترکی کہ پڑھی اور
بوئے خطِ مشکیں سے بہارِ رخِ جاناں

دیکھیں گے شبِ تار میں ماہِ رخِ جاناں
ہالہ ہے نہیں خطِ سیاہِ رخِ جاناں

ہوتی ہے علم ابروئے خمدار کی جب تیغ
لینا دلِ پرخوں ہے پناہِ رخِ جاناں

ریحانِ خطِ سبز کو ہے رشک سے کہتا
بلبل دہنِ غنچہ گیاہِ رخِ جاناں

کہتے ہیں اُسی کو تو سویدا مرے دل کا
نقطہ سا جو ہے خالِ سیاہِ رخِ جاناں

کیا خوف ہے لکھدوں جو میں اس سخت زمیں میں
ترکی صفِ مژگانِ کو سیاہِ رخِ جاناں

ہے روکش خورشید جمالِ رخِ جاناں
روشن نہیں مہتاب مثالِ رخِ جاناں

قسمت میں ہے زلفوں کی وصالِ رخِ جاناں
ہم نے تو نہ دیکھا کبھی خالِ رخِ جاناں۔

کچھ سر میں نہیں جز سرِ گیسوئے معنبر۔
کچھ دل میں نہیں غیر خیالِ رخِ جاناں۔

اک عمر سے پوشیدہ ہیں ہم مثلِ نگاہیں
دیکھا نہیں مدت سے جمالِ رخِ جاناں

گر جائیں گے غش کھا کے کہیں طور کی مانند
کیوں دیکھتے موسیٰ ہیں جمالِ رخِ جاناں

تنویر مہ حسن کی بڑھتی رہے یارب۔
دیکھیں نہ خطِ لب سے زوالِ رخِ جاناں

لکھدیں گے جو مقطع میں تو کیا عیب ہے تر کی
شاخِ خطِ دلکش کو نہالِ رخِ جاناں

سُنکے میں ہوں گا خجل کچھ نامہ بر کہتا نہیں
حال جو گذرا وہاں وہ سر بسر کہتا نہیں

ولہ

مرگ کو ہم وصال جانتے ہیں۔
زندگی کو وبال جانتے ہیں۔

ولہ

جب معانی کے مرے موجھ سی گہر جھڑتی ہیں
شرم سے باغ میں ہر گل پہ تر جھڑتے ہیں

تیری شمشیر سے یوں لخت جگر جھڑتے ہیں
محل پر میوہ سے جیسے کہ ثمر جھڑتے ہیں

تن عشاق سی سر جھڑتے ہیں دشنے سی ترے
پنجۂ باد سے یا برگ شجر جھڑتے ہیں

شعلہ رو آج پھر آیا ہے کوئی یاد ہمیں۔
پھر ہمارے دلِ سوزاں سے شرر جھڑتے ہیں

گر نہیں کوئی یم حسن نگاہوں میں چڑھا
گوہر اشک یہ کیوں دیدۂ تر جھڑتے ہیں

پھاے داغوں کے مرے جھڑتے ہیں روز تو پھر
بعد اک سال کے کیوں برگ شجر جھڑتے ہیں

تو نے افشاں جو چنی شب کو تو کیا خجلت سی۔
انجم سقفِ فلک رشکِ قمر جھڑتے ہیں

بہر بالش نہیں چن لیتا ہے ظالم صیّاد
دام میں پہلے عنادل کی جو پر جھڑتے ہیں

شب کو بو سونگھی ہے اُس غنچہ دہن کی شاید
پھول مونہہ سے جو ترے بادِ سحر جھڑتے ہیں

پاسِ سخت سے ہو جائیگا گرم اور وہ بُت
سنگ پر سنگ جو گرتا ہے شرر جھڑتے ہیں

ابھی جا کر کسی ہمسایہ سے پوچھو تو ذرا کی
کس کی دعوت ہے کہ اغیار کے گھر جھڑتے ہیں

سناؤں قصۂ ہجراں مگر ملے بھی کہیں
میں جاؤں سر کے بل وسکی خبر ملے بھی کہیں

کہلے جو آنکہہ تو پھر ہاتھہ سے نچھوڑیں گے
مگر دلائے عروسِ سحر ملے بھی کہیں

لحد میں دفن سر و تن ملا کے کر دیتے
ترے شہید کا لاشہ مگر ملے بھی کہیں

میں اُس سے منزلِ جاناں کا پوچھتا رستہ
تلاش کرتا ہوں لیکن خضر ملے بھی کہیں

ملاتے غنچہ سے اُسکو اُسے رگِ گل سے
مگر نشانِ دہان و کمر ملے بھی کہیں

دکھاتے نوح کے طوفاں کو اِسکا جوشِ خروش
ترا کنارہ مگر چشمِ تر ملے بھی کہیں

جو بخشے ہیں مجھے حق نے ہنر دکھاؤں اُسے
مگر جہاں میں کوئی باہنر ملے بھی کہیں

جگر کے داغ دکھا دوں میں دور ہی سے اُسے
مری نگاہ سے اُسکی نظر ملے بھی کہیں

سگانِ کوچۂ جاناں کی کرتے ہم دعوت
تنورِ سینہ میں لختِ جگر ملے بھی کہیں

نہ پھر اُٹھیں گے وہاں سے بغیر نفخۂ صور
تری گلی کی مگر رہ گذر ملے بھی کہیں

اُٹھا کے لے چلی ترکی جو خط کیساتھہ مجھے
رفیق ایسا کوئی نامہ بر ملے بھی کہیں

محفل دشمن بغیر آرام وہ لیتا نہیں
اب تو بہولے سے بھی میرا نام وہ لیتا نہیں

ولہ

دکھائے گا پھر ہجر آفت کے دن
مصیبت کی راتیں قیامت کے دن

رفیقوں نے پھر لی نہ میری خبر
نظر آئے جب عیش و عشرت کے دن

زباں بند تھی کچھ نہ میں کہہ سکا
عیادت کو آئے وہ رخصت کے دن

دیت ہی یہی مجھکو کافی کہ میں
اُسے دیکھہ لونگا ہلاکت کے دن

نہ راحت میں بھولیگا یارو نکو وہ
جسے یاد ہونگے مصیبت کے دن

مجھے ٹال دیتے ہیں کہکر وہ یہہ
ملوں گا کسی وقت فرصت کے دن

غم ہجر کہتا ہے یاد آئیں گے
تجھے اب بہت عیش و عشرت کے دن

لکھا ہے بلائیں گے تجھکو ضرور
رقیبوں کے ہمراہ دعوت کے دن

جو کرنا ہے دعوے وہ کر لیجئے
ہیں وہ اک یہی زیب و زینت کے دن

بسر ہو لیو ہیں عیش میں عمر سب
الٰہی نہ دیکھوں مصیبت کے دن

کہا اپنے در پر مجھے دیکھکر
پھر آئے ہیں کیا میری شامت کے دن

مصیبت کے دن بھی گذر جائیں گے
گئے ہیں گذر جیسے عشرت کے دن

خبر دے رہے ہیں یہ موئے سفید
کہ نزدیک پہونچے ہیں رخصت کے دن

نہ برباد کر ان کو اے بے خبر
جوانی کے دن ہیں ریاضت کے دن

جو کی دیر آنے میں ہو جائیں گے
مرے ای جواں ختم رخصت کے دن

مجھے ڈھونڈتی تھی شب وصل میں
کہاں ہے اجل آج فرقت کے دن

فراغت میں ترکی تہے ہمدم بہت
مگر چل دئے سب فلاکت کے دن

عاشقِ زلفِ مشکبار ہو نہیں — آہوئے خطۂ تتار ہوں میں
کوچۂ یار کا غبار ہو نہیں — مر کے بھی خاکِ رہگذار ہوں میں
زندہ ہوں گا نہ جز نوید وصال — کشتۂ تیغِ ہجرِ یار ہوں میں
نہ گروں گا سخن کے میدان میں — رخشِ معنی کا شہسوار ہوں میں
جلد آ بھی کہیں کہ مدت سے — ہمہ تن چشمِ انتظار ہوں میں
جب سے دیکھی ہے تیری رُخ کی چمک — برق کی طرح بیقرار ہوں میں

پنجتن کا بھی ہوں محب ترکی
خُلفا کا بھی جاں نثار ہوں میں

ساقی کبھی نہ جام کی پھر جستجو کریں — مل جائے گر تو اُوک سے خالی سبو کریں
کب تک جگر کے داغ کی ہم شست و شو کریں — کب تک دلِ دریدہ کو اپنے رفو کریں
جاتا ہوں اُنکی بزم میں لیکن یہی ہے خوف — کل کیطرح نہ پھر کہیں بے آبرو کریں
ہو جائیں گے ہم آپ ہی مرنے پہ مستعد — وہ تیغ خوں فشاں کو تو زیبِ گلو کریں
گھر میں سخنوروں کی تعلّی سند نہیں — جبتک نہ آ کے سامنے کچھ گفتگو کریں
پڑھتے نمازِ عشق ہیں گر شیخ پاک باز — واجب ہے پہلے خونِ جگر سے وضو کریں

کہنا مری طرف سے یہ ترکی جلال کو
گفت و شنید آ کے ذرا روبرو کریں

پھر مجھپہ قصد کس لئے جور و جفا کی ہیں — بندے خدا کے ہم بھی تو بندی خدا کی ہیں

ولہ

دھلی کے لکھنؤ کے نہ ملکِ دکن کی ہیں — ہم رہنے والے خاص دیارِ سخن کی ہیں

ولہ

ہم بھی قتیل یار کی ترچھی نظر کے ہیں
تیغ مژہ پہ ٹکڑے ہماری جگر کے ہیں

داغ کہن ہیں یہہ کہ شراری جگر کے ہیں
نالے ہیں گرم میرے کہ شعلے سقر کے ہیں

سیکھیں گے ہم نزاکت معنی انہیں سے کچھہ
مشتاق اس حسیں کی جو نازک کمر کے ہیں

مرنے کو میں وہ جانے کو بیٹھے ہیں رات سے
ہم دونوں انتظار میں وقت سحر کے ہیں

لذت شب وصال کی پھر خاک آئیگی
وہ منتظر ابھی سے جو وقت سحر کے ہیں

اب نام جن کا سات سمندر رہے ہیں
یہہ سیل سب بہائے ہوئے چشم تر کے ہیں

نقش قدم کو رکھتے ہو پھر دو برس لئے
جب ہم بھی خاک آپکی اس رہگذر کے ہیں

کوئی نئی ادا نظر آئی نہ واعظو ۔
حوروں میں سب کرشمے اسی بیمبر کے ہیں

ترکی غنی سے کہنا نہ افلاس میں کبھی
ہم بھی امیر تیری طرح اپنے گھر کے ہیں

غیروں سے تو محفل میں لڑا جاتے ہو آنکھیں
ہم سے ہی سر راہ چرا جاتے ہو آنکھیں

غش کھا کے جو گر جاتا ہوں میں دیکھہ کے تم کو
مٹی میں نکلوا کے دبا جاتے ہو آنکھیں

مجھہ سے ہی سر راہ پھرا لیتے ہو ورنہ
چلتے ہوئے ہر اک سے ملا جاتے ہو آنکھیں

اغیار سے لڑتی ہیں سر بزم نگاہیں ۔
ہم دیکھتے جلدم ہیں چرا جاتے ہو آنکھیں

کیوں عاشقِ رخسار کی گلگشت سے پہلے۔
مژگان کے کانٹوں سے دُکھا جاتے ہو آنکھیں

عشاق جگر خستہ کی رستہ میں عدو کے ؛
نشتر سے نکلوا کے پچھا جاتے ہو آنکھیں

دیدیتے ہیں ہم جان اشارے سے مگر تم - ؛
بوسہ کبھی مانگا تو چورا جاتے ہو آنکھیں

تیرِ نگہہ ناز سے کیوں بام پہ آکر - ؛
دیدار کے طالب کی اُڑا جاتے ہو آنکھیں

ہو دوست تو کیوں ترکی جانباز کو ہر روز
دشمن کیطرح آکے دکھا جاتی ہو آنکھیں

لیجاتی ہیں دل اوس کی عنایت کی نگاہیں
الفت کی نگاہیں بھی ہیں آفت کی نگاہیں

کرجاتی ہیں کام اُس کی محبت کی نگاہیں
پوشیدہ ہیں آنکھوں میں قیامت کی نگاہیں

لڑتی ہیں رقیبوں سے محبت کی نگاہیں
چھپتی ہیں چھپانے سے کب الفت کی نگاہیں

اُس چشم سیہ مست کا کچھ حال نہ پوچھو
غمزے ہیں بلا کے تو قیامت کی نگاہیں

کردے نہ کہیں کند تری تیغ مژہ کو ؛
او چشم ستمگر میری حسرت کی نگاہیں۔

دو دن میں ہی اُس دلبر بدخو نے بدل دیں
الفت کی نگاہیں وہ مروت کی نگاہیں

غیروں سے تو لڑتی ہیں مگر ہم سے ہی ترکی
رہتی ہیں الگ اوس کی محبت کی نگاہیں

ایک دم بھی نہ رہا یار کا پیکاں دل میں
تھی تمنا کہ یہہ ہوگا کبھی مہماں دل میں

ایک مدت سے غمِ عشق ہے پنہاں دل میں
جمع ہیں حسرت و اندوہ کے ساماں دل میں

پھر نہ ہو جائے کہیں زلف کا سودا مجھکو
گھر نہ کر جائے کہیں کاکلِ جاناں دل میں

حق پرستو مجھے خالص نہ مسلماں سمجھو
کلمہ لب پہ ہے اور کفر ہے پنہاں دل میں

میں سنا تا ہوں چمن میں جو کبھی نغمۂ شعر
کیا خجل ہوتا ہے پھر مرغِ خوش الحاں دل میں

جگر خستہ میں ہیں زخم برنگِ لالہ
غم کے داغوں سے ہی پھولا چمنستاں دل میں

راز کہدیتے ہو غیروں سے مرا اور اپنا
بات رکھتے نہیں تم کوئی مرے جاں دل میں

اشک خوں ہی یہہ ہوئیں یخ وہ داغوں سے سبز
بوستاں ہی مری آنکھوں میں گلستاں دل میں

پڑ گیا جب سے وہ غارت گرِ گیسو پیچھے
نظر آتی نہیں کچھہ دولتِ ایماں دل میں

دونوں بیٹھے ہیں کئی روز سے مہماں بنکر
سینہ میں تیغ نگہہ ناوکِ مژگاں دل میں

شعلۂ عشق بھڑک اٹھیگا ناصح اکدن
یہہ رہے گا یونہیں کب تک مرے پنہاں دل میں

دیکھکر بزم میں تصویر مری اور اپنی
چپ رہے موہنہ سے مگر ہو گئی حیراں دل میں

دمبدم یاد یوں کرتے وہ ہر گز مجھکو
قتل سے مری نہ ہوتے جو پشیماں دل میں

میں نہیں ہوں جو عزیزِ دلِ ہر قوم تو پھر
کیوں مری کرتے ہیں جا گیر مسلماں دل میں

حمد حق میں یہہ نئی طرز ہے تیری ترقی
لب پہ توصیف خدا مدحتِ جاناں دل میں

جدائی کے صدمے جو ہم کھینچتے ہیں
کہاں ایسے عاشق ستم کھینچتے ہیں

مٹا دیتے ہیں آکے دیوار و در پر
کبھی نقش اُن کا جو ہم کھینچتے ہیں

انہیں بھی نہیں سونی دیتیں سحر تک
یہ آہیں شبِ غم جو ہم کھینچتے ہیں

مٹاتے نہیں اسم غیروں کا پڑھ کر
مرے نام ہی پر تسلم کھینچتے ہیں

نہیں چھوڑتی وہ زمیں پاؤں اصلا
جب اوس کی گلی سے قدم کھینچتے ہیں

کھیچے گا کہاں میرے معنی کا نقشہ
عبث اوسکو اہلِ عجم کھینچتے ہیں

صلہ لے ہی لیتے ہیں ممسک سی ترکی
سرِ مار سے ہم بہم کھینچتے ہیں

ردیف الواو

بزمِ جاناں میں ہمارے نکل آئے آنسو
جابجا مثلِ گہر ہم نے گرائے آنسو

سلکِ گوہر کی طرح کوچہ میں تیری ہم نے
آج ہر گام پر اے یار بچھائے آنسو

سنگدل یار ہے اتنا کہ مرے رونے پر
آنکھ میں اوس کی نہ دو چار بھی آئے آنسو

غیر رکھنے لگے کیسہ میں سمجھکر موتی
دامنِ یار پہ جب ہم نے گرائے آنسو

موجِ دریا کی طرح دیدۂ تر سے میرے
یار کی یاد میں شب کو اُمڈ آئے آنسو

کیا خجالت سے لگا غیر کے مونھ کو تکنے
میری آنکھوں میں نظر اُسکو جو آئے آنسو

غیر رد نے جو لگایا رکے غم میں ترکی
ہم نے بھی مکر سے دو چار بہائے آنسو

ولہ

جس قدر کی تو نے اے دل دلربا کی آرزو
مل ہی جاتا اتنی گر کرتا خدا کی آرزو

ولہ

خنجر جو چلاتے ہو تو پہر بھی چلاؤ
گردن جو اُڑاتے ہو تو سر کو بھی اُڑاؤ

ولہ

برہم کرے گی باد اگر زلفِ یار کو ۔ خونِ جگر کہلائے گی مشکِ تتار کو
آیا ہوں رہگذار میں اُس بت کی چھو کر ۔ قلبِ تپاں و دیدۂ پُر انتظار کو۔
کہہ چہ سے تیرے اُٹھکے نہ جاتا کسیطرف ۔ ہوتا قرار گر مرے مُشتِ غبار کو
دکھلا کے قامت و خطِ ورخ منفعل کرو ۔ شمشاد و نسترن کو رنگِ بہار کو۔
اوس روے آتشیں سے تعجب نہیں اگر ۔ لگ جاے آگ دامنِ رنگِ بہار کو
حیلے سے فاتحہ کے رقیبونکو لیکے ساتھہ ۔ پامال کرنے آئے ہیں میری مزار کو

تیغِ نگاہِ یار کو سر کی دیکے بارہ
تر کی کروں گا صیدِ غزالِ تتار کو

طولِ شبِ غم دیدۂ بیدار سے پوچھو ۔ کس طرح سحر ہوتی ہے بیمار سے پوچھو
کیا تذکرہ کرتے ہیں مرا دیر و حرم میں ۔ جاکر تو ذرا کافر و دیندار سے پوچھو
پوچھو نہ فلاطون سے نہ لقمان سے ہرگز ۔ درمان مرا عیسیٔ لبِ یار سے پوچھو
کس طرح شبِ تار رم ٹلتی ہے سحر سے ۔ اک دن تو مری دیدۂ بیدار سے پوچھو
اوس زلفِ معنبر کی مجھی پوچھئے قیمت ۔ نافہ کی بہا آہوئے تاتار سے پوچھو
پوچھو نہ رگِ برگِ گل اور شاخِ سمن سے ۔ معنیٔ نزاکتِ کمرِ یار سے پوچھو
واقف مے اطہر کی حقیقت سے نہیں شیخ ۔ یہہ مسئلہ جاکر کسی میخوار سے پوچھو
زاہد نہیں رحمت کے معانی سے خبردار ۔ یہہ نکتہ کسی مجھ سے گنہگار سے پوچھو
کیا دیگا مرے گوہرِ اشعار کی قیمت ۔ اے اہلِ سخن جاکے خریدار سے پوچھو
کیا دل کے سوا اور بھی لایا ہے نذر ۔ اتنا تو ذرا طالبِ دیدار سے پوچھو

ترکی سیہ کار کو بے پرسشِ اعمال
کیوں بخشدیا ابرِ دغفار سے پوچھو

خوش نہیں آتی پھر اُن کو عطر اور عنبر کی بو
ای صبا جو سونگھتے ہیں کاکلِ دلبر کی بو۔

کارواں پہلی ہے جب سے کاکلِ دلبر کی بو
ہوگئی ہے پست عنبر اور مشکِ تر کی بو

رات کو سویا جو میری ساتھ وہ گلِ پیرہن
روکشِ صحنِ گلستاں ہوگئی بستر کی بو

ہیں تری زلف و دہان و خال سے خجلت زدہ
سنبلِ تر اور گلِ تر اور مشکِ تر کی بو

طفل وہ کرتا ہے دعوای سخن جسکے ہنوز
مجھکو آتی ہے دہن سے شیر اور شکر کی بو

رات کو پی تھی کہیں شاید کہ اب تک دور سے
آپکے آتی ہے مونھ سے بادۂ احمر کی بو

تیری تیغِ جاں ستاں سے دیکھ ای بیدادگر
کس طرح آتی ہے خونِ عاشقِ مضطر کی بو

پھر نہیں وہ کوثر و تسنیم میں دہ تین شام
سونگھ لیتی ہیں جو حوریں تیری موئے سر کی بو

یاد آجاتی ہے عاشق کو دہانِ یار کی
خلد میں جب سونگھتا ہے ساغرِ کوثر کی بو

کیا شمیمِ غنچہ و گل سے تنفر ہے انہیں
سونگھتے جو ہیں دہانِ یار سیمیں بر کی بو

پی تھی بزمِ ساقیٔ کوثر میں شیخ اس لئے
آتی ہے میرے دہن سے بادۂ اطہر کی بو

ہم نشیں مجھکو سونگھا دیتے ہیں ہوتی کیوقت
تخلے کے بدلے ترکی گیسوِ دلبر کی بو۔

شب کو اوس بت کا جو جلوہ نظر آیا مجھکو
قدرتِ حق کا تماشا نظر آیا مجھکو

پھر کسی حور کا جلوا نظر آیا مجھکو۔
پھر قیامت کا تماشا نظر آیا مجھکو

نام کیوں قیس کا خلقت نے ہے مجنوں رکھا
وہ تو عاقل کا بھی دانا نظر آیا مجھکو

میں نے سمجھا کہ یہہ ہے صحن کسیکے گھر کا
کل ترا قیس جو صحرا نظر آیا مجھکو

کنایہ از تنہائیٔ

خود ہی میں اُٹھ گیا محفل سے کہ جب سوئے رقیب
آنکھ کا تیری اشارا نظر آیا مجکو۔

نارِ دوزخ کا شرر سمجھا میں فرقت میں تری
جب چمن میں گلِ رعنا نظر آیا مجکو۔

زشت طینت نے مجھے پھر فسق کی دینگی تہمت
پھر کسی کا رخِ زیبا نظر آیا مجکو۔

کر دیا سجدہ اُسے کعبہ تصور کر کے
کل جو شہ میں کلیسا نظر آیا مجکو۔

اشکِ گلگوں کے سبب شکوتری کوچہ میں
ہر طرف خون کا دریا نظر آیا مجکو۔

ساکنانِ حرم و دیر میں کوئی ایدل۔
طالبِ یار نہ اصلا نظر آیا مجکو۔

تو نہ تھا بزم میں شکو تو کفِ ساقی میں
سرِ افعیٰ سرِ مینا نظر آیا مجکو۔

بعض کہتے ہیں کہ نادان ہے ترکی لیکن
گفتگو میں تو وہ دانا نظر آیا مجکو

زندہ رکھے گا اگر روزِ مصیبت مجکو
مار ڈالے گی بلائے شبِ فرقت مجکو

خاک میں تجکو ملاؤں شبِ غم کا قصہ
بات کرنے نہیں دیتی تری ہیبت مجکو

لے چلا کھینچ کے پھر کاہ رُبا کی مانند
کوئے جاناں کی طرف جذبِ محبت مجکو

خطِ شوق اُسکو لکھوں بیٹھکے تنہائی میں
آہ و نالہ سے جو دم بھر بھی ہو فرصت مجکو

ایک دن کاٹے گی گردن مری لیکن ہر روز
کرنا اے ناصحِ بیدرد نصیحت مجکو

پایا کہار کے اور دشت کے دیوانوں نے
قیس کے بعد سزاوارِ خلافت مجکو

اس قدر ضعف ہے اب جسم پہ غالب ترکی
کہ نہیں ہاتھ ہلانے کی بھی طاقت مجکو

نظر آتا نہیں جب وہ قدِ بالا ہمکو
باغ میں مارتا شمشاد ہے بھالا ہمکو

ہم تو مر کر بھی نکلتے نہ ترے کوچے سے
دھوکا دیکر مگر اعدا نے نکالا ہمکو

آئے ہیں آج وہ بالیں پہ ہمارے دمِ نزع
کاش دیدے ملک الموت سنہا لا ہمکو

اس سیہ خانہ میں آیا ہے وہ مہ وش شاید
کہ نظر آتا ہے ہر سمت اُجالا ہمکو

دیکھہ لیتے ہیں تری کان کا بالا جس شب
پھر دکھاتا نہیں چاند اپنا وہ ہالا ہمکو

عالم آب میں آتا ہے نظر زیر و زبر ؛
موجِ دریا کی طرح عالمِ بالا ہمکو

(کنایہ از عالمِ شباب)
خوب دونوں میں کریں میٹھہ کے پہر ام رحیم
کوئی مسجد میں بنا دے جو شوالا ہمکو

سامنے ہر کس و ناکس کے جو ہو جائیں گے نرم
پھر تو کر لیگا ہر اک مونہہ کا نوالا ہمکو

یاد اللہ میں ہیں پہیرتیے منکا دل کا
اب نہ درکار ہے تسبیح نہ مالا ہمکو

کی یہہ پوجا تری اے بت کہ صنم خانہ کا
دیدیا لا کے برہمن نے قبالا ہمکو

یاد آجاتا ہے تیرا لبِ رنگیں اے گل
لا کے جب دیتا ہے گلچیں گلِ لالا ہمکو

ہم نہ دونوں کو برابر جو سمجھتے ترکی
مانتے پھر نہ کبھی اسفل و اعلیٰ ہمکو

اس قدر حق نے دیا ہے زرِ معنی مجکو
کہ مَلِک لکھتے ہیں اب سرورِ معنی مجکو

تھک گئی طبعِ مصفا مری چنتے چنتے
اس قدر حق نے دئے گوہرِ معنی مجکو

پھر بھی مانے گا نہ اک منکر بوجہل صفت
گر خدا بھی کہے پیغمبرِ معنی مجکو

راہ کیوں پوچھتے ہیں آکے یہ سو بیٹھکے
گر نہیں جانتے ہیں رہبرِ معنی مجکو

امتحاں کر کے خداوندِ جہاں نے ترکی
بعد ناسخ کے دیا افسرِ معنی مجکو

ذرا اے خواجگاں گورِ سکندر دیکھتے جاؤ
لحد میں کیا ہوا حال اُس کا مر کر دیکھتے جاؤ

ہمارا حال فرقت میں ہے بدتر دیکھتے جاؤ
تڑپنا کس طرح ہے قلبِ مضطر دیکھتے جاؤ

ولہ

ہندو ہے زلف کو مسجد میں دیکھا کر مجھکو
وہ مسلماں سے بنا دیتے ہیں کافر مجھکو

نام غیبت سے وہی لیتا ہی میرا ترکی
اپنے ہر فن سے سمجھتا ہے جو بڑھکر مجھکو

کس لئے صحنِ چمن میں اتنا اترتا ہے سرو
نونہالوں میں تو چوب دار کہلاتا ہے سرو

دیکھکر تیرا قدِ بالا جو شرماتا ہے سرو
مثلِ شاخِ بید گلشن میں جھکا جاتا ہے سرو

تو پئے گلگشت جب جاتا ہی کیسا دوڑکر
تیرے استقبال کو ای سرو قد آتا ہے سرو

دیکھکر تیرا خرامِ ناز صحنِ باغ میں
کیا گرانبار ندامت سے جھکا جاتا ہی سرو

کیوں نہ آئے پیشوائی کو چمن سے دوڑکر
بندۂ آزاد تیرا جبکہ کہلاتا ہے سرو

قامتِ بالا کو تیرے دیکھکر مانندِ خس
آبجوی شرم میں ای گل بہا جاتا ہی سرو

دیکھکر اوس نونہالِ حسن کی طرزِ خرام
بال قمری میں خجالت سے چھپا جاتا ہے سرو

ٹر گیا ہے جب سے سایہ اُسپہ فدّیار کا
باغباں صحنِ چمن میں کیا ہی اترتا ہی سرو

وہ سہی قد باغ میں ترکی نہیں ہوتا جو سہام
پھر تو مثلِ اژدہا مجھکو نظر آتا ہے سرو

تماشا گاہ عالم کا تماشا دیکھتے جاؤ
اُلٹ پھیر اس جہانِ بے بقا کا دیکھتے جاؤ

مہ رخسارۂ جاناں کا جلوا دیکھتے جاؤ
مرے خورشید طلعت کا سراپا دیکھتے جاؤ

مسلمانو خدارا میرا کعبہ دیکھتے جاؤ
ہوا ہوں جس کا رہبا وہ کلیسا دیکھتے جاؤ

ہمارے دیدۂ پُرنم کا دریا دیکھتے جاؤ
طلاطم ہائے حیحوں کا تماشا دیکھتے جاؤ

نہ جانے دیں گے مقتل سے قسم ہی تیغِ ابرو کی
ہمارے ذبح ہونے کا تماشا دیکھتے جاؤ

نہ جانا قبر تک لیکن خدا کے واسطے صاحب
ذرا بیمار کا اپنے جنازا دیکھتے جاؤ۔

نہیں کچھ دور گھر اوس کا ذرا چشم عنایت سے
مریض درد ہجراں کو مسیحا دیکھتے جاؤ

جو کل کرتے تھے دعوی علم کا محفل میں اس خط کو
اٹھا کر آن کا املا اور انشا دیکھتے جاؤ

شفا بخش زمانہ تم کو کہتی ہی اگر خلقت
تو اک دن میری حالت بھی خدارا دیکھتے جاؤ

اجل بھی ہے کہن سالوں سے کار نوجوانوں سے
فریب اس اہل دنیا کی دنی کا دیکھتے جاؤ

سر رہ ہے نہیں کچھ دور چلتے چلتے تفریحاً
شہید ناز کی تربت کا میلا دیکھتے جاؤ

بیاں حالت نہیں ہوتی ہی مجھ سی ضعف تر کی کی
تم اپنی آنکھ سے حال اس جواں کا دیکھتے جاؤ

دکھا دیں گے جو محشر میں ہم اپنے داغ پنہاں کو
چھپا لے گا تہہ دامن فلک مہر درخشاں کو

پھر آئی فصل گل جائیں گے بسی سی بیاباں کو
ذرا رستے سے چن لو ای خضر خار مغیلان کو

دکھا دیں گے کبھی قد اوسکا شمشاد گلستاں کو
ہم آئے دیکھکر ہیں آج جس سرو خراماں کو

اوڑا دیتے ہیں لڑکے پیشتر ہی موسم گل سے
برنگ کاغذ بادی ہماری جیب و داماں کو

کرینگے گر نہ حفظ اوسکو ملک تو کس لئے آکر
فلک پر لیگئے یا موس اکبر میرے دیوں کو

تماشا دہ نہیں کرتے ہیں پھر سرو گلستاں کا
جو آتے دیکھتے ہیں مست رعنای جاناں کو

پھر استقبال کو آتی ہیں کس کی خلد سی رویں
نہیں جاتی اگر وہ دیکھنے گنج شہیداں کو

بھلا کب ہوگا حل اوس سے ہمارا گلشن معنی
پڑھا سکتے نہیں جو دوست سعدی کی گلستاں کو

تبرک جانکر تارک پہ رکھ لیتے ہیں اے محبوں
جناب خضر میری پارہ جیب و گریباں کو

بچھا دیتی ہیں رستے میں حسینان چمن آنکھیں
پئے گلگشت جب جاتا ہی وہ گلرو گلستاں کو

سمجھکر پیر و مرشد قیس سی دیتا ہے مژگاں سے ؛
جنوں میں چاک کر دیتے ہیں جب ہم جیب و دامان کو
ہجوم خلق رہتا ہے گلی میں اک پری وش کی ؛
مسخر کر لیا ہے اوس نے ہر گبر و مسلمان کو ؛
جو ہوتا اختیار اپنا تو دم بھر میں بدل دیتے ؛
فلک روز وصالِ یار سے شبہای ہجراں کو۔
دکھا دیتے اوسے ہم بھی لب پاں خوردۂ جاناں
دکن میں لیکر آتا کوئی گر لعلِ بدخشاں کو۔
نہ دیکھا ایک شب بھی آکے یارب برق و باراں نے۔
مری آہِ شرر زا کو مرے اشکوں کی طوفاں کو
کہلا کر استخواں اسکو اسے بھی دیکے کچھ رشوت۔
ہم اپنا دوست کر لیں گے سگ دربانِ جاناں کو
پسِ کشتن بنا دینا عروسِ سرخ پوش اے گل ؛
ہمارے خون میں دیدیکے غوطے تیغ بُرّاں کو
خزاں کی فصل سے پہلے ہی بستر باندھکر اپنا۔
چلے جاتے ہیں دیوانے ترے گلشن سے زنداں کو

مزہ جب ہے کہ اُردو پارسی کی شعر بہہ تُرکی
دکن سے نکتہ ور لیجائیں دھلی اور ایراں کو

نہیں کم سحر بنگالہ سے چشم یار کا جادو
کرے گا حشر برپا آفت رفتار کا جادو
فراسیسوں کے جادوگر کو تکتا ہی نہیں کوئی
ہوا مشہور جسدن سے ہے چشم یار کا جادو

ولہ

آج اعجاز مسیحا کا دکھاتے جاؤ۔
کشتۂ ناز کو تم کہکے جلاتے جاؤ
باندہ کر صف ہیں شہادت کے طلبگار کھڑے
سر ہر اک کا دم خنجر سے اڑاتے جاؤ

ولہ

اوس گل کی طرف باد صبا لیگئی ہمکو
تنہے برگ خزاں دیدہ اڑا لیگئی ہمکو
قسمت میں جو اوس شوخ کے کوچہ کی تہی مٹی۔
ساتھہ اپنے وہیں آج قضا لیگئی ہمکو
میخانہ کی جانب در مسجد سے اڑا کر
واعظ کی گلگوں کی ہوا لیگئی ہمکو
اب حج کا ارادہ تو نہ تنہا ضعف کی باعث
لیکن کسی کامل کی دعا لیگئی ہمکو
اشکوں کی روانی در دلدار کیجانب
تنکے کی طرح شب کو بہا لیگئی ہمکو
اوس شاہد رعنا کی طرف باندھکی شکیں
چوروں کی طرح زلف دوتا لیگئی ہمکو
میخانہ کو اے مست مئی ناز حرم سے
تیری نگہہ ہوش ربا لیگئی ہمکو
تنہے قابل دوزخ ہی مگر جانب جنت
رحمت تری اے بار خدا لیگئی ہمکو
لاہور سے دربار شہ ملک دکن میں
نام شاہ واقف کی طرح طبع رسا لیگئی ہمکو
زنجیر خم زلف کی پھر کر کے مقید
سوئے صنم عشوہ نما لیگئی ہمکو

مقتل کی طرف کھینچکے تر کی ہے کشتن
اوس شوخ کی شمشیر ادا لیگئی ہمکو

لیجائے گی وہ زلف اُڑا کر مرے دل کو
جھوڑے گی نہ پہلو میں یہ کافر مرے دل کو

باتیں وہ کدورت کی مرے سامنے کر کے
کر جاتے ہیں افسوس مکدر مرے دل کو

وہ بام سے کر دیتے ہیں رخ اپنا دکھا کر
بیتاب مری جان کو مضطر مرے دل کو

کچھ بہر خدا اج ترحم کی نظر کر
اتنا نہ ستا چشم ستمگر مرے دل کو

وہ آفت رفتار سر راہ دکھا کر
پامال کیا کرتے ہیں اکثر مرے دل کو

زخمی نہ کر اتنا کہ بہے خون کی ندی
اے خنجر کج ابرو دلبر مرے دل کو

وہ شعلۂ رخسار دکھا کر کبھی ترکی
کر دیں گے سیہ خاک جلا کر مری دلکو

میری حالت پہ کب آئیگا ترحم اوسکو
میں جو روتا ہوں تو آتا ہے تبسم اوسکو

تیری تصویر کو جب دل میں چھپا رکھونگا
کس طرح دیکھیں گے پھر دیدۂ مردم اوسکو

تیرا کشتہ کبھی عیسیٰ سے نہ زندہ ہوگا
منفعل ہوں نہ کہیں کہکے یہ قم قم اوسکو

غیر کو ساتھ جو میخانہ میں لائے ہو تو کیوں
دیکھکر مجکو جھپاتے ہو پس خم اوسکو

مدعی میری طرح یوں نہ سنے گا دشنام
آپ دیکھیں تو بھلا کہکے کہی تم اوسکو

دون کی ہم سے ہی لیتا ہے رقیب الکن
کچھ سکھا دیتے ہیں جب طرز تکلم اوسکو

سج کے چل محفل دلدار میں جاتا ترکی
کسی دشمن کا نہ ہوتا جو تو توہم اوسکو

جس قدر خم میں ہے ساقی وہ پلا دے مجکو
آج بھی کل کیطرح مست بنا دی مجکو

دُردہی پیر مغاں آج چکھا دے مجکو
خیر میخانہ کی جو کچھ ہو پلا دے مجکو

شیخ کچھ اپنی کرامت تو دکھا دے مجکو
تو ولی ہے اگر اوس بت سے ملا دے مجکو

منت معجز عیسے سے بچا دے مجکو
اپنے دامن کی ذرا آکے ہوا دے مجکو

لن ترانی کی صدائیں تو سنی ہیں صدہا
لیکن اب جلوۂ دیدار دکھا دے مجکو

پھر سخاوت کے دکھاؤں تجھے رستے منعم
میری خواہش کے موافق جو خدا دے مجکو

شب کو رندوں سے بچا لایا میں اے شیخ بہتیرا
اور کچھ دے نہیں سکتا تو دعا دے مجکو

گر نہو یار کا ایما تو بھری محفل میں
غیر کی تاب نہیں یہہ کہ اُٹھا دے مجکو

عشق کیا شئے ہے کہ کہتا ہوں عدو سے رو کر
کوچۂ یار کا رستہ تو بتا دے مجکو

جان پر کھیل کے بیٹھا ہوں میں در پہ تیرے
اب بھلا آکے تو دربان اُٹھا دے مجکو

پیکے پیمانۂ صہبائے محبت ترکی
آج پھر نغمۂ مستانہ سنا دے مجکو

سیکڑوں کرتے ہیں وہ مجھپہ ستم ایک نہ دو
دل میں لاکھوں ہیں مری داغ الم ایک نہ دو

جھوٹی کہا جاتے ہیں ہر روز ہزاروں قسمیں
سیکڑوں آکے وہ دیجاتے ہیں دم ایک نہ دو

ہے یقیں جن کو کہ وہ چند ملیگا اِس سے
بخشدیتے ہیں وہ لاکھوں ہی درم ایک نہ دو

کبھی پاسخ نہیں لکھتے ہیں تلی آمیز
سیکڑوں کرتا ہوں خط اونکو رقم ایک نہ دو

نام کے رہ گئے ترکی ہیں یہ سب اہل کرم
کبھی دیتے نہیں سائل کو درم ایک نہ دو

وہ جو پہلے لطف تھا اب ہے کم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
مری یاد ہوتی تھی دمبدم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مرے گھر میں رہتے تھے رات بھر کبھی آتا تھا نہ مجھے نظر۔
رُخ صبح فرقت و شام غم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

میں سناتا رہتا تھا زمزمے کبھی اپنے اور کبھی داغ کے ہے

مجھے چھوڑتے نہ تھے ایک دم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شب و روز محفلِ عیش میں ہمیں ہم تھے اور نہ تھا کوئی۔

نہ بجز نشاط تھا نام غم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

کبھی ہوتی میری جو چشم تر تو اداسے پہلو میں بیٹھکر

مجھے بوسے دیتے تھے دمبدم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مرے مہرباں مرے آشنا یہی لفظ ہوتے تھے جابجا۔

مجھے نامہ کرتے تھے جب رقم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہی سر بمہر کھانا ہے ٹھوکریں کہ ہمیشہ جسکی نیاک سے۔

سر بزم کھاتے تھے تم قسم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

بط بادہ رکھکے کنار میں تمہیں لیکے فصل بہار میں۔

کبھی جاتے تھے سو باغ ہم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہی کہتے رہتے تھے ہر زماں وہ کہاں ہے تو اے نکتہ داں

کہ ہیں برہم اوسکے بغیر ہم تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

عقبے کی تمنا ہے تو دنیا کو نہ دیکھو | اس دشمنِ ایماں کے سراپا کو نہ دیکھو

ولہ

جانبازیٔ عشاق دل افگار تو دیکھو | مقتل میں ذرا کھینچکے تلوار تو دیکھو
تم چلکے ذرا حالتِ بیمار تو دیکھو | زردیٔ رخِ طالبِ دیدار تو دیکھو۔

سوسن کا بنا پھول ہی بوسونسی کسی کے
آئینہ میں رنگ گل رخسار تو دیکھو
غیروں کی سنا کرتے ہو بے آب معانی
میرے بھی کبھی گوہر اشعار تو دیکھو
ساتھ اپنے تمہیں لے گیا محفل سے عدو کی
مردانگی ترکی طرار تو دیکھو

ہو مے اطہر نہ وہ حوریہ ہو وہ نہ ہو
یہ نہیں رضواں مجھے منظور یہ ہو وہ نہ ہو
بزم عشرت میں نہ موجود گروہ بد جبیں
شمع محفل کیوں نہ ہو بے نور یہ ہو وہ نہ ہو
عاشق مخمور کو بھی محفل میں کر لیجے طلب
ورنہ کیجے غیر کو بھی دور یہ ہو وہ نہ ہو
تیغ بھی لیجاؤ مقتل میں کہ ساری جاں نثار
کہتے تھے کل دیکھکر ساطور یہ ہو وہ نہ ہو
بزم میں آتا نہیں ساقی اگر وہ مغبچہ
پہنکے دے تو بھی مے انگور یہ ہو وہ نہ ہو
ہو چراغ طور روشن اور پنہاں ہو وہ ماہ
کھول آنکھیں اے سپہر کور یہ ہو وہ نہ ہو
بام پر بیٹھا ہو وہ اور ہو نہ عاشق زیر بام
یہ نیا نکلا ہے اب دستور یہ ہو وہ نہ ہو
میرا اور مجنوں کا قصہ جبکہ یکساں ہے تو کیوں
اے فلک عالم میں پھر مشہور یہ ہو وہ نہ ہو
ہجر میں مرجائے عاشق ہو نصیب غیر وصل
کیوں قلق اس کا نہو در گور یہ ہو وہ نہ ہو
خانۂ عاشق تو اجڑے اور بنے گھر غیر کا
حیف اے چرخ کہن معمور یہ ہو وہ نہ ہو
مدعی محفل میں اور خالی ہو ترکی کی جگہہ
منصفی کر اے بت مغرور یہ ہو وہ نہ ہو

پھر اون کی رقیبوں سے محبت نہ ہوئی ہو
پھر میری ہلاکت کی عزیمت نہ ہوئی ہو
پھر جوش زن اس گل کی محبت نہ ہوئی ہو
اے باد بہاری مجھے وحشت نہ ہوئی ہو

نشہ میں کہیں مجھے حماقت نہوئی ہو۔ مغبچہ سے میخانہ میں حجّت نہوئی ہو۔
تھا نظم میں لکھا ہوا طومار محبّت یارب کہیں قاصد کو ندامت نہوئی ہو
پھر بند گئی روز سے ہیں نامہ و پیغام ڈرتا ہوں کہ کچھ میری شکایت نہوئی ہو
پھر مجھے وہ رُکنے لگے دیوانہ سمجھکر پھر میرے جنوں کی کہیں شہرت نہوئی ہو
ڈرتا ہوں کہ شورِ دلِ نالاں سے شبِ غم برپا درِ جاناں پہ قیامت نہوئی ہو۔
آجائے وہ شب کو مری غم خانہ میں شاید غیروں کی مدارات سے فرصت نہوئی ہو

رہتا نہ بغیر آئے ترے کوچہ میں ترکی
لاحق کہیں اوسکو تپ فرقت نہوئی ہو

چال ہمکو بھی قیامت کی دکھاتے جاؤ خاک مرقد کی ہمارے بھی اُڑاتے جاؤ
بیگنہ ہو کہ گنہگار مگر شوق سے آپ خون دو چار کا صر روز بہاتے جاؤ

ولہ

کچھ شکایت رقیب کی نکرو۔ دوست کے دوست کی بدی نکرو
ناس اُردو کا پوربی نکرو گفتگو ایسی بے تکی نکرو۔
غیر کے ساتھ سامنے میرے صر گھڑی جنگ زرگری نکرو
غمزدوں سے ہنسی نہیں اچھی تفتہ جانوں سے دل لگی نکرو
نہیں یکساں جو ظاہر و باطن پھر بھی ذکرِ جلی خفی نکرو
نسبتِ غیر سوزِ دل سے مرے باتیں ایسی جلی کٹی نکرو
کوئی جیتا رہے کہ مر جائے تم ستم میں مگر کمی نکرو
کبھی میرا بھی تذکرہ کیجے ہر گھڑی ذکرِ مدعی نکرو

کچھ نہ ہندی نژاد سمجھیں گے
جمع اشعار پارسی نہ کرو

میری محفل میں اے سخن سنجو
چُپ رہو ذکرِ شاعری نکرو

سامنے میرے حضرتِ مجنوں
کبھی دعوائے عاشقی نکرو

گو کہے خلق تم کو بد ترکی
تم کسی کی مگر بدی نکرو۔

ابھی نہ جائیے پچھلا پہر تو ہونے دو
ہنوز رات ہی باقی سحر تو ہونے دو

شبِ وصال ہے جلدی نہ جاؤ پہلو سے
ذرا یہ کم مرا دردِ جگر تو ہونے دو

ابھی نہ دفن کرو دوستو خدا کے لئے
ہمارے مرنیکی اُنکو خبر تو ہونے دو

جو ذبح کرتے ہو چھوڑو نہ نیم جاں مجکو
گلے کے خون سے دامن کو تر تو ہونے دو

کروں گا عرض اشاروں سے حالِ دل ترکی
ذرا وہ چشمِ محبت ادھر تو ہونے دو

یار وہ ہم کنار ہو جامِ شراب ہو نہ ہو۔
بوسے ملیں عذار کے نقلِ کباب ہو نہ ہو

شب ہو وصالِ یار کی فصل بہی ہو بہار کی
باتیں کریں وہ پیار کی منہ پہ نقاب ہو نہ ہو

شب کو وہ مہ ہو سامنے شوخ نگہ ہو سامنے
زلفِ سیہ ہو سامنے تیرہ سحاب ہو نہ ہو

ساغرِ مے شتاب دو ماہ میں آفتاب دو
سر دملا کے آب دو خواہ گلاب ہو نہ ہو

آکے وہ بام پر مرے منہ پہ دوپٹہ تان کے
سوتے میں کیا فریب سے آنکھوں میں خواب ہو نہ ہو

اپنی غزل سنائیں گے آج اُنہیں رُلائیں گے
سازِ فغاں بجائیں گے چنگ و رباب ہو نہ ہو

ترکی پیر اُٹھو اب بھی خدا سے مانگ لو
یارِ حسین بغل میں ہو عہدِ شباب ہو نہ ہو

مجکو بھی محفل میں تم بہر خدا دیکھا کرو
دیکھکر دشمن کو سوئے آشنا دیکھا کرو

جس قدر ہیں ہنسیں ہو جائینگے سب بد گمان
یوں نہ محفل میں عدو کو برملا دیکھا کرو

روز و شب رہتی بغل میں بیاضِ مدعی
کوئی مصرع میرے بھی دیوان کا دیکھا کرو

ہے عدو سے وعدہ ملنے کا مجھے یہ حکم ہے
بیٹھکر در پر ہمارا راستا دیکھا کرو

ہر بشر ترکی نہیں سنتا ہی جو نیک و بد
تم بھلے کو اور بُرے کو بھی ذرا دیکھا کرو

بیرحم مرے قتل پہ خنجر نہ اُٹھاؤ
فتنے نہ بنو شرنکرو سر نہ اُٹھاؤ

ہر بار مجھے دیکھ کے پتھر نہ اُٹھاؤ
باندھو نہ کمر قتل پہ خنجر نہ اُٹھاؤ

رہنے دو نشاں کچھ تو مری گور کا باقی
اک بار مری قبر کے پتھر نہ اُٹھاؤ

بالیں پہ وہ لے آئے ہیں دشمن کو پئے قتل
اور ہمکو یہ کہتے ہیں کہ تم سر نہ اُٹھاؤ

روتے ہیں کہی در پہ جو اُسکے تو یہی کہتا
نالوں سے مکاں کو مری سر پر نہ اُٹھاؤ

پتھر کوئی مارے کہ کوئی ٹھوکریں ترکی
تم یار کی دہلیز سے بستر نہ اُٹھاؤ

ردیف الہای ہوز

ہم ڈھونڈھتے ہیں ہیں قد دلدار کا سایہ
جس طرح کہ گرمازدہ اشجار کا سایہ

پڑتا ہے جہاں کاکلِ دلدار کا سایہ
کیا بھاگتا ہے واں سے سر دار کا سایہ

سرکش ہوا یوں زیر کہ جیسے دوپہر کو
معدوم سا ہو جاتا ہے مینار کا سایہ

ہے کوہ سے بہاری کہیں تُو پڑی نہ خم مے
واعظ ترے اس گنبد دستار کا سایہ

کافر ہو جو طوبیٰ کی کرے چھاؤں کی خواہش
ملجائے جو سرو قد دلدار کا سایہ

سدرہ کا فرشتوں کو مبارک ہو ہمیں تو
دو کار ہے نخل قد دلدار کا سایہ

خنجر کی طرح کرتا ہے ٹکڑے مری دل کے
ظالم ترے اس ابروی خمدار کا سایہ

اللہ نہ ڈالے تن کاہیدہ پہ میرے
چوب کف شیخان ریاکار کا سایہ

فردوس کے پھر قصر کی خواہش نہ کریں گے
ملجائے جو اے بت ترے دیوار کا سایہ

جسپر کہ پڑا ہو گیا دیوانہ کی مانند
اوس رشک پری کے گل رخسار کا سایہ

ہو فرق پہ ترکی کے قیامت میں الٰہی
دامان کف احمد مختار کا سایہ

رنگیں ترے لب ہیں گل احمر سے زیادہ
بو کاکل مشکیں کی ہے عنبر سے زیادہ

حاجت نہیں خنجر کی مری قتل کیجو طرفہ
ابرو کا ترے کاٹ ہی خنجر سے زیادہ

یہ جسکو ہے ڈستی نہیں موسیٰ سے یہی بچتا
ہے زہر تری زلف کا اژدر سے زیادہ

جس روز سے کہائی ہے قسم شیخ نے جھوٹی
مومن سے ہے نفرت مجھے کافر سے زیادہ

قشقہ میں ہے کیا عیب کہ دیندار یہ مجھے
جزیہ جو طلب کرتے ہیں کافر سے زیادہ

میں غالب و ناسخ سے لڑاتا ہوں غزل کو
یہ معجزہ میرا ہے پیمبر سے زیادہ

اندر سے وہ مانند دہل ہوتی ہے خالی
جو چیز نظر آتی ہے باہر سے زیادہ

کیونکر میں سبک اور نہ گرانبار ہو دشمن
دُر وزن میں ہوتا نہیں پتھر سے زیادہ

ہے یوں تو عقیدت مجھے ہر ایک ولی سے
الفت ہے مگر غوث قلندر سے زیادہ

کلیہ از غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ

لکھتا ہے عدن سے مجھے داراب نے ترکی
داراب بیگ جو یا استاد بود
قیمت میں ترے شعر ہیں گوہر سے زیادہ

الفت نہیں کرتا ہو نہیں خلقت سے زیادہ
ہے اُنس مجھے گوشۂ عزلت سے زیادہ

وحشت مجھے ہوتی ہے نصیحت سے زیادہ
ہے پند مرے حق میں فضیحت سی زیادہ

ڈرتی ہے ترے محشر رفتار سے خلقت
ای قامت دلدار قیامت سی زیادہ

رو کا مجھے بارش نے ہے دلبر کی گلی سے
رحمت نے کیا تنگ ہے رحمت سے زیادہ

دیکھا ہے بہت دولت دنیای دنی کو
ہرگز نہیں عقبیٰ کی یہہ نعمت سے زیادہ

صانع مری اس کلک گہربار کا گاہے
کر جاتا ہے صنعت ید قدرت سے زیادہ

بدتر نہیں دنیا میں کوئی چیز ہوس سے
بہتر نہیں شئے کوئی قناعت سے زیادہ

بیمار غم ہجر یہی کہتے ہیں اکثر -
غم کوئی نہیں ہے غم فرقت سے زیادہ

ہے گرچہ بلاغت بھی مرے شعر میں ترکی
لیتا ہوں مگر کام فصاحت سے زیادہ

چاہئے تجکو پر و بال ہما کا تکیہ
ہمکو کافی ہے غنی نام خدا کا تکیہ

سر شوریدہ کو یارب مرے ملجای کبھی
زانوے شاہد گلرنگ قبا کا تکیہ

خواہش بالش کمخاب نہیں ہے ہمکو
مل گیا جب سے ہے تسلیم و رضا کا تکیہ

رکھدیا اوس نے بنا کر مری سر کے نیچے
رات کو اپنی مشجر کی قبا کا تکیہ

زانوی عاشق مجبور الٰہی ہو جاے
کاش اک رات تو اُس ماہ لقا کا تکیہ

اٹھو تکیے کے نہ حیلے سے مری بستر سے
میں بنا دوں گا تمہیں اپنی ردا کا تکیہ

شب کو جنگل ہی میں رہنا ہمیں پڑتا ترکی
ملتا رستے میں نہ گر ایک گدا کا تکیہ

یوں کیا برقِ تجلّا نے تنِ زار سیاہ
جس طرح طور ہوا جل کے تھا اے یار سیاہ

میری آہوں سے ہے جیسے تری دیوار سیاہ
کب ہے ایسا رخِ افلاک ستمگار سیاہ

ہو گیا خالِ رخِ یار کے غم میں آخر
چشمِ آہو کی طرح نافۂ تاتار سیاہ

بخت کی میرے ہوئی جیسے تو ہمدم شبِ تار
ہو گیا اور زیادہ ترا رخسار سیاہ

تیرہ روکرتے ہیں بیشک دُرِ معنی پیدا
کیونکہ ہوتا ہے رخِ ابرِ گہربار سیاہ

عکسِ لب سے ہی ترے لالۂ نعماں نکلیں
زلفِ شب رنگ کے سایہ سے ہو مار سیاہ

شکمِ بد سے گراں مایہ ہے پیدا ہوتا
معدنِ زر کا ہوا کرتا ہے کہسار سیاہ

مل نہ دشمن سے کہ ہو جاتا ہے ہنگامِ خشوف
اے قمر چہرہ رخِ ماہِ پُر انوار سیاہ ہے

کر دیا تیرہ مجھے یوں شبِ غم نے جیسے
تپ سے ہو جاتا ہے رنگِ رخِ بیمار سیاہ

دودِ لعنت سے ہے قبلہ رخِ حاسد کالا
اس قدر دیو لعیں کا نہیں رخسار سیاہ

اب تو ہے سُرخ مگر ڈر ہے کہ وقتِ رحلت
کہیں ہو جائے نہ ترکی رخِ زردار سیاہ

ہے جیسا کہ ترا گل رخسار شگفتہ
ایسا نہیں فردوس کا گلزار شگفتہ

افسردہ وہ کر دیتا ہے محفل میں مرا دل
رکھتا ہے مگر خاطرِ اغیار شگفتہ

ٹھنڈی مری آہوں کی یہ تاثیر ہے اے گل
رہتا ہے جو پھولوں کا ترا ہار شگفتہ

کر دیتی ہے پژمردہ وہیں بادِ حوادث
ہوتا ہے مرے دل کا جو گلزار شگفتہ

جس شب وہ گل آئیگا نظر جو ہیں تری کی
ہو جائیں گے یہہ دیدۂ نمونہ بار شگفتہ

میں دکھا دوں گا کبھی جا کے اُسے یار کی آنکھ
غمزے کرتی ہے بہت آہوئے تاتار کی آنکھ

تو کبھی سیر کو جاتا ہے جو گلشن کی طرف
گل پہ پڑتی نہیں پھر بلبل گلزار کی آنکھ

خاک پھر زیست کی اُمید اطبا کو رہے
پھر وں کھلتی ہی نہیں جب تری بیمار کی آنکھ

مست یوں رہتی ہے چشم اُسکی ہمیشہ جیسے
نشۂ بادۂ گلرنگ سے میخوار کی آنکھ

دیکھہ تو جھانک کے ظالم کہ لگی رہتی ہے
تیری غمزہ کی طرف طالب دیدار کی آنکھ

محکو باتوں میں لگا کر سرِ محفل ہر شب
لڑتی رہتی ہے تری آنکھہ سے اغیار کی آنکھہ

قبلہ امام شیخ بھی دزدیدہ نظر سے تری کی
دیکھہ لیتے ہیں دم وجد مرے یار کی آنکھہ

جس قدر گرم ہے یہہ میری جگر کا شعلہ
اس قدر تیز ہے کب نارِ سقر کا شعلہ

تیرے ہونٹوں سے نکلتی ہے جو ضو مہر جمال
ہم اُسے کہتے ہیں لعلِ لبِ تر کا شعلہ

اک شرارہ ہے مری آہ جگر سوز کا وہ
لوگ کہتے ہیں جسے نارِ سقر کا شعلہ

برقِ خاطف سے نہ پھر اُسکو وہ دے تشبیہ
دیکھہ لیتے جو مرے سوزِ جگر کا شعلہ

جس کی مانند نہ جلجا سے کہیں جسم حسود
گرم آنسو ہے مرے دیدۂ تر کا شعلہ

آتشِ خس نہ تصور اُسے ہرگز کرنا۔ | برق سے تیز ہے حاسد کی نظر کا شعلہ

پڑ نہ جائے کہیں ہر شب یہی منہاجِ خیال
گھر میں ہمسایہ کے تُرکی مری گھر کا شعلہ

ہے نام مرے کوچہ کا اُوستاد کا کوچہ | نقاشِ سخن کہتے ہیں بہزاد کا کوچہ
آتا بھی نہ کر ظلم کہ کہنے لگے خلقت | یہ رحم گلی کوتری جلّاد کا کوچہ
کوچے کو ترے دیکھکے کہتے ہیں سلیماں | انساں کا نہیں ہے یہہ پریزاد کا کوچہ
ہر ایک بناتا ہے وہاں طوق و سلاسل | ظالم ترا کوچہ بھی ہے حدّاد کا کوچہ

مرغانِ چمن بند ہیں ہر سمت قفس میں
شاید یہہ ہے تُرکی کسی صیّاد کا کوچہ

دے دولتِ حسن اون کو خدا اور زیادہ | عاشق پہ کریں تا کہ جفا اور زیادہ
اب غیر کا قصّہ نہ سُنا اور زیادہ۔ | ظالم نہ مرے دل کو دُکھا اور زیادہ
دیتا ہوں جو سنبل سے میں اُسکو کبھی نسبت | بل کھاتی ہے پھر زلف دوتا اور زیادہ
کرتا ہوں جو شکوہ کبھی اُن سے شبِ غم کا | ہو جاتے ہیں وہ مجھپہ خفا اور زیادہ
ہو کر وہ خفا دیتے ہیں جس وقت کہ دشنام | ہم کرتے ہیں خوش ہو کے دعا اور زیادہ
رہنا نہیں گر خانۂ دنیا میں تو منعم | کیوں کرتے ہیں رہ رہ کے بنا اور زیادہ
پہلے ہی سے افسردہ ہوں بو زلف کی لاکر | مجکو نہ کر آشفتہ صبا اور زیادہ
جس دم پئے گلگشت وہ جاتے ہیں چمن میں | بڑھجاتی ہے گلشن کی فضا اور زیادہ
ہو جائیگا نسبت جو تری زلف سے دیکھے | قیمت میں گراں مشکِ خطا اور زیادہ

وا کرنے کا میں قصد جو کرتا ہوں تو ضد سے
وہ کھینچتے ہیں بند قبا اور زیادہ ؛

دیکھیں گے ہلالِ خمِ ابرو کو جو ہر ماہ۔
ہو جائیں گے انگشت نما اور زیادہ

اُردو بھی سمجھتے تھے مگر بزم میں ہم سے
کرنے لگے وہ ما و شما اور زیادہ

کاشانۂ دل کو مرے اے عشق شمگرؔ
برباد نہ کر بہرِ خدا اور زیادہ ؛

اب آتشِ فرقت پہ چھڑک وصل کا پانی
کافر نہ مرے دل کو جلا اور زیادہ

تھا زیست میں بھی شہرۂ سخن کا مری ترکی
مشہور ہوا بعدِ فنا اور زیادہ

خطِ رُخ پر ہے زلفِ یار کی آنکھ
زمرد سے ہے لڑتی مار کی آنکھ

ہمیں یاد آ گئی دلدار کی آنکھ
جو دیکھی آہوئے تاتار کی آنکھ

نظر آئی ہے جب سے یار کی آنکھ
نہیں جھپکی دلِ خونبار کی آنکھ

لگی رہتی ہے دروازہ کیجانب
ہمیشہ طالبِ دیدار کی آنکھ

ترے رُخ پر ہے رہتی گل سے پنہاں
چمن میں بلبلِ گلزار کی آنکھ

رہے ہو صبح تک بزمِ عدو میں
نہیں چھپتی ہے شب بیدار کی آنکھ

رہی اُس بُت کیجانب انجمن میں
سحر تک زاہدِ دیندار کی آنکھ

کھلی رہتی ہے نظارہ کو تیرے
چمن میں نرگسِ بیمار کی آنکھ

بچائے چشمِ بد سے حق کہ تجھ پر
سرِ رہ رہتی ہے دو چار کی آنکھ

ہمارا لے گئی ترکی زر دیں ۔ ؛ ۔
چرا کر اُس بُت عیار کی آنکھ

پھر کرتے ہیں وہ آج نہانیکا بہانہ
کیا مل گیا ہے میرے اُٹھانیکا بہانہ

ہر روز جماتے ہیں وہ مولود کی محفل
یہہ خوب ہے غیروں کے بلانیکا بہانہ

اپنا ہی سناؤں گا میں افسانۂ ہجراں
ہاتھہ آئے گا گر پاؤں دبانیکا بہانہ

اُٹھہ جانا مرے پاس سے ہوتا ہی جو منظور
اکثر وہ کیا کرتے ہیں کہانیکا بہانہ

ملنا نہیں منظور جو ہوتا کبھی مجھسے
کرتے ہیں وہ مہندی کی لگانیکا بہانہ

کہتے ہیں مجھے مرنہ گیا کیوں شبِ غم میں
کیا مل گیا ہے میری ستانیکا بہانہ

افسوس کہ عشرتکدۂ یار میں ترکی
ہمکو نہیں ملتا کوئی جانیکا بہانہ

رکھہ لیجئے لختِ دلِ بیتاب کا کشتہ
مشکل سے ملا کرتا ہے سیماب کا کشتہ

ہے نام مرا کوہ کن وقیس نے رکھا
تیر نگہہ چشم سیہ تاب کا کشتہ

مُردے سے نہیں فیض تو کیونکر زر خالص
تانبے کو بنا دیتا ہے سیماب کا کشتہ

شیریں لبِ عیسیٰ سے نہو گا کبھی زندہ
کافر تری شمشیر شکر آب کا کشتہ

شکر آب یعنی رنجش باہمی

کچھہ مجکو نہیں خنجر اعدا سے شکایت
ترکی ہوں میں تیغ کفِ احباب کا کشتہ

لیتا نہیں وہ کام تکلم سے زیادہ
ڈرتا ہوں میں اُس بت کی تبسم سی زیادہ

ملتی ہے تو پی جاتا ہوں قلزم سی زیادہ
ساقی نہیں دیتا ہے مگر خم سے زیادہ

رندو نہ کرو بحث کپی جائینگے بیشک
مل جائیگی گر مفت کی ہم تم سے زیادہ

دستِ نگہہ شوق پہسلجائے نہ کیونکر
ہے پیٹ ملایم ترا قاقم سے زیادہ

سوزش مری سینے میں جہنم سے ہے افزوں
پانی مری آنکھوں میں ہے قلزم سے زیادہ

ہے زہر خم زلف سیہ مار سے دو چند
ابرو کا ترے نیش ہے کژدم سے زیادہ

رہتا ہے دد و دام کی ہمراہ شب و روز
وحشی نہیں ملتا ترا مردم سے زیادہ

ہنس ہنس کے رولا دیتا ہے اسواسطے عاشق
اوس شوخ کے ڈرتے ہیں تبسم سے زیادہ

کب نرم مرے رونے سے ہوگا کہ جو بیدرد
نالے کو سمجھتا ہے ترنم سے زیادہ ہے

دیکھی تو نہیں گرچہ مگر دل ہے یہ کہتا۔
ہوگی نہ کبھی حور حسیں تم سے زیادہ

طوفاں بپا کرتے ہیں ترکی شب غم میں
بہہ دیدۂ گریاں مرے قلزم سے زیادہ

جا رہا ہو نہیں نامہ بر کے ساتھ
ہے یہ گم کردہ رہ خضر کے ساتھ

آہ ہے اشک چشم تر کے ساتھ
جسطرح رشتہ ہو گہر کے ساتھ

سیم کے ساتھ ہے نہ زر کے ساتھ
قدر انساں کی ہے ہنر کے ساتھ

کب یہہ سودائے زلف کم ہوگا۔
جائیگا یہہ جنون سر کے ساتھ

لب دگیسو کو باندہ دیتے ہیں
گل رنگین و مشک تر کے ساتھ

پھر مزہ ہو کہ باغ جنت میں۔
میرا گھر بھی ہو تیرے گھر کے ساتھ

لاغری سے ہو نہیں لپٹ جاتا
بازوئے مرغ نامہ بر کے ساتھ

دیجئے بوسۂ لب و رخسار۔
ہے مزہ شیر کا شکر کے ساتھ

کوئی ایسا نظر نہیں آتا ہے
کہ نہ رغبت جسے ہو زر کے ساتھ

چودھویں شب کو دیں گے ہم نسبت
عارض یار کو قمر کے ساتھ

آدمی ہے کوئی فرشتہ نہیں۔ جھگڑے صدہا ہیں ہر شبر کی ساتھ
کر ہم بندش اور معنی شعر ؛ چاہئے ابرہ آستر کے ساتھ
میٹھی باتیں فریب سے نہ کرو ؛ زہر دیتے ہو کیوں شکر کے ساتھ
چارہ گر سے ہوا نہ کم افسوس درد فرقت رہا جگر کے ساتھ

میکدہ ہے لگا ہوا تر کی
شیخ کی خانقہ کے در کی ساتھ

سن لیں گے وہ جب وحشت مجنوں کا فسانہ ۔ ؛ ۔
پھر چھیڑیں گے ہم بھی دل محزوں کا فسانہ ؛
کر جمع نہ مال اس قدر اے منعم ممسک ؛ ۔
کیا یاد نہیں ہے تجھے قاروں کا فسانہ ؛
ملتا ہے ہمارے ہی یہہ کچھہ روز سیہ سے ؛
اے یار تری کاکل شبگوں کا فسانہ ۔ ؛
سن لیگا مری اور تری جو شخص کہانی ۔ ؛ ۔
پھر سن چکا وہ لیلی و مجنوں کا فسانہ ۔ ؛
سب لکھتے ہیں قصہ تری زلفوں کا مگر ہم ؛
لکھیں گے لب لعل پر افسوں کا فسانہ ۔
سنکر وہ مرے بخت کے چکر کی حکایت ؛
کچھہ کہہ نہ سکے گردش گردوں کا فسانہ

یہہ سخت تعجب ہی کہ سنکر مرا قصہ
پھر سنتے ہیں وہ غیر سے مجنوں کا فسانہ

اک حرف ہی وہ نسخۂ دانش کا ہمارے
کہتی ہے جسے خلق فلاطوں کا فسانہ

کچھہ رہ گئے دل تہام کی سمجھے تہی وہ ترکی
شاید مرے افسانہ کو مجنوں کا فسانہ

کر دیا سوز جگر نے مرے گہر کا رستہ
اس قدر گرم کہ جیسے ہو سقر کا رستہ

نہو ابند مرے دیدۂ تر کا رستہ
طفلک اشک نہو لے کہیں گہر کا رستہ

پھر تو سیدھا ترا پیکان چلا آئے گا
دیکھہ لیگا جو کبھی میرے جگر کا رستہ

یار نے کاکل مشکیں سے ملا رکھا ہی
خطۂ تبت و صحرائے تتر کا رستہ

کیا ٹہنی شیخ کے جی میں ہے کہ اکثر شبکو
ڈہونڈہتے رہتے ہیں ای بت ترسی گہر کا رستہ

منتظر اوس کا میں جس راہ میں کہڑا رہتا ہوں
چہوڑ دیتا ہے وہ گمراہ ادہر کا رستہ

تو بلاتا ہے تو میرا دل برگشتہ نصیب
بہول جاتا ہی خوشی سے تری گہر کا رستہ

عشق کیا شئے ہی کہ قدموں پہ جبیں کو رکہکر
پوچہتا غیر سے ہوں یار کی گہر کا رستہ

جادۂ عشق بتاں چہوڑ کے اب تو ترکی
شیخ سے پوچہیں گے اللہ کی گہر کا رستہ

انسان سے مٹتا نہیں قسمت کا نوشتہ
مشکل ہی مٹانا قدرت کا نوشتہ

ہم ماہر علم ہیں دفتر میں ہمارے
موجود ہے ارباب فضیلت کا نوشتہ

پوچہیگا قلندر کی سند کوئی جو ہم سے
دکہلائیں گے پیران طریقت کا نوشتہ

میں خادم خدام درِ نجفی ہوں
ہے پاس مرے شاہ ولایت کا نوشتہ

بیٹہے گا وہ گل چہرہ وہیں بنکے مجاور
پڑہ لیگا جو ترکی مری تربت کا نوشتہ

کیا سُنکے مری طبع کے بلبل کا ترانہ
بے رنگ ہوا طوطیٔ آمل کا ترانہ
کنایہ از طالب آملی

نغمہ مرا کر دیتا ہے غنچہ کا دہن بند
جمتا نہیں آگے مرے بلبل کا ترانہ
شنیدہ نہیں

عشاق مری صوتِ دلاویز کو سنکر
سُنتے نہیں پھر بلبلِ صلصل کا ترانہ

ہر شب دلِ محزونکو سناتا ہوں سحر تک
زلفوں کا فسانہ کبھی کاکل کا ترانہ

یاد آتا ہے نغمہ مرا احباب کو جسدم
سُن لیتے ہیں جا کر لبِ بلبل کا ترانہ

ملتا ہے نوائے طرب انگیز سے میری
کچھ ذوق کا کچھ طالبِ آمل کا ترانہ

نغمہ مرا سنکر نہ سنایا رہے ترکی
پھر بلبلِ کابُل کا نہ زابل کا ترانہ

سُن لیں گے جو گلچیں مری اشعار کا نغمہ
پھر سُن چکے مرغانِ چمن زار کا نغمہ

ولہ

ہے پنجۂ مژگاں کفِ جلاد کا شانہ
دشنہ یہہ بنی گا سرِ ناشاد کا شانہ

لینا نہ سلیماں سے پریزاد کا شانہ
زلفوں کو ترے چاہئے شمشاد کا شانہ

ہیں نرگس سے بہی سخت تری بال منافق
لائیں گے ترے واسطے پولاد کا شانہ

اوس سروِ سمن خد نے ہی کشمیر سے بھیجا
آئینہ میں رکھکر مجھے شمشاد کا شانہ

آخر غمِ شیریں میں ستم کیش فلک نے
تیشہ کو بنایا سرِ فرہاد کا شانہ

ہو جاے نہ آپس میں کہیں دشمنی ایدوست
سر میں نہ کرو عاشقِ ناشاد کا شانہ

اے مرغِ سحر فصلِ بہاری سے یہہ کہنا
گیسوے گلِ تازہ میں کر یاد کا شانہ

ہر روز ملا رہتا ہے شانہ سے عدو کے
بازار میں اوس طفلِ پریزاد کا شانہ

اوس آئینہ رو کے لئے لاؤنگا میں ترکی
لاہور کے بازار سے شمشاد کا شانہ

نکلے بچے کی کوئی طالب دیدار کی راہ
موت دیکھی گی کہاں تک یوہیں بیمار کی راہ

مانگ سے شب کو ملی کاکلِ دلدار کی راہ
بن گئی کاہکشاں خطّہ تاتار کی راہ

تکتے رہتے ہیں گذرگاہ میں بیٹھے بیٹھے
تا دمِ صبح سرِ شام سے ہم یار کی راہ

کونسا خضر صفت شبکو بتا جاتا ہے
آکے مسجد سے ہمیں خانہ خمّار کی راہ

قلزمِ دیدۂ گریاں شبِ تنہائی میں
بند کر دے نہ کہیں کوچۂ دلدار کی راہ

نالۂ بلبلِ شوریدہ سے ملجاتی ہے
ہم نوا فصلِ بہار آتی ہی گلزار کی راہ

بھول جاتے ہو ہمیشہ مرے گھر کا رستہ
یاد رہتی ہے مگر منزلِ اغیار کی راہ

غرفہ جدن سی ہوا بند ہے آتی جاتی
نگہۂ شوق مری روزنِ دیوار کی راہ

ہڈیاں کھاکے بھی میری نہ بتائی تُرکی
سگِ جاناں نے کہی کوچۂ دلدار کی راہ

صاف کر لینے دو مجھپر اوسے تلوار کی ہاتھہ
کیوں پکڑتے ہو کہ کٹ جائینگے دو چار کی ہاتھہ

رعشہ سے کانپنے لگ جاتی ہیں اغیار کی ہاتھہ
چوم لیتے ہیں کبھی جاکے جو ہم یار کی ہاتھہ

جہونک دی آتش دوزخ میں کہ دیدے جنّت
آبرو اپنی قیامت میں ہی غفّار کے ہاتھہ

چشم اعدا سے نہاں یار کو دینا قاصد
خط نہ پڑ جائے ہمارا کہیں اغیار کے ہاتھہ

اس قدر اب تو نقاہت تھے کہ اٹھتی ہی نہیں
سر بالیں سی ترے عاشقِ بیمار کے ہاتھہ

انکو اکدن تو دکہا دیجئے سختی اُن کی
یہہ جو کہتے ہیں بہت نرم ہیں کار کی ہاتھہ

سیکہکر تیغ چلانیکا طریقہ ہم سے
آزمانے لگا ہمپر ہی وہ تلوار کے ہاتھہ

اُڑ گئے ہوش ہر اک شخص کے جب مقتل میں
دیکھے چلتے ہوئے اُس قاتلِ خونخوار کی ہاتھہ

ڈالیگا سبحہ میں گر رشتۂ زنّار مرا ۔ ؎ توڑ دوں گا میں وہیں زاہدِ دیندار کی ہاتھہ
نقرۂ داغِ برص سے نہیں بہتر تو کیوں آستینوں میں چھپے رہتی ہیں زردار کی ہاتھہ

ہاتھہ پھیلا کے دعائیں تو بہت کیں لیکن
پہونچے لیکن نہ گلے تک مری دلدار کی ہاتھہ

عشق سے اب ہی حال کچہ کا کچہ بند گیا ہے خیال کچہ کا کچہ
کہہ رہے ہیں وہ سامنے میرے ازرہِ انفعال کچہ کا کچہ
رعب سے میری شکوہ پڑہنے لگا ؎ انجمن میں جلال کچہ کا کچہ
اوسنے پوچہا تو ماریِ ہیبت کے منہ سے نکلا سوال کچہ کا کچہ
میں ہوں ویسا ہی جاں نثار مگر آپکا ہے خیال کچہ کا کچہ
حسن اُس کا بڑہا مگر غم سے ہوگیا میرا حال کچہ کا کچہ

کردیا چند روز میں تڑکی
عشق نے میرا حال کچہ کا کچہ

ردیف یای تحتانی

اپنا افسانۂ غم شب کو سنا کر اُٹہے یار و اغیار کو محفل میں رُلا کر اُٹہے
سرگذشت اپنی سنانیکو جہاں بیٹہہ گئے سننے والوں کے کلیجے کو ہلا کر اُٹہے

ہم جہاں بیٹہہ گئے نالہ کنجا طرح تری
ندی اک خون کی پھر واں سے بہا کر اُٹہے

مجھے خاموش کر دیتے ہیں وہ تقریر سے پہلے
سمجھ لیتے ہیں دل کا مدعا تحریر سے پہلے

لبِ بام آکے تا سن لی فسانہ دردِ ہجراں کا
جگا دے اُسکو اے دل نالۂ شبگیر سے پہلے

مجھے بھیجی ہے کیوں تصویر کیا واقف نہیں اس سے
تماشا کر چکا ہوں دل کا میں تصویر سے پہلے

اگر ہے امتحاں منظور میری زرد رنگت کا
منگا لو آپ تھوڑا زعفراں کشمیر سے پہلے

گلا وہ کاٹتے ہیں تیغ خوں آشام سے اسدم
جگر میں جبکہ کر لیتے ہیں وہ زن تیر سے پہلے

سبب کیا ہے کہ آمادہ ہے اب وہ جان دینے پر
کوئی اتنا تو پوچھے عاشقِ دلگیر سے پہلے

عجب مذہب ہے اے ترکی حسینانِ جفا جو کا
کہ کرتے ذبح ہیں عشاق کو تکبیر سے پہلے

شب کو محفل میں جو وہ ہو کے خفا بیٹھ گئے
ہم بھی روتے ہوئے کونیں جدا بیٹھ گئے

آئے باہم تھے مگر بزم عدو میں جا کر
ہم جدا بیٹھ گئے اور وہ جدا بیٹھ گئے

درِ میخانہ پہ شب شیخ نصیحت کر کے
ڈالکر شانہ پہ کالی سی ردا بیٹھ گئے

اُٹھ گیا شرم سے میں جبکہ عدو کے گھر میں
کھول کر ناز سے وہ بند قبا بیٹھ گئے

پھر نہ اُٹھیں گے ترے کوچہ سے ہم اے جنِ حسن
ایک دن آکے اگر مثلِ گدا بیٹھ گئے

دیکھکر پاس مرے بیٹھے ہوئے اُس بت کو
کہکے واعظ بھی وہیں صلِ علیٰ بیٹھ گئے

بزم میں اُس صنمِ آفتِ جاں کی ترکی
لیکر اک گوشہ میں ہم نام خدا بیٹھ گئے

لے لیں گے خدا سے بھی ہم حور کے بدلے
دیکھیں گے ترا رخ مہ پُر نور کے بدلے

سیما کو دکھا دو عوضِ صبحِ منور
اور کاکلِ مشکیں شبِ دیجور کے بدلے

ہم شمعِ رخِ یار شبِ وصل میں سے
دیکھیں گے چراغِ جبلِ طور کے بدلے

دیتے ہیں خطِ سبز کے بوسے وہ ہمیں اب
فیروزۂ لدّاخ و نشاپور کے بدلے

دیدیں گے کوئی ساغرِ تسنیم فرشتے
محشر میں مجھے بادۂ انگور کے بدلے

کیوں آکے نہیں دیکھتے ہو حضرتِ موسیٰ
نخلِ قدِ جاناں شجرِ طور کے بدلے

میں عہد میں منصور کے موجود جو ہوتا
چڑھ جاتا سرِ دار پہ منصور کے بدلے

وہ کھینچ کے رکھتے ہیں مری قتل کیخا طرؔ
تیغِ نگہِ ناز کو ساطور کے بدلے

چھیڑیں گے کبھی نالۂ جاں سوز کا قانون
ہم انجمنِ یار میں طنبور کے بدلے

اک رند نے کل رکھدیا شیخ میں اُٹھاکر
خمری کا سرِ شیخ پہ مزدور کے بدلے

ترکی مجھے لیجاتے ہیں اب بزمِ سخن میں
سب اہلِ سخن ناسخِ مغفور کے بدلے

زہرِ قاتل جو تری تیغِ نظر سے ٹپکے
کیوں نہ پھر خونِ مری زخمِ جگر سے ٹپکے

ہوگیا مثلِ شفق کوچۂ جاناں رنگیں
اشکِ گلگوں جو مری دیدۂ تر سے ٹپکے

رخِ جاناں سے ٹپکتا ہے پسینہ جیسے
قطرے شبنم کے نہ ایسے گلِ تر سے ٹپکے

یوں ٹپکتے ہیں مرے خونِ جگر کے قطرے
پک کی جس طرح ثمر شاخِ شجر سے ٹپکے

لیگیا یار درِ رخ سمجھکر ترکی
اشکِ گلگوں جو مرے دیدۂ تر سے ٹپکے

لبوں پہ جان ہے اور حسرتِ دیدار باقی ہے
تمنّا تیرے ملنے کی ابھی اے یار باقی ہے

نہ قرآں ہی بغل میں ہے اور نہ کاندھے پر مصلےٰ ہے
فقط گردن میں اب اک رشتۂ زنّار باقی ہے

تری زلفِ معنبر کے تطاول سے زمانہ میں
نہ اب نام و نشانِ خطۂ تاتار باقی ہے

تعجب ہے کہ بعد صلح بھی گرد کدورت کی
میرے جانب سے قلبِ یار میں دیوار باقی ہے

غزل کے بعد بھی بزمِ سخن میں ابتلک ترکی
دلِ احباب میں کیفیت اشعار باقی ہے

ستارے اگر عالمِ بالا کے ہیں موتی ۔ ۔ ۔ یہ ریگ کے ذرّے بھی تو صحرا کے ہیں موتی
بولا وہ بہم حسن مرے دیکھ کے آنسو ۔ ۔ ۔ فرمائیے یہ کس معدنِ دریا کے ہیں موتی
تو مشک کے ریزے جسے کرتی ہے تصور ۔ ۔ ۔ وہ بادِ صبا زلفِ چلیپا کے ہیں موتی
قطرے جو ٹپکتے ہیں ترے جام سے ساقی ۔ ۔ ۔ قطرے یہ نہیں ساغرِ صہبا کے ہیں موتی
یہ خوشۂ پروین جو نظر آتے ہیں شبکو ۔ ۔ ۔ اے خضر یہی عالمِ بالا کے ہیں موتی
قطرے جو ترے رخ سے ٹپکتے ہیں عرق کے ۔ ۔ ۔ اے یار یہی حسن کے دریا کے ہیں موتی

کہتے ہیں جنہیں گوہرِ خوش آبِ سخن سنج
ترکی وہ مرے قلزمِ معنی کے ہیں موتی

ٹھوکریں کھاکے بہت یار کی گھر تک پہونچے ۔ ۔ ۔ مر کے ہم کعبۂ مقصود کے در تک پہونچے
شبکو ہم بھی سگِ دربار سے چھوا کر دامن ۔ ۔ ۔ خاص عشرتکدۂ یار کے در تک پہونچے
طالبِ بوسہ یہ کل رات کو گھر سے اپنے ۔ ۔ ۔ گالیاں دیتے ہوئے وہ مرے گھر تک پہونچے
ہوا معلوم یہہ اُس وقت کہ سچ ہی معدوم ۔ ۔ ۔ ہاتھ شبکو جو مرے اُسکی کمر تک پہونچے
دیکھیں کب ہوتا ہے طوفِ حرمِ یار نصیب ۔ ۔ ۔ مر کے آج اُسکی تو ہیں راہگذر تک پہونچے
دور اُس نخلِ تمنا کے رہے جوبن سے ۔ ۔ ۔ ہاتھ میرے نہ کبھی شاخِ ثمر تک پہونچے
غرق کردیں نہ کہیں ہوکے یہ طوفان مجکو ۔ ۔ ۔ آج قطرے مری اشکوں کی ہیں تک پہونچے
کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے کبھی ٹہلکر کھائی ۔ ۔ ۔ سیکڑوں صدمے ہیں سہکر تری در تک پہونچے
آج تیرِ نگہہ دیدۂ دلبر ترکی ۔ ۔ ۔ رہ گئے ٹوٹکے جب میری جگر تک پہونچے

جو نیک ہیں بدتر کو بھی بدتر نہیں کہتے
مومن کبھی کافر کو بھی کافر نہیں کہتے

اعدا مجھے عیسےٰ معانی نہیں کہتے
یہ دیکھ کے معجز بھی پیمبر نہیں کہتے

کہتے ہیں پسِ پشت وہی تجکو دل آزار
مو نہہ پر تجھے ظالم جو ستمگر نہیں کہتے

سنگیں جگر اوس بت کو نہ لکھیں گے کبھی ہم
کفّار صنم کو کبھی پتھر نہیں کہتے

کچھ کم نہیں دفتر سے الم نامہ ہمارا
ہم ڈر سے ترے پر اُسے دفتر نہیں کہتے

تیرے دُرِ دنداں کے جو ہیں دیکھنے والے
وہ گوہرِ خوش آب کو گوہر نہیں کہتے

وہ قابلِ دوزخ ہیں کہ جو بوسہ کو لیکر
شیریں دہنِ یار کو کوثر نہیں کہتے

یہہ بھی ہے کوئی بات کہ محفل میں وہ اکثر
مجنوں مجھے کہتے ہیں ہنر ور نہیں کہتے

مرتے ہیں سسکتے ہیں تڑپتے ہیں مگر کچھہ
ہم یار سے حالِ دلِ مضطر نہیں کہتے

یہہ بھی تو فضیلت ہے کہ ترکی مجھے اغیار
بدتر بھی نہیں کہتے جو بہتر نہیں کہتے

حج کو چلی کعبہ کا ہم واعظ دوراں نکریں گے
جبتک کہ طوافِ درِ جاناں نکریں گے

ہوگا وہ گُل اندام نہ گر شانہ شانہ
بُلبل کبھی ہم سیرِ گلستاں نہ کریں گے

مجنوں کی طرح ہونگے نہ مشہور کہ جبتک
مجنوں کیطرح چاک گریباں نکریں گے

دل چیز ہے کیا جسکو چھپا رکھیں گے تجہ سے
کیا مال ہے جاں تجھہ پہ جو قربان نکریں گے

ترکی درِ جاناں پہ جو ہو جائیگا مسکن
پھر خواہشِ اورنگ سلیماں نہ کریں گے

دیکھکر مجنوں بھی اب کہتا ہے سودائی مجھے
جانتی وحشی ہیں سب آہوئے صحرائی مجھے

کر دیا ہے اوس بُت ترسا نے ترسائی مجھے
ساکنِ مسجد لکھیں گے اب کلیسائی مجھے

دیکھکر انجان کیسا ہو گیا محفل میں آج
ایک مدت سے تھی جس بُت سے شناسائی مجھے

ہندوؤں میں برہمن سیّد مسلمانوں میں ہوں
جانتی ہر قوم ہے اپنا ہی شیدائی مجھے

دیکھکر صورت مری کہنے لگی بازار میں
برہمن دو ایک تو دو ایک عیسائی مجھے

شیخ کا میں وعظ سنتا اور برہمن کی کتھا
پھوڑتا کاکدں اگر یہہ کنج تنہائی مجھے

دیکھنے والا ہو نہیں شمشاد قدِ یار کا
کب پسند آئیگی تیری سرو رعنائی مجھے

کچھہ ٹھکانا ہی نہیں میری جگہ کا دوستو
کر دیا ہے یار ہرجائی نے ہرجائی مجھے

ہمرہِ اغیار پیکر بادۂ گلرنگ جب
وہ ہوئی بے شرم محفل میں تو شرم آئی مجھے

پھر غمِ جاناں میں ہوگا روز غم کا سامنا
پھر ستائیگی شبِ فرقت کی تنہائی مجھے

گرچہ ناواقف ہیں اس عاجز سے اختر اور جلیل
جانتے ہیں خوب لیکن میر مینائی مجھے

بحر خوں ہوتا ہے ترکی میری آنکھوں سے رواں
یاد جب آتے ہیں غالب اور صہبائی مجھے

سبزستاں دیکھکر زلفِ دوتا یاد آگئی
دیکھکر دامانِ گل ان کی قبا یاد آگئی

ولہ

بے تکلف بادۂ گلرنگ تم پینے لگے
پہلے تو پیتے تھے کم اب خم کے خم پینے لگے

ولہ

خم ہوتا ہے شمشاد گلستاں تری آگے
خنداں نہیں ہوتا گلِ خنداں تری آگے

گر ماہ نہیں ہے ترا رخسار تو پھر کیوں
ہے رقص کناں کبکِ بیاباں تری آگے

افسوس کہ تو چپ ہے اور بزم میں اغیار
پھاڑیں مرا دامان و گریباں نہ ری آگے

ولہ

جمع کر کچھ زادِ رہ روزِ سفر نزدیک ہے
رات تھوڑی سی ہے باقی اب سحر نزدیک ہے

کچھ تو باعث ہو کہ جاتے ہیں وہ دشمن کیطرف
ورنہ اُنکے گھر سے میرا بھی تو گھر نزدیک ہے

ای سنانِ یار پہلو سے ذرا آگے بھی چل
تجھ سے اب سینہ بھی دل بھی اور جگر نزدیک ہے

غیر کے شانے پہ رکھنے میں قدم وہ جانکر
ورنہ اُن کے پاؤں سے میرا بھی سر نزدیک ہے

ہو چکیں طے منزلیں ترکی شباب و شیب کی
اب نہ رستے میں ٹھہر غافل کہ گھر نزدیک ہے

آتا ہے میرے دشت میں مجنوں کبھی کبھی
ہوتا ہے اُس سے خوش دلِ محزوں کبھی کبھی

دریائے فکرِ شعر میں رہتا ہوں گرچہ غرق
لگتے ہیں ہاتھ پر دُرِ مضموں کبھی کبھی

مستی میں شعر سُنکے مرے جایزہ میں وہ
دیتے ہیں بوسہ لبِ میگوں کبھی کبھی

دردِ نہانِ بلبلِ بیتاب دیکھکر
کرتے ہیں وہ عیاں رخِ گلگوں کبھی کبھی

اس چشمِ تر کو دیکھنے آتے ہیں گاہ گاہ
کرتے ہیں سیر وہ لبِ جیحوں کبھی کبھی

وہ حیلہ ساز آتا ہے کب دم میں دم بدم
ہوتا ہے کار گر مرا افسوں کبھی کبھی

آتا نہیں ہے گنجِ سخن ہاتھ ہر گھڑی
مل جاتا ہے خزینۂ مدفوں کبھی کبھی

ذکرِ خدا کو چھوڑ کے یہہ خواجگانِ عصر
کرتے ہیں ذکرِ مخزنِ فاروں کبھی کبھی

آجاتی ہے جو موج تو کر لیتے ہیں غزل
اُردو کی بھی زبان میں موزوں کبھی کبھی

جاتے وہ میرے گھر سے ہیں سیدھے عدو کی سمت
ہو جاتا بخت ہے مرا واژوں کبھی کبھی

ترکی ستادہ کرکے وہ مژگانکی فوج کو۔
کرتے ہیں میرے قلب پہ شبخوں کبھی کبھی ؛

طور کے بدلے جمالِ روے یار آنکھوں میں ہے۔ ؛
اور بجاے سرمۂ خاکِ کوے یار آنکھو میں ہے۔

ولہ

دمبدم جادۂ دلدار میں بیٹھی اُٹھے
ہر قدم وادیٔ پرخار میں بیٹھی اُٹھے

ضعف سے اتنی ہیں لاچار کہ مانند غبار
سیکڑوں بار رہ یار میں بیٹھی اُٹھے

شرم مانع تھی مگر تب بھی تری یاد میں آج
محفلِ واعظِ دیندار میں بیٹھی اُٹھے

ناتوانی کا بُرا ہو کہ تری بزم تک آج
بارہا کوچہ و بازار میں بیٹھے اُٹھے

تب رہِ عشق ہوئی قطع کہ جب ہی ترکی
ہر قدم وادیٔ پرخار میں بیٹھی اُٹھے

غیر کے گھر سے مجھے ملتی ہیں جب آتی ہوئے
کاٹکر رستہ کو کیا جاتے ہیں بل کھاتے ہوئے

شربتِ وصل اب پلا دے ای بت شیریں دہن
ایک مدت ہوگئی ہے زہرِ غم کھاتے ہوئے

ولہ

زنّار اور سبحۂ صد دانہ توڑے
ترکی مگر نہ شیشہ و پیمانہ توڑے

ولہ

اب زباں سے مجکو بھی وہ آشنا کہنے لگے
عاشقِ جانباز اپنا جا بجا کہنے لگے

اٹھہ گئے خلوت سے ہو کر درہم و برہم وہیں
ہم جو اپنا دردِ دل اُن سے ذرا کہنے لگے

آہوانِ دشت بھی اب لف پہ چیں کرتی ہی
مشکِ تبت مشکِ چیں مشکِ خطا کہنے لگے

اسقدر چمکا ہے حسن اُسکا کہ اُس کا فر کو سب
بڑھ گیا ہے اُن سے اتنا اب ہمارا اختلاط۔
ہو گیا ہر شخص حیراں جب وہ رستے میں ہمیں
پہلے تو کہنے تھے بُت اور اب خدا کہنے لگے
ہم کو وہ بندے تو ہم اُنکو خدا کہنے لگے
گالیاں دینے لگے اور ہم دعا کہنے لگے

یار اور اغیار شب کو جس قدر محفل میں تھے
اس غزل کو سنکے ترکی مرحبا کہنے لگے

موسےٰ کو جب اُس شاہد مستور کی سوجھی
ہم کو بھی ترے عارض پُر نور کی سوجھی
مجکو شب فرقت میں جو اُس حور کی سوجھی
دل نے کہا شاباش بہت دور کی سوجھی
واعظ نے کیا ذکر جو کوثر کا تو سُنکر۔
مستوں کو وہیں بادۂ انگور کی سوجھی
شمع رخ دلدار کی دیکھی جو تجلّی ؛
موسےٰ کو چراغ جبل طور کی سوجھی
سنتا ہے پھر افسانہ تری زلف سیہ کا
پھر قلب حزیں کو شب دیجور کی سوجھی
چیچک کے رخ شیخ پر آئے جو نظر داغ
رندوں کو وہیں لالۂ زنبور کی سوجھی
دیکھا جو تکبّر سر منعم میں تو ہمکو
پامالیٔ مغفر سر فغفور کی سوجھی
نشہ میں انا الحق جو زباں سے مری نکلا
دشمن کو طناب رگ منصور کی سوجھی
میں ہو گیا مدہوش مے وصل سے جسدم
پھر پاس کی سوجھی نہ مجھے دور کی سوجھی
سیمیں تری ساقین جو نظر آئیں شب وصل
تا صبح نہ پھر مجکو رخ حور کی سوجھی

تیری تو اُسے سوجھتی ہر وقت ہے لیکن
تجکو نہ کبھی ترکی رنجور کی سوجھی

دیکھکر جنّت کو اُسکی رہ گذر یاد آگئی۔
حور کو دیکھا تو وہ تر چہی نظر یاد آگئی
کوہ وہاموں دیکھکر یاد آگئے فرہاد و قیس
بحر کو دیکھا تو اون کی چشم تر یاد آگئی

ولہ

جب ہوئی وحشت تو گھر ہامون نظر آیا مجھے
چشم تر سے کوبکو جیحون نظر آیا مجھے

ولہ

نام خط دیکھہ کے رخسار صنم بھول گئے
ورد ہر روز جو کرتے تھے وہ ہم بھول گئے
یار کے گھر کے سوا کچھ نہ رہا یاد ہمیں
جادۂ دیر بھی اور راہ حرم بھول گئے
عہد باندھا تھا جو کل غیر کے گھر جانیکا
پھر گئے آج مگر قول و قسم بھول گئے
جسقدر یاد تھے صدمے شب تنہائی کے
تجھ سے ملتے ہی وہ سب تیری قسم بھول گئے

کوچۂ یار میں پھر جاتی ہوں آج اے ترکی
کیا مگر کل کے وہ سب جور و ستم بھول گئے

کان میں پہنی جو اُس حور نے زر کے پتے
گر گئے شرم سے شاخ گل تر کے پتے
میرے دیوان کے اوراق کی دیکھی جو چمک
طور کے گر گئے خجلت سے شجر کے پتے
بحر ہیں دیدۂ پر آب شجر ہیں مژگاں
اشک گلرنگ ہیں مژگانکی شجر کے پتے
ہیں جو دیوان کے اوراق سخن سنجونکی
کہتے جاہل ہیں انہیں اہل ہنر کے پتے
بھیجا خط ہوں جو اُس طفل پریزاد کو میں
وہ کبوتر کے بنا لیتا ہے پر کے پتے
یوں اُڑاتا ہے وہ گلرو مرے دیوانکے ورق
پنجۂ بادِ خزاں جیسے شجر کے پتے
عوض گنجفہ اوس سیم بدن کیلئے طرب
لیکے جاؤں گا میں کل کاغذ زر کے پتے
کیوں بناتے نہیں وہ کاٹ کے بازی کیلئے
تاش کے بدلے مرے لخت جگر کے پتے

اشک خوں رہتی ہیں یوں میری مژہ پر ترکی
خار کی نوک پہ جیسے گل تر کے پتے

مرنیسے میرے یار کے دلپر قلق تو ہے
ہر چند موہنہ سے چپ ہو مگر رنگ فق تو ہے

سقفِ فلک ہے دور مگر نالہ سی مرے
ہلتا بر نگ کاہ زمیں کا طبق تو ہے

خالق کے اختیار میں ہے یوں تو مرگ و زیست
قلب حدود مگر مری معنی سی شق تو ہے

مانا کہ منہ نہیں ترے رخ کی طرح مگر
ہلتا لبو نکے رنگ ہیں رنگ شفق تو ہے

ہے گرچہ بند نامہ و پیغام دیر سے
یاد اُن کو میرے نام کا لیکن سبق تو ہے

کاغذ جو اُس نے مانگا کہا میں نے دیکر دل
موجود میرے پاس یہ رنگین ورق تو ہے

سنکر وہ اپنی مدح یہہ کہنے لگے مجھے
تُرکی ترے قصیدہ کا مضمون ادق تو ہے

سجدہ کرتے ہیں درِ یار کو آتے جاتے
بوسہ دیتے ہیں دیوار کو آتے جاتے

دخل میرا ہی نہیں بزم میں اُس کی ورنہ
دیکھتا روز نہوں اغیار کو آتے جاتے

اپنی قسمت میں نہیں وصل کی دولت لیکن
دیکھہ لیتے ہیں رُخ یار کو آتے جاتے

جلوۂ عارضِ زیبا وہ دکھا دیتے ہیں
دیدۂ طالبِ دیدار کو آتے جاتے

چارہ کرنیکے ہو مختار مگر دیکھہ تو لو۔
حالتِ عاشقِ بیمار کو آتے جاتے

دیکھتا کیوں ہے جو جان اُسمیں نہیں منعم کی
مخزنِ درہم و دینار کو آتے جاتے

سجدہ کر دیتے ہیں ہم قبلہ سمجھکر تُرکی
روزِ سنگِ درِ دلدار کو آتے جاتے

اس طرح رکھتا ہوں خط یار کا سر کے نیچے
جیسے تعویذ ہو بیمار کا سر کے نیچے

رکھہ لیا کرتے ہیں میخوار صبوحی کے لئے
شب کو شیشہ مئی نا ہار کا سر کے نیچے

شکوہ رکھہ لیتے ہیں تکیہ کیعوض عاشقِ زار
سنگ لیکر درِ دلدار کا سر کے نیچے

جان منعم کی نہیں اسمیں تو پھر کیوں شب کو
کیسہ رکھہ لیتا ہے دینار کا سر کے نیچے

بسکہ نازک وہ سمن بر ہے بنا کر شب کو
تکیہ رکھہ لیتا ہے گلنار کا سر کے نیچے

پہلوے حور سے بھی اُسکو ملائم سمجھوں
ہو جو تکیہ تری دیوار کا سر کے نیچے

کاٹ کر رکھا ہے تکیہ کیعوض اُسنے آج
سر کسی عاشق بیمار کا سر کے نیچے

رکھتا ہر شب وہ صبا دنبا کر بالش
بال مرغان چمن زار کا سر کے نیچے

نیند آتی نہیں اُس مہ کو نہیں تو ہی
تکیہ پھولوں کے اگر ہار کا سر کے نیچے

سیمبر خواب وہ کرتا نہیں جنبک کہ نہو
ہاتھہ شب کو کسی زردار کا سر کے نیچے

آکے سو جاؤں کہیں ساتھہ میں اس خوف سے وہ
قبضہ رکھہ لیتے ہیں تلوار کا سر کے نیچے

یاد میں کاکل پرچیں کی میں شب کو تری
تا فہ رکھہ لیتا ہوں تاتار کا سر کے نیچے

ہیں یاد میں اے ماہ تری ماہ کو تکتے
بیٹھے ہیں سر راہ تری راہ کو تکتے

ولہ

شام فرقت کی نہیں ہوتی سحر معلوم ہے
ہوگا اشکوں سے نہ کم سوز جگر معلوم ہے

ہم بھی مثل داغ وصہبائی کریں گے ایکدن
اس خراب آبادی تن کی سفر معلوم ہے

ولہ

کہولا نہ کرو زلف معنبر مرے آگے
کیوں چھوڑتے گیسو کا ہو اژدر مرے آگے

تنکا سا ہے جبریل کا شہپر مرے آگے
ہے مثل سبو گنبد اخضر مرے آگے

کج مج نظر آتے ہیں سخنور مری آگے
اک طفلک نوخواندہ ہے سنجر مرے آگے

یہہ بھی تو ستم ہے کہ پیا کرے ہو ہر شب
ہم ساتھہ عدو کے مئی احمر مرے آگے

لکھا نہ کبھی خطِ دو حرفی بھی مرے نام
غیروں کو رقم کرتے ہو دفتر مری آگے

بر نیر دیا کرتے ہو غیروں کو پیالے
خالی ہی نہیں رکھتے ہو ساغر مری آگے

چھپ جاتا ہے اسلام پسِ پشتِ حیا سے
آجاتا ہے جس روز وہ کافر مری آگے

ہو جاتے ہیں تازہ یہ گلِ زخمِ دلِ ریش
پھولوں کا نہ پہنا کرو زیور مری آگے

اُس افعیٔ گیسو کا ہوں عاشق نہ چلے گا
زنہار فسوں سازکا منتر مری آگے

ہر چند گدا ہوں مگر اے ہمتِ عالی
ہے دانہ جو دانۂ گوہر مرے آگے

عاشق لبِ شیریں کا ہوں سو اے ترکی
خجلت سے بھی جاتی ہے شکر مرے آگے

بسمل دلِ بیتاب ہے زخمی ہے جگر بھی
شمشیر جو ابرو ہے تو خنجر ہے نظر بھی

جس روز سے دل میں ہے غمِ کاکلِ عارض
روتی ہے مرے حال پہ شام اور سحر بھی

یہ دل کی ہے بدخواہ وہ دشمن ہے جگر کی
رفتار قیامت ہے تو آفت ہے نظر بھی

وہ دیکھ کے کہتے ہیں مجھے بزمِ عدو میں
چلدو رہو کم بخت یہاں سے کہیں مر بھی

ولہ

تو باغ میں جاتا تو تجھے گل کو دکھاتے
عارض ترا گلگشت میں بلبل کو دکھاتے

یہ چشمِ سیہ مست وہ گیسوئے مسلسل
نرگس کو دکھاتے کبھی سنبل کو دکھاتے

اس دور میں ہوتے تو یہ ہم دونوں زمیں پر
ناشاد کو اور طالبِ آمل کو دکھاتے

گر یوسفِ مصری کبھی لاہور کو آتا
ہم بھی اُسے دلبر کے تجمل کو دکھاتے

ہوتا کبھی گلشن میں جو ترکی وہ مری پاس
رخسارہ ترا اُس کا گل و بلبل کو دکھاتے

کنایۃ از اردو پیاری

حسب الحکم سرکار ایں غزل در پارسی نوشتہ بودم بعد زاں حسب ایما بہ تبدیل
قافیہ در اُردو نوشتم مطلع فارسی ایں است

مژدہ اے جوشِ جنونم شبِ گُل می آید — مستعد باش کہ شبِ گُل می آید

واضح باد کہ شبِ گُل مراد از شبِ بہار است چنانچہ شبِ ماہ و شبِ برف و شبِ باراں وغیرہ

مژدہ باد اے دلِ شیدا شبِ گُل آتی ہے — بلبلیں کرتی ہیں ایما شبِ گُل آتی ہے

کہتی ہے بادِ سحر زلف کے دیوانوں سے — کرو گلشن کا تماشا شبِ گُل آتی ہے

ساکنانِ حرم و دیر سے کہدو جا کر — کرو اب قصدِ چمن کا شبِ گُل آتی ہے

مے پرستوں سے یہ کہدی تو نسیمِ سحری — لے چلو باغ کو صہبا شبِ گُل آتی ہے

باغباں کھولدے دروازۂ گلشن جلدی — اب نکرو عدۂ فردا شبِ گُل آتی ہے

صبح عارض تو دکھادیگا اگر بلبل کو — پھر کہے گی نہ وہ اصلا شبِ گُل آتی ہے

بھیجے شیشہ و پیمانہ لئے ہاتھوں میں — کہتے پھرتے ہیں یہ ہر جا شبِ گُل آتی ہے

مژدہ اے بادہ پرستاں کہ سحر گاہ سے آج — شور گلشن میں ہے برپا شبِ گُل آتی ہے

ہو گیا جوشِ جنوں اور ترقی پہ مرا — ہے سُنا جب سے یہ مژدہ شبِ گُل آتی ہے

صبح سے آج تقاضا ہے دلِ شیدا کا — چل سوی باغ خدارا شبِ گُل آتی ہے

لیچلا جوشِ جنوں کھینچکے پھر گلشن کو — یہی کرتا ہوا غوغا شبِ گُل آتی ہے

صحنِ گلشن میں کہو بادہ کشو سنی تم کی
لے چلیں ساغر و مینا شبِ گُل آتی ہے

جتنے اُس گل نے چبوئے مری تن میں کانٹے
اس قدر قیس کہاں ہے تری بن میں کانٹے

کل جو ہمراہ وہ گل رو دمِ گلگشت نہ تھا
بدلے گل کے نظر آتے تھے چمن میں کانٹے

دشمنی گر یوں ہی حاسد کو رہیگی مجھ سے
بدلے پھولوں کے وہ رکھدیگا کفن میں کانٹے

خار ہو کر بھی گل چبتے ہیں دل میں اُنکے
جو یہ کہتے کہ ہیں تیری سخن میں کانٹے

لکھی بیحد ہے ثنا نوکِ مژہ کی تیری
کیا تعجب ہے کہ پڑ جائیں دہن میں کانٹے

یوں مری راہ میں وہ خار بچھا دیتے ہیں
فوج دشمن کے لئے جیسے کہ رن میں کانٹے

حیدرآباد کو آتے نہ کبھی ہم ترکی
رہ میں گر یار بچھاتے نہ وطن میں کانٹے

کیوں نہ ہوں ہوی خطِ سبز نظر میں کانٹے
کہ نکل آئے ہیں برگِ گلِ تر میں کانٹے

گل رخوں سے یہ کہے کسی روز کہونگا جاکر
کیوں بچھاتے ہو مری راہ گذر میں کانٹے

رات کو فرقتِ دلدار میں روتے روتے
موئے مژگاں سی جبیے دیدۂ تر میں کانٹے

غیر سُن لیتے ہیں جب قصد تری کوچے کا
شب کو رکھدیتے ہیں لاکر مرے در میں کانٹے

نوکِ مژگاں کے تصور میں تری غنچہ دہن
سیکڑوں چبھ گئے ہیں مری جگر میں کانٹے

سبزۂ خط نظر آتا ہے لبِ نوشیں پر
یا نکل آئے ہیں تہ تنگ شکر میں کانٹے

غیر یوں رہتے ہیں اُس سبز قبا کی ہمراہ
جسطرح ہوتے ہیں شاخ گلِ تر میں کانٹے

عکس خط کا ترے بالیکے جو موتی میں پڑا
ہم یہ سمجھے کہ نکل آئے گہر میں کانٹے

موے سر جوشِ جنوں میں جو بڑھے ای مجنوں
میں نے سمجھا کہ نکل آئے ہیں سر میں کانٹے

اس قدر تیر لگے اوس کی مری سینہ میں
خلق سمجھی کہ یہ نکلے ہیں سپر میں کانٹے

پاک کر دل کو خصومت سے کہ بو دیتا ہے
یار یہہ تخم حسد قلب بشر میں کانٹے

شب فرقت میں جو پڑ جاتا ہوں بستہ پہ کبھی
برگ گل چبھتے ہیں ہو کر مری بر میں کانٹے

لیکے جاتا ہے جو خط میرا تو غصہ سے وہ میں
وہ کبوتر کے چبو دیتے ہیں پر میں کانٹے

غیر راتوں کو بچھا دیتے ہیں ضد سے لاکر
رہگذر میں مری در میں مرے گھر میں کانٹے

سخت ہے منزل دلدار کا رستہ ترکی
چبھتے ہیں پاؤں میں ایسے ہی سفر میں کانٹے

جان آکر اک تقاضا لے جائے گی
اور گھر سے میرے کیا لیجائے گی

دل کو سینہ سے چرا لے جائے گی
اور زلف یار کیا لیجائے گی

کوئے جاناں کو صبا لیجائے گی
مثل تنکے کی اڑا لیجائے گی

آنے دو آتی ہے گر زال جہاں
میں ہوں مفلس میرا کیا لیجائے گی

موسم گل میں گلستاں کی طرف
موج چشم تر بہا لیجائے گی

پھر مجھے دلی سے سوی سومنات
یاد اس بت کی لوا لیجائے گی

کوے ساقن آکے دستار ریا
آپ کی یہہ پارسا لیجائے گی

دہر سے ساتھہ اپنے داغ دوستاں
یہہ مری طبع رسا لیجائے گی

پھر مجھے لاہور سے منگروں کو۔
گردش چرخ دوتا لیجائے گی

پوری ہو جائیگی ترکی جب حیات
اوسکے کوچہ کو قضا لیجائے گی

ولہ

وہ کرے گا قتل مجکو یہ خبر پہلے سی تھی
یار کی بدلی ہوئی مجھپر نظر پہلے سی تھی

ولہ

میرے اشعار کو غالب سی لڑائی کوئی
مصحفی سے مرے دیواں کو ملائی کوئی

میرے نغمہ سے ملیگا نہ کبھی نغمۂ غیر
نہیں ممکن کہ مرا رنگ اڑائے کوئی

ہوکے آزردہ وہ جاتے ہیں منائی کوئی
میں چلا جاتا ہوں کاش انکو مٹھائی کوئی

زیر دامن سر گردوں کو چھپائے کوئی
آہ سوزاں سے مری اسکو بچائی کوئی

ہوگیا مست وہ صہبا سی سنبھالی کوئی
گر گیا یار ہے محفل میں اٹھائے کوئی

بزم میں آکے وہ کہا جائیگا سر ندونگا
حضرت شیخ کو باہر ہی سے ٹالے کوئی

زادۂ گرگ ہوا کرتا ہے گرگ ای غافل
بچۂ خصم کو زنہار نہ پالے کوئی

کوکب چرخ کا آسان ہی گننا لیکن
گن سکے گا نہ مری پاؤنکے چھالے کوئی

جمع احباب ہیں اور بادۂ گلرنگ بھی ہے
کاش اس ساقی گلرو کو بلالے کوئی

سخت مشکل ہے فن شعر نہیں ہے ممکن
کہ چنے لوہے کے آسان چبالے کوئی

وصل اس ماہ کا کس رات میسر ہوگا
قرعۂ فال مرے نام کا ڈالے کوئی

وہ تھے آدم ہی کہ جنت سی نکلوائی گئے
تیرے کوچہ سے بھلا مجکو نکالے کوئی

کوہ اور دشت نوردی سے ہوئی سیر ہمیں
دیکھے آج آکے مرے پاؤنکے چھالے کوئی

وصل کیواسطے افسوس کہ کل کی مانند
کر رہا آج ہے پھر حیلے حوالے کوئی

میں کرونگا کبھی شکوہ یسے نہ آلودہ زباں
جتنا جی چاہی مجھے آکے ستالے کوئی

پیر صد سالہ سے اچھی نہیں چھیڑ اے برنا
آخری وقت ہے اب مجھ سی دعا لے کوئی

مژدہ اے دل کہ شبِ وصل میں وہ کہتے ہیں
جس قدر جی کے ہیں ارمان نکالے کوئی

چودھویں رات ہے اور جلوہ فگن تو بھی ہے
ماہ سے آج ترے رُخ کو ملالے کوئی

ہے یہی خوف کہ کل شب کیطرح اے ترکی
کانٹے آکر نہ مری راہ میں ڈالے کوئی

کیا اُٹھیں ترے در سے کہ گھر ہم نہیں رکھتے
کیونکر کریں پرواز کہ پر ہم نہیں رکھتے

ہیں شہد سے شیریں یہ مزے معنی شیریں
کیا غم ہے اگر تنگ شکر ہم نہیں رکھتے

ولہ

اُس بُت کی جفا یونکا بیاں ہم نہیں کرتے
مرتے ہیں مگر شور و فغاں ہم نہیں کرتے

پیری و جوانی کا نہیں عہد یہ یکساں
پروا ہے بہار اور خزاں ہم نہیں کرتے

ہیں یار تو یکسو کبھی غیر و نکا ہی تو کبھی
واللہ برائی سے بیاں ہم نہیں کرتے

سنگ آتش سے ہو از رنگ سی آہن خالی
نہ ہوا کینہ سے لیکن دلِ دشمن خالی

دُرِ مضموں سے نہو گا مرا دامن خالی
نہیں ہو گا گلِ رنگیں سی یہ گلشن خالی

کس لئے آج دوپٹے سی ہے جوبن خالی
ناک ہی لونگ سے اور ہار سی گردن خالی

کر دیا یاروں نے زر سے مرا دامن خالی
چیونٹیوں نے کیا دانہ سے یہ خرمن خالی

دیکھتا اوس کو میں کسطرح کہ دیواروں کا
چشم مردم سے نہ تھا کوئی بھی روزن خالی

تھا بجز خاک نہ کچھ تن میں تبھی تو پس دفن
نظر احباب کو آیا مرا مدفن خالی

پھنس گئی دام میں صیاد کی شاید بلبل
نظر آتا ہے کہ بلبل کا نشیمن خالی

ضعف سے کر نہ مجھے دور کہ ہو جاتی ہے کم
اے جواں رشتہ سے ہوتی ہے جو سوزن خالی

ہڈیاں جل چکیں اب مغز نہیں جلنیکا
بے فتیلہ کے نہیں جلتا ہے روغن خالی

تھا زر و سیم سے معمور جو گھر منعم کا
کر گئے خویش و اقارب پس مردن خالی

دل دشمن میں رہے غصہ کہ کر دیتا ہے خوں
سنگ سے ہوتا ہے جس وقت فلاخن خالی

سینہ ترکی مرا مضمون سے ہوگا نہ تہی
لعل سے یہ نہیں ہوتا کبھی معدن خالی

جنوں نے فصل گل میں کر دی زنجیر کی ٹکڑی
اڑائے آہ نے سقف سپہر پیر کی ٹکڑے

شہادت کس طرح ہوتی کہ وقت ذبح قاتل کی
مرے سنگیں جگر سے ہو گئی شمشیر کے ٹکڑے

سناؤں داستان غم میں انکو کس طرح یہ دل
کہ کر دیتے ہیں سنکر وہ مری تقریر کی ٹکڑے

ہوئی جب قتل سے تسکین اس بت کی تو پھر
کئے صد ہا مرے آئینہ تصویر کے ٹکڑے

ذرا پیوند کر دینا اگر ملجائیں اے ترکی
کبھی رہ میں مری ٹوٹی ہوئی تقدیر کے ٹکڑے

پیش پھر روز جدائی کی مصیبت آئی
پھر ہمارے دل شیدا پہ قیامت آئی

آج آ آ کے پلٹتے ہیں وہ مجھ سے شاید
یاد ایام گذشتہ کی محبت آئی

ولہ

ہونٹھ ہیں یار کے برگ گل تر کے ٹکڑے
دیکھکر کہتے ہیں دانتوں کو گہر کی ٹکڑے

نگہہ یار ہے یوں کرتی جگر کے ٹکڑے
جیسے پولاد کی شمشیر سپر کے ٹکڑے

بے نوا گرچہ ہوں درویش مگر غیرت سے
منعموں کے نہیں کہاتا ہو نگیں کی ٹکڑے

کر دیا کوہ الم نے ہے مرا سخت جگر
کہیں ہو جائیں نہ قاتل کی تبر کی ٹکڑے

محتسب سنگ جفا نے تری شیشہ کی صوفی
رات کو خوب اڑائی مری سر کے ٹکڑے

آ کے میخانہ میں پتھر سے عسس نے شب کو
کر دئے شیشہ سمجھ کر مری سر کے ٹکڑے

لے گیا حشر میں بیاس اپنی بجھانیکو لئے
زاہد خشک مرے دامن تر کے ٹکڑے

بزم جاناں میں نہیں ہیں یہ مری لختِ جگر
شمع کے گرد ہیں پروانہ کے پر کے ٹکڑے

نگہہ خصم سے کر خوف کہ کر دیتے ہیں
دیدۂ زشت عیون قلب حجر کے ٹکڑے

بس کر ای ناصح مشفق کہ نصیحت یہ تری
سنگ کی طرح نہ کر دے کہیں سر کے ٹکڑے

کر دئے ہیں شبِ فرقت میں نہیں بال دل
سنگِ نالہ نے مری چرخ کے سر کے ٹکڑے

ہوں فقیری میں غنی اتنا کہ تو کی مجھکو
ٹکڑے آہن کے نظر آتے ہیں زر کے ٹکڑے

کم میں نہیں ہوں نعت میں حسّان عجم سے
ہے کذب تو تصدیق کر لوح و قلم سے

مشتاق جو ہیں لعل سخن سنج کے تیرے
وہ بات نہیں کرتے ہیں حورانِ ارم سے

ولہ

دُر جان کا جس میں ہو وہ دولت نہیں اچھی
جو دین کی دشمن ہو وہ صحبت نہیں اچھی

کر لیتے ہیں عاقل دل دشمن کو بھی اپنا
ناداں تری ہر اک سے عداوت نہیں اچھی

اک حرف سے کر دیتے ہو دل نذر دو عالم
اے شیخ تمہاری یہ کرامت نہیں اچھی

فرماتے ہیں جب کرتا ہوں کچھ شکوۂ ہجراں
ہو جس میں شکایت وہ حکایت نہیں اچھی

سن لیتے ہو اغیار کا جی بھر کے فسانہ
کیا میری مصیبت کی حکایت نہیں اچھی

بارش نے مجھے کوچۂ جاناں سے ہے روکا
سچ کہتے ہیں بیوقت کی رحمت نہیں اچھی

مضمون جو نہیں شعر میں بیکار ہے بندش
پھیکی جو نظر آئے وہ رنگت نہیں اچھی

لیلے کا تماشا کرو محنوں کی نظر سے
کیوں کہتے ہو مجنوں سے کہ وہ صورت نہیں اچھی

دعوت ہے امیروں کی فقیروں کا شکنجہ
درویش کے حق میں یہ ضیافت نہیں اچھی

ظاہر کی عنایت ہے عداوت سے بھی بدتر
ہو جس میں تکلف وہ محبت نہیں اچھی

یہہ گرد خصومت کہیں ہو جا نہ دیوار
اے پاک منش دل کی کدورت نہیں اچھی

دعوائے سخن کرتے ہیں وہ بزم میں تزکی
تانیث میں لکھتے ہیں جو خلعت نہیں اچھی

دکن سے لائے ہیں تحفہ وہ میرے سر کے لئے
سمر وہی خطۂ گجرات سے جگر کے لئے

ہمیشہ خانۂ دنیائے دوں کی فکر رہی
نہ زاد جمع کیا ہم نے کچھ سفر کے لئے

وله

بہارِ عارضِ رعنا رہے رہی نہ رہے
شمیم زلف سمن سا رہی رہی نہ رہے

ہمیشہ دولتِ دنیا رہی رہے نہ رہے
گریز پا ہے یہ قحبہ رہے رہی نہ رہے

خبر ہے کسکو کہ تا صبح بزم عشرت میں
صدائے قلقلِ مینا رہی رہی نہ رہے

پلا دے ہمکو بھی ساقی کہ ہی خبر کسکو
مدام شیشہ میں صہبا رہی رہی نہ رہے

دلا دے کچھ ہمیں منعم کہ فیض کا تیرے
رواں ہمیشہ یہ دریا رہی رہی نہ رہے

خبر یہہ کسکو ہے تا شام ای پری طلعت
یہ مہر حسن کا جلوا رہی رہے نہ رہے

جو آج دنیا ہے دیدی کہ ہے خدا آگاہ
یہ مال تا دمِ فردا رہے رہے نہ رہے

ہے فکر مرغِ چمن کو یہی کہ بعد بہار
یہ حسن شاہدِ گل کا رہی رہی نہ رہے

سفیرِ عمر کا اے دوست اعتبار نکر
کسے بھروسے اسکا رہی رہی نہ رہے

یہی ہے ڈر کہ سحر تک کنارِ منعم میں ۔ عروسِ دولتِ دنیا رہی رہے نہ رہے

نہ یادِ حق سے رہو غافل ایکدم ترکی
کسے ہی دم کا بھروسہ رہی رہی نہ رہے

لبِ ریزِ گلِ حسن سے دامن نکریں گے جبتک تری دیوار میں روزن نکریں گے
جب تک کہ نہو گا ترا دیدار میسّر ۔ ہم شاخ پہ سدرہ کے نشیمن نکریں گے

ولہ

آنکھوں میں اُسکے گو ہے شرارت بھری ہوئی ہے بوسہ دہن میں تو لذت بھری ہوئی
صندوق میں نہیں مری دولت بھری ہوئی سینہ میں ہے مگر مئی الفت بھری ہوئی ۔
رہتی ہے جیسی سنگ میں بند آتش اسطرح ہے دلمیں اُس صنم کے شرارت بھری ہوئی
خرمن کے گنج ہیں مری آنکھوں میں مشت خاک ہے زر سی اس قدر مری نیت بھری ہوئی
کہدوں گا شیخ سے کہ نہ اُس سے وضو کریں صہبا مری سبو میں ہی حضرت بھری ہوئی
آنکھوں میں گو نہیں ہے شرارت تری مگر ہے سینہ میں تو گرد کدورت بھری ہوئی
دعوائے عشقِ حق اُسی شایاں نہیں ہے شیخ ہو جسکے دل میں گرد خصومت بھری ہوئی
دیکھی ہیں شیخ جی کی گلستاں و بوستاں ہر لفظ میں ہی پند و نصیحت بھری ہوئی
مینای دل میں ہی مرے روز الست سی اے پار سا شرابِ محبت بھری ہوئی
دشمن کے لب کہلی نہ ستایش کیواسطے تھی میرے شعر میں یہ حلاوت بھری ہوئی
رسمِ وفا سے اُس کو غرض کیا ہی دوستو جس یار کے ہو دل میں خصومت بھری ہوئی

ترکی شہیدِ ناز میں اک گلبدن کا ہوں
پھولوں سے چاہئے مری تربت بھری ہوئی

ہے دلمیں میرے علم کی دولت بھری ہوئی
دنیا کے مال سے ہے طبیعت بھری ہوئی

گھر میں تو نگروں کے ہے دولت بھری ہوئی
پھر کیوں نہ اُن کی سر میں ہو نخوت بھری ہوئی

زر دار کو ہے نعمت عقبیٰ سے کیا غرض
دنیا کی اُس کے گھر میں ہے دولت بھری ہوئی

اے یار کیا سبب ہے کہ رہتی ہے آج کل
غیروں سے تیری محفل عشرت بھری ہوئی

کس طرح دیکھتا ترا جلوا عدو کہ تھی
آنکھوں میں اُسکے خاک مذلت بھری ہوئی

ہے ناز کی جو قامت رعنائے یار میں
کب شاخ گل میں ہے وہ نزاکت بھری ہوئی

پُرزے وہ میرے نامہ کے کرتی نہ کس طرح
ہر ایک سطر میں تھی شکایت بھری ہوئی

سنتے شب وصال وہ کیا میرا ماجرا
تھی میری داستان میں حسرت بھری ہوئی

ہنگام دفن دیکھا تماشا کشتے کو یار کے
تھی مثل حوض خوں سی تربت بھری ہوئی

بنتی ہے کیمیا مری خاک قدم سے حبب
پھر کیوں نہ زر سے ہو مری نیت بھری ہوئی

ہوتا کہیں نہ سنکے پریشاں وہ مثل زلف
تھی درد و غم سے میری حکایت بھری ہوئی

کی ۱

تُرکی مرے کلام میں روزِ الست سے
ہے کوٹ کر کسی کے حلاوت بھری ہوئی

ایکدن یوں بھی تو کرتی سیر گلشن چاہیے
بستہ دامن سے ہماری تیرا دامن چاہیے

عاشقوں کا کوچۂ جاناں میں مسکن چاہیے
شاخ گل پر عندلیبوں کا نشیمن چاہیے

پائے جاناں پر فدا کرنا سر و تن چاہیے
سینہ پر زانو نہ تہہ شمشیر گردن چاہیے

تا نہ مجکو شکر دن جستجو کرنی پڑے
تیرے گھر کے سامنے ہی میرا مدفن چاہیے

سینۂ سوزاں میں میرے بھی ہوا کیوا سطے
تیرے تیر ناز سے کوئی تو روزن چاہیے

ڈالدے روغن پسینے کا دلِ افسردہ پر
سامنے تیری چراغِ مُردہ روشن چاہیے

زلف جاناں کے لئے اے تاجرِ بادِ صبا
مشک چیں اور عنبر سارا کا معدن چاہیے

فصلِ گل نزدیک ہے میرے لئے اے سیم تن
ایک بھاری طوق اور زنجیرِ آہن چاہیے

نفسِ امارہ نے روکی ہے ہماری راہ دیں
کاٹنی اس راہزن کی آج گردن چاہیے

خوش نہو گا دیکھکر میرے کفن کی چاندنی
سیر کو اُس سیم بر کی مہ کا خرمن چاہیے

عہدِ پیری میں سوارِ طبعِ کوتر کی مرے
تازیانہ فکر کا مضمونِ توسن چاہیے

جائیں گے کشورِ دلدار کو گرتے پڑتے
طے کریں گے رہِ پُر خار کو گرتے پڑتے

دیکھکر بامِ پر اُس سیم بدن کو فوراً
لوٹ لیں گے زرِ دیدار کو گرتے پڑتے

لیکے جائیں گے شفاخانۂ جانا نہیں ضرور
آج ہم بھی دلِ بیمار کو گرتے پڑتے

ضعف مانع ہے وگرنہ تری رہ میں جا کر
چوم لیتے سُمِ رہوار کو گرتے پڑتے

گرچہ لاغر ہے مگر جاتا ہے تُرکی اے شیخ
دمبدم خانۂ خمار کو گرتے پڑتے

اب دل میں کسی شئے کی تمنا نہیں باقی
مینائے زر اندود میں صہبا نہیں باقی

وله

روٹھہ جانے کی دل لگی ٹھہری
میری موت آپکی ہنسی ٹھہری

جان تن سے فراقِ جانا نہیں
کبھی چلنے لگی کبھی ٹھہری

سیکڑوں قتل روز ہوتے ہیں
کربلا یار کی گلی ٹھہری

مرضِ نوم[1] دے گا کب اُٹھنے
تپ طاعوں اگر کبھی ٹھہری

[1] نام مرض ظلمیت کہ آدمی بعد از خواب بیدار

کیا مری پارسی بھی کچھ ترکی
دھلی والوں کی پارسی ٹھہری

کوئی پہونچا نہ ترے کوچہ میں ہم سے پہلے
آئے ہم کعبہ میں آہوئے حرم سے پہلے

ہم نہ رکھیں گے قدم سمعنا خدا شاہد ہے
گر نکالیں گے نہ واعظ کو ارم سے پہلے

کیا کریم اور سخی میں ہے تفاوت پوچھے
جا کے اتنا تو کوئی اہلِ کرم سے پہلے

بعد ملنے کے کہوں گا جو خدا نے چاہا
اب تو لکھدیتا ہوں حال اپنا قلم سے پہلے

وصل کی شب کا ہی لکھدوں گا میں قصہ ترکی
مجکو فرصت تو ملے ہجر کے غم سے پہلے

نہ پھر مانند سگ اے بلہوس زر دار کے پیچھے
نہ کھو توقیر اپنی درہم و دینار کے پیچھے

بلاتے شب کو ہیں محفل میں جب وہ غیر کو ہمدم
کھڑے رہتے ہیں تا وقت سحر دیوار کے پیچھے

چلا جاؤنگا دوزخ کو مگر گلزار جنت میں
نہیں منظور جانا زاہد دیندار کے پیچھے

یہی آتا ہے دل میں کھیل جاؤں جان پر جسم
بٹھاتے ہیں مجھے محفل میں وہ اغیار کے پیچھے

نہ تو تار و در کا جھگڑا کبھی واعظ کا رندوں سے
بنا تا گر نہ مسجد خانۂ خمار کے پیچھے

جو ہوتی استطاعت تو بناتے ہم بھی گھر اپنا
عدو کے در کے آگے یا تیری دیوار کے پیچھے

بڑی ہل چل ہوئی جب چھوڑ کر ہنگامۂ محشر
چلی آئی قیامت قامت دلدار کے پیچھے

چھپے رہتے ہیں لڑکے لیکے پتھر اپنے دامن میں
سمجھکر مجھ کو سودائی تیری دیوار کے پیچھے

کبھی مسجد سے مندر میں کبھی مندر سے مسجد میں
بہت پھرتے رہے ہم اُس بُت عیار کے پیچھے

تیری چشم سیہ اور زلف مشکیں کے تصور میں
پھرا کرتا ہوں اکثر آہوئے تاتار کے پیچھے

سراغ اُس کا برہمن سے ملا نہ شیخ سے ترکی
عبث پھرتے رہے ہم کافر و دیندار کے پیچھے

موند پھر لیتے ہیں وہ میری ندامت کے لئے پلکیں
جب کبھی جاتا ہوں میں صاحب سلامت کے لئے

چار ابرو کے صفائے پہ بھی ترکی مقتدی
مجکو لیجاتے ہیں مسجد میں امامت کے لئے

نشانِ کوے جاناں پوچھتا ہے جاکے دشمن سے
پتہ لیتا ہے منزل کا دلِ دیوانہ رہزن سے

غرض کیا مجکو تابِ آفتاب و مہ کے خرمن سے
مرے گھر میں تجلّا ہے تمہارے روی روشن سے

بحمد للہ کہ پوچھا اس قدر تو اوس نے دشمن سے ؛
جگا دیتا ہے راتوں کو مجھے یہہ کون شیون سے
پئے سیرِ گلستاں گھر سے جب نکلیں گے وہ باہر۔
لپٹ جاؤں گا خارِ راہ بنکر اون کے دامن سے
خط و رو و لب و قامت ہے خوش رو اُس سمنبر کا۔
بنفشے سے قمر سے لعل سے شمشاد گلشن سے
بہار آئی ہے مجکو کوچۂ جاناں میں رہنے دو۔ ؛
نکالو موسم گل میں نہ بلبل کو نشیمن سے
الگ سب یار ہو جاتے ہیں دشمن کی طرح فوراً۔
نکل جاتی ہے جانِ پاک جب انسان کے تن سے
لحد سے باہر آجاتا تڑپ کر یہہ دلِ مضطر ؛
چلے جاتے نہ بچکر آج تم گر میرے مدفن سے
بُلا لیتے ہو جس شب مجکو خلوت میں تو پھر اعدا۔
سحر تک جھانکتے رہتے ہیں دروازہ کی روزن سے
شبِ فرقت میں ہم رکھتے ہیں روشن ای قمر طلعت۔
چراغِ خانہ تا وقتِ سحر اشکوں کے روغن سے
جبیں کو رکھکے پاؤں پر بہت ہی منتیں کر کے ؛
ٹھکانا آج پوچھا ہم نے اُس بُت کا برہمن سے
وہ اکثر دیکھہ لیتے ہیں مرے حالِ پریشاں کو ؛

کنارِ بام سے دیوار کے روزن سے چلمن سے
بسانِ وحشیان دشت فوراً بھاگ جاتے ہیں۔
حرم میں بھی غزالانِ حرم اوس صید افگن سے
صبا کیا رہ گئی بادِ صبا بھی سو قدم پیچھے۔
دمِ جولاں مری طبعِ فلک پیما کے تو سن سے

سند لیتے ہمارے شعر کی پیری میں کب تُرکی
اگر مشقِ سخن جاری نہ رکھتے ہم لڑکپن سے

غیبت کی بداندیش کو عادت نہیں جاتی
بداصل کی طینت سے کدورت نہیں جاتی
گو عمر سے پیتا ہوں یہ عادت نہیں جاتی
اے شیخ مگر میری کرامت نہیں جاتی
اُس بت کی مری دل سے محبت نہیں جاتی
آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی
عاقل ہے تو کر علم کی تحصیل میں کوشش
تا زیست کہ یہ ہاتھ سے دولت نہیں جاتی

وصل اُس کا میسّر ہوا آخر مجھے ترکی۔
بیکار کسی شخص کی محنت نہیں جاتی

سامنے یار کے کوچہ کی جو تصویر رہے
کیوں نہ پھر پیشِ نظر گلشنِ کشمیر رہے
گرچہ آزاد بھی اور بستۂ زنجیر رہے
تیرے گیسو کے مگر سانپ گلوگیر رہے
پھر غزل کا مزہ اے مصحفی و میر رہے
سامنے بیٹھ کے محفل میں جو تحریر رہے
پھو پہلا قتل ہیں کیونکر مرے تاخیر رہے
رگِ گردن پہ جو چلتی تری شمشیر رہے

غیر کا پھر نہ خیال آئے ہمیں مسجد میں
واعظ اُس بُت کی جو محراب میں تصویر رہے

نہیں ممکن کہ رخِ پاک صنم کو ای شیخ
دیکھ کر یاد تجھے آیۂ تطہیر رہے

کیا غضب ہے کہ چلے غیر پہ اور مقتل میں
مری گردن سے الگ یار کی شمشیر رہے

صبح محشر کو نہ رکھ لے کہیں سر پر اُس کا
پا بہ زنجیر مرا نالۂ شبگیر رہے

بیٹھکر مدرسۂ عشق میں اک مدت تک
لکھتے ہم مصحفِ رخسار کی تفسیر رہے

یہہ بھی اک خوبیِ قسمت ہی کہ سینہ سے مرے
اوس کماندار کے کل دور ہی سب تیر رہے

کشورِ حُسن کو اے ترک مسخر کرکے
پھر دیارِ دلِ عشاق کی تسخیر رہے

اے دلِ خستہ مزہ جب ہی ہدف ہونیکا
ترکشِ یار میں باقی نہ کوئی تیر رہے

آپ جو چاہیں وہ کہہ لیں مجھے تنہائی میں
بزمِ اغیار میں لیکن مری توقیر رہے

پھر خریداروں کی کثرت ہو جو دو کا نو نہیں
میری تصویر کیا تہہ اُنکی بھی تصویر رہے

مجھ سے چھوٹیگی نہ اُس بُت کی پرستش تم کو
خوش رہے واعظِ دیندار کہ دلگیر رہے

مری کشتِ سخن کی ایک خلقت خوشہ چیں ہوگی۔
زمینِ شعر فردوسِ بریں کی سرزمیں ہوگی
خبر تب قتل کی میرے تجھے نازآفریں ہوگی۔
لہو سے سرخ جدن تیرے کوچہ کی زمیں ہوگی
نہ مثلِ چشمِ جاناں چشمِ آہو سرمگیں ہوگی۔
بیانِ بوے گیسو کب شمیمِ مشکچیں ہوگی

نبرگ لالہ رنگین ہوگا اوسکے لعل رنگین سے
نہال تن سے نازکتر نہ شاخ یاسمین ہوگی

نہ جا نا بے طلب محفل مین اوس عیار کی ورنہ
پریشان اور بھی خاطر تری قلب حزین ہوگی

چلا جاؤنگا مین ای شیخ جنت سے جہنم کو
اگر پہلو مین بدلے اوس پری کی حور عین ہوگی

مجھے کاذب تو کہدیتا ہے آسان پر مشکل ہی
کہ منکر کے لئے خنجر مری چین جبین ہوگی

لکھی تب بھی جناب برتر و رسوا کے ایما سے
اگرچہ ضعف کہتا تھا غزل اب کے نہین ہوگی

چٹکمر مثل سنگ اوڑ جائیگا یہ گنبد گردون
بلند اپنی شب غم جبکہ آہ آتشین ہوگی

کبھی واعظ بھی کہدیتا ہے اوس بت سے پہیز مین
تری ہمشکل جنت مین بہلا کب حور عین ہوگی

غزل جب ہم سنائین گے ثنائے قد جانان مین
بلند احباب کے لب سے صدائے آفرین ہوگی

اٹھاونگا اگر مین آستان کعبہ سے اے بت
تو پھر تیری ہی در پر میری یہہ لوح جبین ہوگی

شمیم وصف زلف عطر آگین سے معطر ہین
مرے اشعار کے آگے نہ قدر مشک چین ہوگی

عروس جاہ دنیا سے مکرنا اختلاط ایدل
کہ کہہ دیتی ہے دین اوسکا یہہ جسکے ہمکنار ہوگی

تری صبح بنا گوش ای پریوش صبح صادق سے
قسم ہے نور مہر و ماہ کی روشن ترین ہوگی

نگاہ شیخ سے پہلے ہی اے رندان تردامن
نقاب چہرۂ مینا ہماری آستین ہوگی

خدا نے دی وہی نعمت مجھے پیری مین ای ترکی
کہا کرتا تھا مین جس کو کہ اب حاصل نہین ہوگی

ترے شیرین دہن سے موجۂ کوثر نکلتا ہے
پسینے کا ہر اک قطرہ گہر بنکر نکلتا ہے

پے گلگشت وہ گلفام جب باہر نکلتا ہے
تو کترا کر ہماری راہ سے اکثر نکلتا ہے

مہ کامل کہان منزل سی پھر باہر نکلتا ہے
پہنکر شب کو پھولونکا وہ جب زیور نکلتا ہے

کمر مین باندہ کر گھر سے وہ جب خنجر نکلتا ہے
تڑپ کر سینہ سے باہر دل مضطر نکلتا ہے

وہ پیکر میکدہ سے جب مئے احمر نکلتا ہے
مری آنکھوں سے ہر خون جگر بہکر نکلتا ہے

محیط طبع سے کب سہل شعر تر نکلتا ہے
بڑی مشکل صدف سے دانۂ گوہر نکلتا ہے

نہ نکلا دار دنیائے دنی سے جیتے جی کوئی
نکلتا ہے جو اس عہمانہ سے مر کر نکلتا ہے

اگر وہ پوچھتا اک حرف ہے روز جدائی کا
دل بیتاب کی جانب سے ہر دفتر نکلتا ہے

کروں عرض تمنا کس طرح میں تجھ سے اے ظالم
کہ ہر اک بات پر میری ترا خنجر نکلتا ہے

ہجوم خلق سے ہوتا ہے ہنگامہ قیامت کا
در میخانہ سے جس وقت وہ کافر نکلتا ہے

عدوئے جان ستان سے شب کو ڈرنا چاہئے بیشک
کہ افعی رات کو سوراخ سے باہر نکلتا ہے

بسان مور مسکین قلب مشتاقان ہے پس جاتا
جدھر سے غمزہ ہائے یار کا لشکر نکلتا ہے

سمجھکر جسکو میں دیندار حال اپنا سناتا ہوں
ترا ہی پوجنے والا وہ اے کافر نکلتا ہے

یوں میں جیتا کروں گا خاک میں کوہ و بیاباں کی
مری تقدیر کا کب جیتے جی چکر نکلتا ہے

غم فرقت سے لاغر اسقدر ہوں میں کہ اب ترکی
گریبان کے عوض تکمہ سے میرا سر نکلتا ہے

میرے نالوں کے جب خدنگ اوڑے
انجم چرخ مثل سنگ اوڑے

سنکے میری غزل نہیں ممکن
رخ حسادی نہ رنگ اوڑے

گنبد چرخ ہو گیا غربال
مری آہوں کے جب خدنگ اوڑے

ہو گئی فتح طبع قدر کے پر
میری مضمون کے جب کلنگ اوڑے

رشتۂ غیر ٹوٹ گیا مل کر
میرے اوڑنے کے جب پتنگ اوڑے

سر عشاق تیغ قاتل سے
آج مثل سر کلنگ اوڑے

غمزۂ یار مجھپہ یوں لپکا
کاؤ پر جیسے باز پنگ اوڑے

سنکے تقریر میری محفل مین
ہوش فرزانۂ فرنگ اوڑے

یون اوڑا چرخ سے میری آہونے
جیسے بارود سے کہ تنگ اوڑے

میرے مضمون کے جب جھپٹے شہباز
نکتہ سنجون کے مرغ رنگ اوڑے

آج ترکی بجائے بادۂ سرخ
ساغر بنگ سبز رنگ اوڑے

نہ صبح کی نہ دنکی نہ اب رات کی ٹہرے
آئے ہو تو خلوت مین ملاقات کی ٹہرے

جس بات کے سننے سے حیا آتی ہے تمکو
کہدیتا ہون مین آج اوسی بات کی ٹہرے

رندو اگر آجائے مری بزم مین واعظ
پہلی ہی مدارات سے صلوات کی ٹہرے

ملجائے اگر شیخ زمن مجھ سے کسی روز
معجز کی نہ ٹہرے تو کرامات کی ٹہرے

دیکھو گے کہانتک مجھے یون قہر و غضب سے
آخر تو کبھی لطف وعنایات کی ٹہرے

ہوتی ہے شب وصل میسر تو دم خواب
وہ کہتی ہین کچھ نقل وحکایات کی ٹہرے

کہتے ہین مبارک ہے مہینا رمضان کا
اس شہر مین اک شب تو مناجات کی ٹہرے

روزون مین تو ملنے کی نہ فرصت ہوئی تمکو
ہے عید کا دن آج ملاقات کی ٹہرے

اے خالق گیہان نہ کہین روز جزا مین
اس بندۂ عاصی سے مکافات کی ٹہرے

منعم یہی کہتے ہین کہ اس دار فنا مین
جب تک کہ ہو تعمیر مکانات کی ٹہرے

بیٹہے ہون جہان غیر تو دلدار سے ترکی
دزدیدہ نگاہون سے اشارات کی ٹہرے

خواہش تری اے چشم فسونگر نکر سینگے
مومن ہین کبھی بیعت کافر نکر سینگے

دیکھینگے نہ بیعت مری انکہون سے وہ جب تک
احباب کے اقوال کو باور نکر سینگے

ولہ

ترکی ہے جہان گرد سکندر تو نہین ہے — مانا کہ قلندر ہے پیمبر تو نہین ہے
پڑھ لیجئے کچھ خطّ مقدر تو نہین ہے — دو حرف کا مکتوب ہے دفتر تو نہین ہے
افعی ہے خم زلف معنبر تو نہین ہے — ہے تیغ اجل غمزۂ دلبر تو نہین ہے
کچھ زلف سیہ یار کی اژدر تو نہین ہے — مانا کہ ہے نازہ خنجر تو نہین ہے
واعظ نکر اتنی بھی مے آشام کی غیبت — آخر وہ مسلمان ہے کافر تو نہین ہے
ہوتا ہے شب تار مین کب اتنا اوجالا — کوٹھے پہ کہین وہ مہ انور تو نہین ہے
ہے گیند کی مانند جو بالون مین تمہارے — دیکھو کسی مقتول کا یہہ سر تو نہین ہے
سنکر مری آہٹ کو وہ اغیار سے بولے — دیکھو کوئی دروازہ کے باہر تو نہین ہے
ہر چند ہے سیدھا مگر اے سرو خرامان — شمشاد ترے قد کے برابر تو نہین ہے
سینے سے جو باہر نکل آیا ہے تڑپ کر — کمبخت وہ میرا دل مضطر تو نہین ہے

بہو لیگا نہ ترکی مجھے یہہ داغ کا مصرع
پوشیدہ جماعت مین وہ کافر تو نہین ہے

افلاس کے آنے سے تباہی نہین رہتی — گھٹجاتا ہے جب چاند سیاہی نہین رہتی
در پر ترے ہنگامۂ عشاق کے ڈر سے — کسروز علم تیغ سپاہی نہین رہتی
نکلا دل مضطر نرہا سینہ مین جب خون — پر چشمۂ کم آب مین ماہی نہین رہتی
اٹھہ جاتا ہون مین در سے تو ہر اک کیلئے پھر — آنکی ترے گھر مین مناہی نہین رہتی
نادر کیطرح چاہئے سلطان کی حکومت — بے قہر و غضب سطوت شاہی نہین رہتی
ہر روز بیان کرتا ہے حالت مری لیکن — ہمسایہ کی یاد اونکو گواہی نہین رہتی

دولت ہے جہان گرد یہہ گہر مین ترے منعم
خواہی نہین رہتی ہے نخواہی نہین رہتی
جو ملک دل آجاتا ہے قبضہ مین جنون کے
اوس ملک مین پھر عقل کی شاہی نہین رہتی

یاد آتی ہے جب اوس بت خود کام کی ترکی
پھر یاد مجھے یاد الٰہی نہین رہتی

پوچھتے آج ہین مجھہ سے تری حسرت کیا ہے
مین کہون دل کی تمنا مری قدرت کیا ہے
جرم پرسش کے ہوتی ہے فضیحت میری
کچھہ سمجھہ مین نہین آتا یہہ مصیبت کیا ہے
ڈر سے مین لیتا ہون مین تیرے عدو کی دشنہ
دُو نکی مجھہ سے وہ لے اوسکی حقیقت کیا ہے
کچھہ جو حال شب غم عرض کیا کہنے لگے
آجبک آپ نہ سمجھے مری عادت کیا ہے

عشق سے پہلے نہ تھی اسکی خبر بھی ترکی
روز غم کہتے ہین کسکو شب فرقت کیا ہے

دل سے ہمارے یار کی الفت نہ جائیگی
مرجائینگے مگر یہہ محبت نہ جائیگی
بدطینتون کے دل سے پس صلح ہی کبھی
اے شیخ یا کبا ز کدورت نہ جائیگی
پہلو مین مین ہی ہون تری او بیٹھے غیر بھی
دیکھی خدا گواہ یہہ شرکت نہ جائیگی
کسنے یہہ کہدیا ہے کہ میدان حشر مین
قامت کے تیرے پیچھے قیامت نہ جائیگی

ترکی قسم بھی کھاکے ہم انکار کرین
سر سے ہمارے عشق کی تہمت نہ جائیگی

جب در پہ اوسکے طالب دیدار جائینگے
آئینگے تندرست جو بیمار جائینگے
وہ بہر سیر جانب بازار جائینگے
دیکھین کہ ساتھہ کتنے خریدار جائینگے
جب ساتھہ اوسکے کافر و دیندار جائینگے
توڑے ہزارون مسجد و زنار جائینگے

روز حساب داور محشر کے سامنے
کیا داد خواہ آپکے دوچار جائینگے

بہر کرقلانچین موسم گل مین ہرن کیساتھ
مجنون زلف جانب تاتار جائینگے

دل خستگان عشق کی بر آئیگی امید
مقتل مین جب وہ باندھ کے تلوار جائینگے

سُننے کے واسطے وہین آئیگی روح ذوق
دہلی کو لیکے جب مرے اشعار جائینگے

جب دیکھہ لیگا یار کو تو اے دل حزین
سارے یہہ مشورے تری بیکار جائینگے

ترکی کو ساتھہ لیکے ہم اے شیخ روز حج
بہر طواف کوچۂ دلدار جائینگے

جمتا نہین بلبل کا ترانہ مرے آگے
صیاد نہ چہیڑ اوسکا فسانہ مرے آگے

کیا چیز ہے قارون کا خزانہ مرے آگے
جمشید کی دولت ہی فسانہ مرے آگے

اکدن مین لٹا دونگا تری راہ مین یار
رکھدینگے جو قارون کا خزانہ مرے آگے

واقف وہ نہین قصۂ جانکاہ سے میرے
کہتا ہے جو مجنون کا فسانہ مرے آگے

ہو جاتی ہے حالت دل بیتاب کی برہم
جب کرتے مین وہ زلف مین شانہ مرے آگے

کیونکر نہ مین اٹھاؤن کہ گھر مین ترے دشمن
بیٹھا ہے بنا صاحب خانہ مرے آگے

وہ غیر سے ملنے کیلئے کرتے ہین پہر آج
مہدی کے لگانیکا بہانہ مرے آگے

جھکتا نہین اک دشمن مغرور و گرنہ
خم کرتا ہے گردن کو زمانہ مرے آگے

سنکر دل ناشاد کی فریاد کو ترکی
مطرب نے بجایا یہ چغانہ مرے آگے

تعریف اس غزل مین جو اک غنچہ لب کی ہے
روئی عروس شعر کی رنگت غضب کی ہے

اومین بت کو دشمنی نہ مری ساتھہ اب کی ہے
کاوش یہہ روز و شب کی خدا جانے کب کی ہے

رنجش تو میری ساتھ تھی پہلے ہی سے اوسے
دو چار دن ہوئے ہیں اور عداوت غضب کی ہے

میٹھی نہ کیونکر ہو لب یار کی شنا
تاثیر اوسکے لعل مین شیرین رطب کی ہے

بیشک جناب شیخ کے ہمراہ مے کشو
کچھہ چھیڑ چھاڑ پہلے سے دخت عنب کی ہے

کرتا نہین ہمارے تہتک کا کچھہ خیال
تعلیم اوس پسر کو کسی بے ادب کی ہے

کرتے ادب ہین تب مرے دیوان کا شیخ و شاب
نعت اوس مین سب ہمیں اُمّی لقب کی ہے

کہتے ہین رند دیکھہ کے پیر مغان کا در
مثل حریم کعبہ جگہہ یہہ ادب کی ہے

ترکی سناؤ اہل عجم کو وہی غزل
توصیف جسمین خسرو ملک عرب کی ہے

کچھہ نئی طرز سے اب اوسکا پیام آتا ہے
حاشیہ پر خط و شمن کے سلام آتا ہے

لوٹ جاتا دل بیتاب ہے ہو حق کہکر
جبکہ اوس بت کا زبان پر مرے نام آتا ہے

کچھہ تو ہے بید کہ ہمراہ لئے شیخ کو شاب
جانب میکدہ مسجد کا امام آتا ہے

مری دعوت نہین گر پیر مغان کے گھر مین
پر یہہ ساقی لئے کیون شیشہ و جام آتا ہے

صبح ہوتے ہی چلا جاتا ہون میخانے کو
جب کبھی پاس مرے مال حرام آتا ہے

یون تو دم بھرتا ہے ہر ایک محبت کا مگر
ہے وہی دوست مصیبت مین جو کام آتا ہے

اوس شہ حسن کے دربار مین جب جاتا ہون
عرض کرتے ہین پہلے کہ غلام آتا ہے

زیر دیوار ہین کیا طالب دیدار کھڑے
سُنلیا ہے جو وہ مہوش لب بام آتا ہے

بھول جاتے ہین سخن سنجی آتش ترکی
جبکہ ناسخ کا ہمین یاد کلام آتا ہے

یوسف کے خریدار ہین بازار کو جاتے
مجنون تری زلفون کی ہین تاتار کو جاتے

مسجد کو نہ ہم خانۂ خمار کو جاتے
گر ضعف نہ ہوتا حرم یار کو جاتے

پھر دیکھتے رستہ میں ہجوم زن و مرد
وہ بنکے جو یوسف کبھی بازار کو جاتے

کہاتا ہے ہر اک گام پہ کیا ضعف سے ٹھوکر
دیکھو تو ذرا عاشق بیمار کو جاتے

دیکھا ہے کئی بار چھپائے ہوئے منہ کو
اے یار تری بزم میں اغیار کو جاتے

ہوتا گذر اپنا جو کبھی کوئے صنم میں
کرتے ہوئے سجدہ در و دیوار کو جاتے

گر چھوٹتے زندان قفس سے تو صبا ہم
کیا موسم گل میں بھی نہ گلزار کو جاتے

پہلو سے نکل جائیگا پہلے ہی دل زار
دیکھے گا جو گھر سے مرے دلدار کو جاتے

کیا ہوتے ہیں خوش دیکھکے سب شیخ برہمن
محفل سے تری اوس بت عیار کو جاتے

دیکھینگے تو چھپ جائینگے میخانیکے در میں
مسجد کیطرف واعظ دیندار کو جاتے

دیکھا ہے کئی بار شب تار میں ترکی
مسجد سے تجھے خانۂ خمار کو جاتے

بشر جہان میں ہی پیدا ہوا فنا کے لئے
عبث ہی اتنی تمنا اوسی بقا کے لئے

لب رقیب نے بوسے جو دلربا کے لئے
ہماری روح نے بڑھکر قدم قضا کے لئے

رقیب جھوٹھ نہ بول اسقدر خدا کے لئے
گیا تھا پیش مسیحا میں کب دوا کے لئے

شب وصال میں آج اے موذن بدخو
زبان کو کھول نہ بہر اذان خدا کیلئے

مزہ تو جب ہی کہ محشر میں حق مجھے دیدے
وہ قصر خلد جو رکھا ہے پارسا کے لئے

صبا کے دوش پہ ہو کر سوار لائینگے
ہم آج مشک ختن زلف دلربا کیلئے

ہمیشہ حال پر اوسکے قضا ہے خندہ زناں
فغان جو کرتے ہیں عمر گریزپا کے لئے

تلاش خاک رہ یار میں ہوئی ہیں خوار
خراب جیسے تہوس ہو کیمیا کے لئے

سقر نصیب عدو کے بچے کچے چنکر
کفن کے لائے ہین ٹکڑے مری قبا کیلئے

خدنگ ناز لگاؤ کوئی تو سینے پر
دل تپیدہ مین روزن کرو ہوا کیلئے

گذرنے دینگے نہ اس رہگذر سے تربت کو
کرین حضور نہ کچھ فکر اوس گدا کے لئے

یہہ ہوئی خلق مین شہرت تری دیوانیکی
کہ رہی قدر نہ کچھ قیس کے افسانے کی

جان تن سے مری اے یک قضائے مبرم
بے جمال رخ دلدار نہین جانے کی

یاد جب میری وفا آئیگی غمگین ہونگے
کہین سنلین نہ خبر وہ ترے مر جانے کی

اپنا افسانہ کسیکو نہ سنانا مجنون -
بات ہاور نہین کرتا کوئی دیوانے کی

اوسنے جب فرط محبت سے قدم رنجہ کیا
ہوگی اور ہی رونق مری کاشانے کی

خم کے خم پہلے تو لیجاتے تھے میخانے سے
اب اجازت نہین بوتل کی بھی لیجانیکی

پیر رخشندہ کہان کوکب گردون ہونگے
ضو جو دیکھین گے تری کان کے دردانیکی

مست ہو جائیگا آہوئے ختن میرے طرح
عنبرین زلف کی سونگھی کا جو بو شانے کی

تنگ صحرائے قیامت نظر آتا اسکو
دیکھتا قیس جو وسعت مری ویرانے کی

داستان شب گل مرغ چمن سے سنکر
بڑھ نہ جائے کہین وحشت تری دیوانیکی

جلوہ افروز نہ جب تک وہ قمر وش ہوگا
تیرگی جائیگی میرے نہ سیہ خانے کی

کوئی جانان مین پس مرگ بنی قبر مری
جلکے بھی خاک لگن مین رہی پروانے کی

کہین تکرار نہ ہو جائے صبوحی کش سے
پوچھتا ہے راہ موذن سے ہے میخانے کی

سنگ اسود کو لگا دینگے حرم سے لاکر
یہہ جو ٹوٹی ہوئی دیوار ہے بتخانے کی

کیا تب غم سے بچائینگے تن زار کو اشک
آگ پانی سے نہین بجھتی ہے خسخانے کی

بے رخ یار چراغ سر تربت کی طرح
شمع روتی رہی شب بھر مرے کاشانے کی

بوسہ ہائے لب میگون سے ہوں تر کی مدہوش
ہے خبر مجھکو نہ شیشے کی نہ پیمانے کی

غبارِ خط سے ابھی روئے یار باقی ہے
چمن مین رونق فصل بہار باقی ہے

نہ یہہ سمجھہ غم شبہائے تار باقی ہے
ابھی تو پرسشِ روز شمار باقی ہے

دلِ ستم زدہ گھبرا گیا ہے شام ہی سے
ابھی تو ساری شب انتظار باقی ہے

وہ سُنکے ہو گئے برہم حدیث روز فراق
ابھی فسانۂ شبہائے تار باقی ہے

حدیث شیخ کی کیا مین سنون کہ سر مین مرے
مئے وصال کا اب تک خمار باقی ہے

کیا تہا شکوہ جو اکدن کدورتِ دل کا
ابھی تک اوسکے وہ دل مین غبار باقی ہے

خیالِ زلف مین اب تک دماغ مین میرے
شمیمِ نافۂ مشکِ تتار باقی ہے

یہی ہے ڈر کہ نہ پڑ جائے اوڑکے دامن پر
جو تیری راہ مین میرا غبار باقی ہے

مٹا دیا تہا ہر اک کا نشان مگر اب تک
گلی مین اوسکی ہمارا مزار باقی ہے

خدا کیواسطے صیاد چھوڑ دی کہ ابھی
چمن مین رونقِ فصلِ بہار باقی ہے

ستم ہزارون ہی تو نے کئے مگر اب تک
ہماری دل مین تری چاہ یار باقی ہے

نہ پھینک ہاتھ سے شمشیرِ خون فشان قاتل
کہ میری تن مین ابھی جان زار باقی ہے

ہمارے آہوئے دل کے سوا نہ اب کوئی
شکارگاہ مین اوسکی شکار باقی ہے

ابھی نکر قفسِ تن سے مرغ جان پرواز
کہ انتظارِ خطِ دوستدار باقی ہے

بچا ہون گرچہ مین تیغ نگاہ سے تر کی
مگر گلو مین خمِ زلفِ یار باقی ہے

ہے قامتِ دلدار قیامت تو نہیں ہے
زلفِ سیہ یار ہے آفت تو نہیں ہے

قسمت ہی بُری نشت طبیعت تو نہیں ہے
بے زر ہوں مگر خواہشِ دولت تو نہیں ہے

شوخی مری دیوانہ پن ہی حکمت تو نہیں ہے
سعدی کی طرح پند و نصیحت تو نہیں ہے

وہ کھینچکے لیجاتا ہے میخانے کو ورنہ
چلنے کی مری پا نو نہیں طاقت تو نہیں ہے

بے عذر تری کہنے سے پی لیتا ہوں ایدوست
مے پینے کی ورنہ مجھے عادت تو نہیں ہے

محفل میں رقیبوں کی بلاتے ہیں مجھے وہ
یہہ خاص عداوت ہی محبت تو نہیں ہے

سودا زدہ کہتے ہیں مجھے دوست ہی دشمن
اس بات کی کچھ شہر میں شہرت تو نہیں ہے

ہوتی ہے جو ٹھوکر سے تمہاری تہ و بالا
دیکھو کسی عاشق کی یہ تربت تو نہیں ہے

اوس آہوئے رم خوردہ کا کرتا ہوں جو کچھہ ذکر
سب کہتے ہیں مجکو تجھے وحشت تو نہیں ہے

گنتی سے فزوں گرچہ مرے جرم ہیں لیکن
بستہ ترا یارب درِ رحمت تو نہیں ہے

ہو جاتی ہے سرکہ مئے گلرنگ نمک سے
یہہ شعبدہ ہے کوئی کرامت تو نہیں ہے

احباب لئے جاتے ہیں تُرکی مجھے ورنہ
اوس شوخ کے گھر میں مری دعوت تو نہیں ہے

ولہ

عرضِ وصال سنکے وہ خاموش ہو گئے
کانوں پہ ہاتھہ رکھکے گراں گوش ہو گئے

اب بارِ خون رہی نہ رہی سر پر آپ کے
گردن کٹاکے ہم تو سبکدوش ہو گئے

ولہ

ہو گئے پیر مگر اوسکے نہ در تک پہونچے
شام سے چل کے نہ منزل پہ سحر تک پہونچے

خاک ہو کر بتِ سفاک کے گھر تک پہونچے
مر کے ہم منزلِ مقصود کے در تک پہونچے

دونون پہونچے نہ میرے اوسکی کمر تک پہونچے
اور پہونچے بہی تو یہہ میرے ہی سر تک پہونچے

کوچہ گردی کی کہین کیا تجھے حالت کہ بہت
ٹھوکرین کہاکے تری راہگذر تک پہونچے

غیر کچہہ دیکے اوڑا لیتے ہین قاصد سے اوسے
کسطرح خط مرا پہرا اوسکی نظر تک پہونچے

جی نہ جاونمین اوسے دیکہہ کے کہتے ہین رقیب
مری مرنیکی خبر اوسکے نہ گہر تک پہونچے

گرم پرواز یہہ شب کو ہوئے نالے میرے
صبح سے پہلے ہی فلاک کے در تک پہونچے

اسقدر دب گیا تو بار تعلق سے کہ اب
پانون منعم تری قارون کے ہن سر تک پہونچے

دیکہہ ای چشم کہ بہکر ترے گلرنگ سرشک
آج اوس گل کے ہین دامان نظر تک پہونچے

خط عارض سہی رہے دور ہی ساعد میرے
ہاتہہ گلچین کے نہ شاخ گل تر تک پہونچے

زاہد خشک ترا ہاتہہ دم بادہ کشی
یاد رکہنا نہ مری دامن تر تک پہونچے

ہو ابوسہ شیرین لب دلدار نصیب
ہونٹہہ میری نہ کبہی تنگ شکر تک پہونچے

دیکہہ ای منعم ممسک کہ ہماری خاطر
ہاتہہ تیری نہ کبہی کیسہ زر تک پہونچے

ہار گردن کا مرے یار کا بازو ہوا
اور نہ یہہ ہاتہہ ہی اوس گل کی کمر تک پہونچے

للہ الحمد کہ تیرا اوسکی کمان سے تیر کی
جسقدر نکلے وہ سب میرے جگر تک پہونچے

بیٹہو نہین تیری خوان قدرت نہین میری
مہمان ہون ناخواندہ ضیافت نہین میری

افسوس تیری دلمین محبت نہین میری
بے مہر تجھے یاد رفاقت نہین میری

مین اوسکے کہون حال یہہ قدرت نہین مجہمیں
ہمت نہین طاقت نہین جرات نہین میری

کیا کان مین کہتی ہو تم اغیار کے مخفی
پہر اور یہہ کیا ہے جو شکایت نہین میری

ہو جائے یہہ خورشید قیامت سے درخشان
ایسی تو الٰہی شب فرقت نہین میری

ہو جائیگا خورسند جسے سنکے وہ سیدد
ایسی تو طرب خیز حکایت نہین میری

کہدیتا ہون برتر کے اشاری سے دگر نہ
مائل طرفِ شعر طبیعت نہین میری

شکوہ تری بیداد کا غیرون سے کرونگا
واقف ہی تو مجھسے کہ یہہ عادت نہین میری

حالت ہی خراب اسقدر اب ضعف سے تری
پہچانتے احباب بہی صورت نہین میری

بدلی نہ شب وصل مین حالت مری دل کی
نکلی نہ سحر تک کوئی حسرت مری دل کی

سن لیتی ہین جس شب وہ حکایت مری دل کی
دہو دیتی ہین اشکون سے کدورت مری دل کی

کب زیست مین جائیگی ملالت مرے دل کی
نکلیگی تہ خاک ہی حسرت مرے دل کی

آسان نہین جائیگا یہہ سودا مری سر کا
مشکل ہی سے کم ہوگی یہہ وحشت مری دل کی

افسوس کہ ٹہنڈی نہوئی چارہ گرون سے
سوزش مری سینے کی حرارت مری دل کی

سر دوش پہ جنبک ہے کہان جائیگی اے چرخ
گردش مری طالع کی ملالت مری دل کی

مانند مہ نو ہے ترقی پہ شب و روز
تنویر تری حسن کی وحشت مری دل کی

کہتا ہون کہ لیلیجئے بوسے ہی کو دیکر
وہ پوچہتے جسوقت ہین قیمت مری دل کی

یہہ حال خزان مین ہی تو پہر موسم گل مین
ہو جائیگی دوچند یہہ وحشت مری دل کی

مدت سے اب ای شیخ بجز یاد الٰہی
دنیا کے نہین ذکر سے رغبت مری دل کی

تو رہ نشکا محفل اغیار مین شب بھر
تہی یہہ بہی تو ای مہ کرامت مری دل کی

کیا آج بہی وعدہ کو وہ ایفا نکرینگے
کیا دل ہی مین رہجائیگی حسرت مری دل کی

وہ کو یا زل عشق سے بہرہ نہین رکہتا
دشمن پہ کہلیگی نہ حقیقت مری دل کی

دیتی ہین شب ہجر مین یارانِ سخن سنج
سیماب سی اور برق سی نسبت مری دل کی

کیا غوث علی شاہ قلندر کی نظر سے
ترکی ہوئی سب دور کسانت مری دیکی

ولہ

وہ ہی ہے دن کہ غیر کو سچا نتے نہ تھے
میرے سوا کسیکو ہی تم جانتے نہ تھے

ولہ

کہتا ہی شیخ تجھکو جو کافر یون سہی
تو ہی تو کہدے ای دل مضطر یون سہی

ولہ

شام فراق کی جو مصیبت اٹھائینگے
صبح وصال کی وہی لذت اٹھائینگے

اعدا جو اوسکی بزم مین جائینگے بے طلب
میری طرح وہ بار ندامت اٹھائینگے

اکدن تو صبح وصل کا جلوہ دکھا فلک
کبتک شب فراق کی آفت اٹھائینگے

کہدو نہ آئین شیخ مری بزم کی طرف
ورنہ کسیکے ہاتھہ سی خفت اٹھائینگے

کیون دفن بعد قتل نہین کرتے لاش کو
یا قتل ہی کرکے وہ مری میت اٹھائینگے

یارب ملیگا منزل مقصود کا پتہ
یا یونہین راہ عشق مین زحمت اٹھائینگے

ترکی کے منہہ لگینگے اگر شیخ ذی وقار
مین جانتا ہون خوب ہی ذلت اٹھائینگے

جب نگاہ ظل سبحانی ہوئی
پست مجھسے قدر خاقانی ہوئی

اوسکے گھر جانیمین نادانی ہوئی
کسقدر حاصل پشیمانی ہوئی

مجھسے وحشی کرکے پیچھے بہاگتی
قہبۂ دنیا ہے دیوانی ہوئی

یا ملینگے اوس سی یا مرجائینگے
ہمنے ہی دلمین یہہ اب ٹھانی ہوئی

کہدیا مہمان ناخواندہ مجھے — خوب میری آج مہمانی ہوئی
مستعد ہین قتل پر اہل سخن — جان کی دشمن سخندانی ہوئی
وقت رخصت خوب ہی اغیار پر — اونکی محفل مین گل افشانی ہوئی
لاکہہ بدلو تم خرام ناز کو — ہے مگر یہہ چال پہچانی ہوئی
خاک کوچہ کی تری اے خونشخرام — ہینے پلکون سے ہے سب چہانی ہوئی
ہضم بیمار محبت کو دوا — نہ تو مصری اور نہ یونانی ہوئی

اٹہہ نہین سکتا ہون ترکی ضعف سے
ناتوانی ہی گران جانی ہوئی

سامنے اونکے گلگون جو ہم پینے لگے — پہلے تو انکار رہا پھر بعد شش و کم پینے لگے
چھوڑ کر کیون اس بلا کو ایکدم پینے لگے — کیا غضب ہے آپ پر کہا کر قسم پینے لگے
ساتہہ غیرون کے جو محفل مین رم پینے لگے — اسطرف ہم گھول کر ساغر مین سم پینے لگے
پہلے تو جھک کر مہینون نین پیا کرتے تہے وہ — اب تو جا کر سکدہ مین دمبدم پینے لگے
تم جدا پینے لگے جسدن سے جا کر ہم ادہر — لخت دل کہانیلگے اور زہر غم پینے لگے
مفت کی پیتے تہے پہلے اب مگر اے میکشو — کچہہ تو لیکر قرض کچہہ دیکر درم پینے لگے
جیب مین تو ایک کوڑی ہی نہی سکو مگر — حضرت پیر مغان کو دیکے دم پینے لگے
باعث افلاس تہور ایسی چیز ہے مین تو دو — پوچہتے ہین آجکل کیون آپ کم پینے لگے

پہر مزہ حاصل ہو ترکی آکے محفل مین مری
گاہے ماہے شیخ بہی گر بیش و کم پینے لگے

پوچہتے ہو میرے گہر مین وقت آنیکے لئے — خوب تم دیتے ہو دم مجہکو ستانیکے لئے

آگیا پیک قضا جب لیکے فرمان قضا
اوسنے بھیجا غیر کو میرے بلانیکے لئے

دنکو ملجاتے ہین رہمین گر کہین تو شرم سے
سیکڑون کہاتے ہین قسمین مجھکو آنیکے لئے

ایک بھی مصرع نہ تہا خالی عیوب شعر سے
جو غزل لائی تہے کل ماہر سنانیکے لئے

ہوگا ترکی مومن و کافر مین جھگڑا بعد مرگ
لاش پر میری دبانے اور جلانے کے لئے

لیچلی سوئے جنان رحمت غفار مجھے
ضد سے کہتے ہی رہے شیخ گنہگار مجھے

بزم جانا نہین لیجاتے ہین سب یار مجھے
کہین ڈر کر نہ بٹھادین پس دیوار مجھے

کسی شب خواب مین آجاتا ہی بھولے سے جو وہ
بخفت خفتہ وہین کر دیتا ہی بیدار مجھے

باوفا ہون نہ بلا و نگا زبان تک ہرگز
بیچ لیجے ابھی چل کر سر بازار مجھے

ہے مزہ جبکہ ملے سامنے اونکے جنت
جانتے جو ہین جہنم کا سزاوار مجھے

قصۂ غم کا سناتا ہون اگر ایک بھی حرف
گالیان دیکے چلے جاتے ہین دو چار مجھے

شوق سے پھر تو مری سامنے آتے ترکی
وہ سمجھتے نہ اگر طالب دیدار مجھے

وہ جب اٹھکیا گفتگو رہگئی
دل زار کی آرزو رہ گئی

رگ گردن اوسنے نہ جنبش کی
مرے جان قریب گلو رہ گئی

گئے جان کے ساتھہ ارمان سب
مگر حسرت دید تو رہ گئی

کرو شکر دربان کے ہاتھہ سے
رقیبون مین آج آبرو رہ گئی

گیا بھول سب کچھہ مگر ایک یاد
حدیث نماز و وضو رہ گئی

تری جستجو کیلئے بعد مرگ
یہہ مٹی مری کو بکو رہ گئی

ملی دین دنیا کی نعمت مجھے ۔ فقط اب تری جستجو رہ گئی
نہین ہون مین گو ایک شہرت تری فلک کو بکو سو بسو رہ گئی
دم قتل ہی اوسنے پوچھا نہ حیف ترے دل مین کیا آرزو رہ گئی
نہین ای نگار اب وہ فیاض کا رنگ گل حسن کی صرف بو رہ گئی

نہین کرتا اب شاد ترکی عطا
یہہ چلتی ہوئی آب جو رہ گئی

مجھے دیر جو نامہ بر ہو گئی مری اور حالت بتر ہو گئی
جب اوسنے بت کی ترچھی نظر ہو گئی ادہر کی خدائی ادہر ہو گئی
کہا کچھہ نہ مُنہہ سے مگر بزم مین اوسے دیکھکر چشم تر ہو گئی
گلے اوسکو مین اے مہربان شب وصل آخر سحر ہو گئی
اجل کو نہین ملتا اوسکا پتہ مری جان تیری کمر ہو گئی
عیادت کو آئے یہہ پیر و جوان کہ چوکھٹ مری رہگزر ہو گئی
بھلی یا بری خیر ہر طور سے حیات دو روزہ بسر ہو گئی
فلاکت سے یا عیش سے دہر مین گدا اور شہ کی بسر ہو گئی
کہو گے شب وعدہ غیرون سے کیا اگر اونکو اسکی خبر ہو گئی
ترے وصف دندان سے اے سیمتن غزل بھی یہہ سلک گہر ہو گئی

جگر کر دیا خاک ترکی مرا
تپ ہجر نار سقر ہو گئی

خنجر مری گردن پہ چلایا شب غم نے خون دل مشتاق بہایا شب غم نے

نقشا مری شہرت کا جمایا شبِ غم نے
خاکا مرا کیا خوب اوڑایا شبِ غم نے

کیا آکے مجھے آج ستایا شبِ غم نے
سوتے سے کئی بار جگایا شبِ غم نے

مین چہکیا جب چین مین بستر کی تو مجھکو
ڈھونڈھا تو بہت لیک نپایا شبِ غم نے

خورشید قیامت سے بھی روشن نہ ہوگی
ڈالا ہے مری صبح پہ سایا شبِ غم نے

گر صبح طرب نے مجھے اکبار ہنسایا ؛
سو بار عوض اوسکی رولایا شبِ غم نے

کی اتنی رفاقت تو مرے ساتھہ کہ تا صبح
قصہ تری زلفون کا سنایا شبِ غم نے

مین دردِ جدائی سے جو کرنے لگا فریاد
فوراً مری شہ رگ کو دبایا شبِ غم نے

ہر چند ہون اٹھتا مگر اٹھا نہین جاتا
بیڈھب مجھے اب کے ہے گرایا شبِ غم نے

پھر روز مصیبت نے کیا ہے مرا پیچھا
پھر سر پہ طرف ہاتھہ بڑھایا شبِ غم نے

تر کی نہ رہے گی ہمین جینے کی پھر امید
گر صبح مصیبت کو دکھایا شبِ غم نے

پھر مرے سر پہ شبِ غم کی بلا آتی ہے
جان لینے مری پھر آج قضا آتی ہے

نہ وفا آتی ہے تمکو نہ جفا آتی ہے
کیا تعجب ہے کہ دونون سی حیا آتی ہے

چمنِ یار سے دیکھو تو صبا آتی ہے
کہ بچھے بوئے سرِ زلفِ دوتا آتی ہے

نہ دوا آتی ہے مجھکو نہ دعا آتی ہے
پھر مرے در پہ یہہ کیون خلقِ خدا آتی ہے

یاد پھر مجھکو مدینے کی فضا آتی ہے
سُنڈی اوس باغ سے پھر آج ہوا آتی ہے

درد ہو جاتی ہے گرمی دلِ سوزانکی مین
سرد جب گلشنِ طیبہ سے ہوا آتی ہے

دلِ بیمار کو شیرب ہی مین رہنے دیجئے
خاک سے اسکے مجھی بوئے شفا آتی ہے

کچھہ دعا سے نہین ہوتا نہ دوا سے جبدم
سپہ مرگ سوئے شاہ و گدا آتی ہے

نہ فرشتہ نہ پیمبر وصی ہون نہ ولی
دیکھنے مجھکو یہہ کیون خلق خدا آتی ہے

تو پر ولیتی ہے اک سلک سخن مین گوہر
اور کیا بات تجھے طبع رسا آتی ہے

اور کیا آتا ہے اے چرخ ستمگر تجھکو
صرف کرنی دل عاشق پہ جفا آتی ہے

لیگئی یار کے کوچے مین اٹھا کر مٹی
سو جتا کچھہ نہین جو وقت قضا آتی ہے

پھر کوئی تیغ نگہہ سی ہوا بسمل شاید
کوئی جانان سے کہ نالونکی صدا آتی ہے

مین سر راہ جو پینے لگا واعظ نے کہا
کچھہ تجھے شرم بھی اے مرد خدا آتی ہے

شیخ اتنا تہا ریاکار کہ اب تک ترکی
قبر سے اوسکی مجھے بوئے ریا آتی ہے

بزم جانان سے نہ اغیار ملے بیٹھہ گئے
جب کہا اوسنے بیا کہکے بلے بیٹھہ گئے

کچھہ تو دے منعم دلتنگ کہ گاتے گاتے
مطربون کے تری محفل مین گلے بیٹھہ گئے

ناتوانی کا برا ہو کہ گلی مین اوسکی
ایک دو تین قدم بھی جو چلے بیٹھہ گئے

ہم بُرے تہے تو رہے محفل جانان مین کہڑے
اور جنکو وہ سمجھتا تہا بہلے بیٹھہ گئے

ڈر کے خورشید قیامت کی تپش سے ترکی
ہم قد یار کے سایہ کے تلے بیٹھہ گئے

چھوڑ کر جا نہ دردمند مجھے
ذبح کر مثل گوسفند مجھے

ڈال کر زلف کی کمند مجھے
کر لیا اوسنے پائے بند مجھے

بڑہ گیا روز سے ہے کیا سودا
دے رہے ہین جو دوست پند مجھے

جانب سرو کرتے ہین ایما
وہ دکہا کر قد بلند مجھے

نازسے گو ہین چپ مگر اپنا
جانتے ہین نیازمند مجھے

عوض بوسہ دے نہ تلخ جواب — اے لبِ لعل نوشخند مجھے
ہوگیا پیر ہون خدا کے لئے — اب نہ پہونچا فلک گزند مجھے
ساتھہ دشنام کے ہو بوسہ عطا — دیجئے سم ملا کے قند مجھے

اِس غزل مین نہ فکر کر ترکی
یہہ قوافی نہین پسند مجھے

محفل مین نہ ساقی سے نہ اغیار سے اوجھے — مے پیتے ہی ہم اوس بتِ عیار سے اوجھے
رکھتے ہی قدم وادیٔ الفت مین ہزارون — کانٹے مری دامان کے ہر تار سے اوجھے
کاہیدہ ہم اتنے ہین کہ رہتے ہین ہمیشہ — کانٹے کیطرح دامنِ دلدار سے اوجھے
کیا شیخ یہی تھے مست کہ میخانے مین جاکر — مُغ سے کبھی اوجھے کبھی میخوار سے اوجھے
یہہ ظلم تو دیکھو کہ نکلتے ہی وہ گھر سے — دشمن کیطرح طالبِ دیدار سے اوجھے
کیا چیڑ ہوئی آج کہ اوس بت کے پرستار — کافر کیطرح زاہد دیندار سے اوجھے
کہتے ہین خردمند تنک ظرف اوسیکو — پیکر سر بازار جو دو چار سے اوجھے
ٹکڑے دلِ خونبار کے آنسو کیطرح آج — اوجھے ہی تو جاکر مژہ یار سے اوجھے
پسپا ہوئے کیا شرم سے آہوئے خطائی — گیسو جو ترے نافۂ تاتار سے اوجھے
دشمن نے اوڑائی ہے یہ بے پر کی وگرنہ — کس شخص کی طاقت ہے کہ سرکار سے اوجھے
عشاق تری رشک سے کل باغ مین اگیل — گلچین سبھی اور بلبلِ گلزار سے اوجھے
رہتے ہین تری یاد مین فرہاد کی مانند — شیرین دہنا دامنِ کہسار سے اوجھے
فتنے جو سنا کرتے تھے محشر کے وہ دیکھو — آتے ہین چلے یار کی رفتار سے اوجھے
تھی شامتِ اعمال کہ کہنے سے عدو کے — محفل مین قدم رکھتے ہی ہم یار سے اوجھے

ترکی ہے یہی خوف کہ مقتل مین دمِ قتل
گردن کی نہ رگ یار کی تلوار سے اونچی

ولہٗ

بہانسی دلائے گا خمِ زلفِ دوتا مجھے
جیتا نچھوڑیگی تری تیغِ ادا مجھے

اوٹھہ اوٹھکے پوچھتا ہون مین راہ کونسی ہے جسے
بتلادے میکدہ کا تو ہی رستہ مجھے

ولہٗ

دعوے سخن کا مجھسے سخنور کے سامنے
ایسا ہے جیسا سحر پیمبر کے سامنے

جائز سوا خدا کے جو ہوتا کبھی سجود
کرتا مین سجدہ اوس بت خودسر کے سامنے

یہہ کون کوچہ گرد گدا ہے کہ جسنے آج
بستر جما دیا ہی ترے گھر کے سامنے

بیٹھا ہون بزم یار مین ایسا کہ جیسے ہو
برگ خزان رسیدہ گل تر کے سامنے

خصم جوانہ مرگ کا شکوہ کرونگا آج
مین لعل شاہ باز قلندر کے سامنے

ہوتا مرا زمین پہ عرش آشیان خطاب
کرتے جو قتل مجھکو ترے در کے سامنے

آخر اوڑا کے لیگئی باد فنا مجھے
تنکے کی کیا بساط تھی صرصر کے سامنے

میری زبان پر آئیگا کسکو یقین ہے
اوس بت کا شکوہ داور محشر کے سامنے

مرنا مجھے قبول ہے افلاس مین مگر
پھیلاؤنگا نہ ہاتھہ تونگر کے سامنے

اک حق پرست اوس بت بدخو کے عشق مین
آسن جمائے بیٹھا ہے صندر کے سامنے

کہاتا ہون پیچ وتاب جو کرتا ہے باغبان
سنبل کا ذکر کاکل دلبر کے سامنے

جاتا ہون کیسے دولت ایمان کو خیرباد
ترکی مین آج اک بت کافر کے سامنے

دل کی نکلی نہ کسی روز تمنا میری
صبح عشرت سے نہ بدلی شب یلدا میری

بات سنتا ہی نہین ہے دل شیدا میری
یہہ وہ مجنون ہے کہ رکھتا نہین پروا میری

تھی خبر مجھکو تنک ظرف ہے خادم اونکا
اسقدر طول کہانی نہ سنگا میری

بھاگتی تھی دم خواہش مگر اب بعد طلاق
کرتی خدمت ہے بہت محبہ دنیا میری

دیدیا مینے دل و دین اوسے ترکی پہر ہی
روز کرتا ہے شکایت ترسا میری

دھونڈھتی مجھکو تری تیغ ادا پہرتی ہے
پیچھے پیچھے مرے مدت سے قضا پہرتی ہے

نگہ مست مین کب اوسکے حیا پہرتی ہے
دیدۂ عاشق محزون مین قضا پہرتی ہے

ہر طرف روتی ہوئی میری وفا پہرتی ہے
جب مرے حلق پہ شمشیر جفا پہرتی ہے

کہین گلشن کو نہ بو اونکی اوڑا کر لیجائے
پیچھے پیچھے تری زلفون کے صبا پہرتی ہے

کونسے رند بلانوش کے آتے ہین قدم
گرد میخانہ کے جو آج گہٹا پہرتی ہے

شیخ کے کہنے سے را تو نکو ہی اب دختر رز
مونہہ چہپائے ہوئے مستون ہی جدا پہرتی ہے

ہوگی منظور کسی روز تو آخر ترکی
عرش کے گرد وہ میری جو دعا پہرتی ہے

لیکے مقتل مین وہ جب تیغ جفا بیٹہہ گئے
سر کو خم کرکے کئے اہل وفا بیٹہہ گئے

جاکے جب بیٹہہ گیا بزم عدو مین شہ حسن
ہم ہی اک گوشہ مین مانند گدا بیٹہہ گئے

غیر کہتے ہی رہے ضد سے کہ اٹہو اٹہو
ہم مگر در پہ ترے مثل گدا بیٹہہ گئے

گالیان دیتے ہوئے چڑہ گئے جب بام پہ وہ
در پر اونکے وہین ہم دیکے دعا بیٹہہ گئے

مستند جب وہ ہوئے قتل پہ ہم ہی ترکی
سر کو خم کرکے تہ تیغ جفا بیٹھ گئے

آج وہ ہم سے بار بار ملے
کبھی پیدل کبھی سوار ملے

ڈھونڈھتے پھرتے ہین پس مردن
کہ مرا دشت مین غبار ملے

دل کے بہلانے کو شب غم مین
ایک دو بھی نہ غمگسار ملے

میری صورت رہی نہ انکو یاد
آکے اُسوقت دوستدار ملے

مدعی آج یون ملا مجھ سے
یار سے جیسے کوئی یار ملے

پھر مزہ ہو جو ہمکو حشر مین شیخ
عوض خلد کوئی یار ملے

آج بھی مے فروش کل کیطرح
ایک بوتل ہمین اودھار ملے

آج میرے نہ صید دل کے سوا
یارب اونکو کوئی شکار ملے

یار کہتے ہین جسکو وہ نہ ملا
یون تو ملنے کو صد ہزار ملے

شیخ لیجا برائے غازۂ حور
کوئی جانان کا گر غبار ملے

پوچھین ترکی رقیب کا کچھہ حال
کوئی اون کا جو راز دار ملے۔

بزم مین یار نہ بیٹھے ترے اوٹھہ جانے سے
ایسے بھاگے کوئی جیسے کہ سیہ خانے سے

حظ وہ ستون کو ملا ہے مرے افسانے سے
کہ نکلنے نہین دیتے مجھے میخانے سے

شمع عارض پہ تری جو کہ ہین جلنے والے
آکے جلجاتے ہین پہلے ہی وہ پروانے سے

کیا ہے یارونکو غرض حال جو پوچھین میرا
کوئی عاقل نہین ملتا کبھی دیوانے سے

ماجرا اسکے مرارات کو اتنا تو کہا۔
نکل آئے مری آنسو ترے افسانے سے

گالیان کہانیسے شاید انہین ملتا ہی
جو اوبجھتے ہین تری زلف کے دیوانیسے

شیخ کے ہاتھہ پہ کل توبہ جنہون نے کی تہی
آج پہر آتے ہین دیکھو وہی میخانے سے

بند کر لیتا ہے واعظ درِ مسجد ڈر کر
ہم نکلتے ہین جو سکر کبھی میخانے سے

کبھی پہرتے ہوئے آجاؤ کہ ویرانہ مرا
دور کچھہ ہی تو نہین قیس کے ویرانیسے

حرم یار کا کر لیتے ہین ہر روز طواف
ہے غرض ہمکو نہ کعبہ سے نہ بتخانے سے

کچھہ طریقہ نہین رندون کا سمجھہ مین آتا
پیکے مسجد مین چلے آتے ہین میخانے سے

لیلیٰ زلف کا سنتا ہی فسانا اکثر
کبھی ملتا ہے جو مجنون ترے دیوانے سے

دیکھہ لیتے ہین اب اوسکو درِ مسجد ہی سے ہم
کوئی پیکر کبھی آتا ہے جو میخانے سے

چاٹ جاتا ہون زمین پر نہین گرنے دیتا
قطرہ کوئی جو ٹپک جاتا ہے پیمانے سے

تیرہ ہو جاتا ہی پہر گور منافق کیطرح
وہ چلے جاتے ہین جس شب مرکا شانیسے

کہین کفارہ نہ دینا پڑے اسکا مجھکو
یہہ جو کی توبہ ہی واعظ تری سمجھانے سے

آبِ زمزم مین سمجھتا ہون اب اسکو ورنہ
کوئی تلچھٹ بھی جو لا دیتا ہے میخانے سے

نہ کمر ملتی ہے اوسکی نہ دہن ملتا ہے
اک فقط وصل کی شب سیب ذقن ملتا ہے

کٹتے ہین جنکے گلے تیغ جفا سے تیری
گور ملتی ہے انہین اور نہ کفن ملتا ہے

سرکشی طوبیٰ جنت سے ہے کرتا پہر تو
قامتِ یار سے جب سرو چمن ملتا ہے

دلِ گم گشتۂ عشاق کا تہور اسا پتہ
تری زلفون ہی مین ای غنچہ دہن ملتا ہے

مین نہین اوسکا جو ہمعصر تو پہر کیون ترکی
ذوق و ناسخ سے مرا رنگ سخن ملتا ہے

ندّی دیکھی جو چشم تر کی
یاد اونکو ہی نہ راہ گھر کی

مدت سے پڑے ہین رہگزر مین
نہ پانون کی ہی خبر نہ سر کی

شاید پس قتل ہو نکدی ہے
ملتی نہین لاش نامہ بر کی

دل لیگی و سینے سے ستمگر
برچھی ترچھی تری نظر کی

ترکی لکھن گے آج تعریف
ہم خامۂ مو سے اس کمر کی

مرنیکا میرے یار کو غم کچھ بھی نہین ہے
اغیار سے ہنستا ہے الم کچھ بھی نہین ہے

ولہٗ

قول اونکا ہی عاشق کی دعا کچھ نہین کرتی
مین کہتا ہون علیؑ کی دوا کچھ نہین کرتی

گردنپہ مری چلتی ہے آہستہ دم قتل
سرعت تری شمشیر جفا کچھ نہین کرتی

ولہٗ

نزدیک میری گھر کے وہ آکر چلے گئے
آواز دور ہی سے سنا کر چلے گئے

گھر مین عدو کے مجھکو بٹھا کر چلے گئے
تہی دشمنی کنوین مین گرا کر چلے گئے

دربان جو ترش رو ہوا کوچے سی یار کے
بستر کو ہم ہی اپنے اٹھا کر چلے گئے

رستے مین دیکھکر وہ مجھے دور ہی سے کل
چوروں کیطرح مونہہ کو چھپا کر چلے گئے

آئی نہی اور سیٹھی ہی وعدہ کی شب مگر
مجھہ خفتہ بخت کو وہ سلا کر چلے گئے

میری سنی نہ کچھہ ہی مگر اپنی داستان
فرہاد اور قیس سنا کر چلے گئے

دشمن کا ذکر چھیڑ کے ترکی شب وصال
وہ اور میرے دل کو جلا کر چلے گئے

یہہ میل جول اب اونکا ہی سربلندون سے
کہ بات ہی نہین کرتے ہین پایبندون سے

ہی نفرت اسقدر اونکو خدا کے بندون سے
کہ مونہہ جہاکے نکلتے ہین مستمندون سے

خدا نے جنکو جہان مین ہی بے نیاز کیا
وہ ناز کی نہین لیتے نیازمندون سے

کبھی تو پوچھیے حالت جگرفگارون کی
کبھی تو بات کرو آکے دردمندون سے

خدا نے جنکو دیا ہے کمال کچھہ تو کی
وہ گفتگو نہین کرتے ہین خودپسندون سے

نہ بخت سے ہے شکایت نہ آسمان سے مجھے
گلہ اگر ہے تو اوس یار مہربان سے مجھے

رقیب روکتے ہین کوئی داستان سے مجھے
مزہ ہی تب کہ بہلا رو کدین فغان سے مجھے

ریاض کوچہ جاناں کا ہون تماشائی
غرض بہار سے ہے اور نہ ہی خزان سے مجھے

تڑپتا تب ہون قفس مین کہ بلبلو صیاد
پکڑکے آج ہی لایا ہے آشیان سے مجھے

نہ یک مرگ سے ڈرتا ہون اسقدر تو کی
ہے خوف جسقدر اوس بت کے پاسبان سے مجھے

جب سے میرے گھر مین وہ آنے لگے
رشک سے اغیار مرجانے لگے

میرے گھر مین ابتو وہ آنے لگے
پی پلاکر دیر مین جانے لگے

لیلے و مجنون کی سنکر داستان
دل ہی دلمین مجھسے شرمانے لگے

چپ رہو ناصح خدا کے واسطے
آپ ابتو میرا سر کہانے لگے

میٹھی میٹھی کرکے باتین پھر وہ اب
میرے طفل دل کو پھسلانے لگے

گھر مین اوسکے آکے مستون کی طرح
شیخ بھی اب پانون پھیلانے لگے

مجھکو محفل مین بٹھا کر سامنے
کیون خدنگ ناز برسانے لگے

کچھہ سمجھکر چپ گیا۔ جسوقت ہم
دیکھکر اوس مہ کو غش کہانے لگے

اب تو اک بوسہ کی خاطر وہ ہمین۔
گالیان دیدیکے ترسانے لگے

جنکو سمجھا تا تہا مین وہ اب مجھے۔
دیکھکر دیوانہ سمجھانے لگے

پہر مری جانب سے ترکی مدعی
اوس وفا دشمن کو بہکانے لگے

وہ کہان سنبل گلزار ارم دیکھینگے
یار کی زلف مسلسل کے جو خم دیکھینگے

آج کیا دیتی ہین اگر ہین دم دیکھینگے
کسکی وہ کہاتے ہین پہر جھوٹی قسم دیکھینگے

وصل کی شب بہی کسیر وزد کہا دیکھ کہ یون
تا دم زیست فلک شام الم دیکھینگے

کبتلک آئیگا نہ وہ برمین جوان رعنا
کب تلک اے پیر فلک سیر ستم دیکھینگے

رہ نہ محفل مین وگرنہ لب اعدا ترکی
ہونگے خندان تری انکھو نمین جو نم دیکھینگے

ہیر یکی نہ یاقوت کی ہین کان کے ٹکڑے
تیری لب و دندان ہین میرے جان کے ٹکڑے

کہتا ہو نہین جب تم ہو میری جان کے ٹکڑے
کردیتی ہین اہکر مرے دامان کے ٹکڑے

کردوگے ہین وحدین دامان کے ٹکڑے
سنلوگے مری نغمہ کی گرتان کے ٹکڑے

کہتا ہی وہ کردونگا گریبان کے ٹکڑے
اب کے تو ہلا کہہ تو مرے جان کے ٹکڑے

رکہدیتی ہین خنجر مری سینے پہ وہ سنکر
کہتا ہو نہین جب او نکو میری جان کے ٹکڑے

کردیتی ہین دامن کیطرح موسم گل مین
پابند تری زلف کے جولان کے ٹکڑے

خط بہیجا ہی اوس ترک ستمگار کو لکہکر
کردیتا ہی خاقان کے جو فرمان کے ٹکڑے

مجنون کیطرح رہگئے کانٹون مین اوجہکر
کچھہ جیب کے اور کچھہ مرے دامان کے ٹکڑے

یہہ دعوتِ شیراز ہی کہتے ہین وہ رکہکر
اگے مری سو کہے ہوے دونان کے ٹکڑے

کیا ضد ہی سخن سے مرا وسکو کہ ہے کہتا
ہاتہہ آئی تو کردون تری دیوان کے ٹکڑے

نشتر کیطرح چبتے ہین سینے مین جو میرے
شاید ہین وہ ظالم تری مکان کے ٹکڑے

رو کیگا مجہی آج بہی کر اوسکی گلی سے
تلوار سے کردونگا نگہبان کے ٹکڑے

عشاق سے یون دست گریبان ہوریگا
کردیگا کوئی آپکے دربان کے ٹکڑے

پہاہے مری چہالون کے بہی دشت مین آخر
تہی حضرت مجنون کے جو دامان کے ٹکڑے

جاتا ہون جو گہر اوسکے تو کردیتے ہین رخصت
ترکی مجہے دیکر دہین کچہہ پان کے ٹکڑے

ہین جیسے کہ میری شہ دوسقور کے بالے
ایسے تو نہ تہے سلم کے اور تور کے بالے

زرگر سی بہلا بنتے ہین کب نور کے بالے
لایا ہون تری واسطے مین حور کے بالے

کل غیر کے لائی ہوئے پہنے تہے جو تمنے
تہے اوس سے تو اچہے مرے مزدور کے بالے

کانون مین جو ہین اوس بت مغرور کے بالے
ایسے نہین جنت مین کسی حور کے بالے

غسال نے رو رو کے ہین تختے پہ اوتارے
کانون سے ترے عاشقِ رنجور کے بالے

پہنینگے گے تری عشق مین ہم ای بت بے مہر
جوگی کیطرح کان مین بلور کے بالے

بہیجے ہین تری واسطے ای نور کے پتلے
رضوان نے فردوس سے کافور کے بالے

پڑہتے جو قصیدہ کبہی ہم چین مین جاکر
ملتے ہین انعام مین نغفور کے بالے

کانون کیلئے یار کے ہم بہیجہین گے جاکر
دہلی کے کرن پہول تو لاہور کے بالے

ایران سے ہم لائینگے اوس شوخ کیخاطر
پذیرب فرنگیس کی شاپور کے بالے

لائین گے فرو راب کے جو ہم جائینگے ترکی
کانون کیلئے یار کے لاہور کے بارے

ہے وہ پنہان مگر عیان بہی ہے
بے نشان بہی ہے با نشان بہی ہے

خاکساروں کی پائمالی کو
اون کی ہمراہ آسمان بہی ہے

ابرو یار ہے مژہ کے قریب
تیغ کے ساتہہ ہی سنان بہی ہے

یوسف حسن نذر کو تیری
نقد دل اور متاع جان بہی ہے

اے ہما سوختہ جگر مین مرے
دیکہہ تو کوئی استخوان بہی ہے

گل و بلبل کی خیر ہو یارب
ساتہہ گلچین کے باغبان بہی ہے

در پہ حاضر ترے رقیب کے ساتہہ
ترکی زار و ناتوان بہی ہے

فرصت جو ہوئی تو آؤنگا اقرار بہی ہے انکار بہی ہے
اس وعدہ سے تو صاف ترا اقرار بہی ہے انکار بہی ہے
سنکر وہ سوال وصل مرا سر کے نگون خاموش ہوئے
اس سے تو یہہ ثابت مجہکو ہوا اقرار بہی ہے انکار بہی ہے
جب مینے کہا کیا آؤگے شرما کے تبسم کرنے لگے
جسکا یہہ نتیجہ مجہکو کہلا اقرار بہی ہے انکار بہی ہے
تو گہر مین ہمارے آنیکی سوگند نہین جب کہتا ہے
اس سے تو عیان اے کان حیا اقرار بہی ہے انکار بہی ہے

۱ مجہیم

جب وصل کی حالت قاصد سے پوچھی تو وہ ترکی کہنے لگا

اوس بت کی زبان پر ملنے کا اقرار ہی ہے انکار ہی ہے

میرا رونا تری ہنسی نہ گئی
آنکھ اور لب کی حال لگی نہ گئی

قتل پر ہی کمر کسی نہ گئی
تری ظالم یہہ نازکی نہ گئی

گرچہ اوس بت کی سرکشی نہ گئی
میری بھی خوئے بندگی نہ گئی

ہو گئے دیج راست باز مگر
ابرو یار کی کجی نہ گئی

تیغ خار اشگاف اہہ نہ سکی
دل کی حسرت یونہی رہی نہ گئی

بعد مردن بھی آہ دل سے مرے
اوس جفا جو کی دوستی نہ گئی

صلح کے بعد بھی ہزار افسوس
دل اعدا سے دشمنی نہ گئی

مر گیا تو کہا کہ سوتا ہے۔
اوسکی اسدم ہی دل لگی نہ گئی

کیا کہیں ہمنفس کہ باعث ضعف
ہم سے گردش ہی شکوہ لی نہ گئی

مر گئے اسلئے کہ فرقت میں
ہم سے کاٹی یہہ زندگی نہ گئی

گل داغ جگر سے ہیں ترکی
دل پر خون کی بے کلی نہ گئی

قتل کے اوس نے کئے جمع میں سامان کتنے
رکھے ہیں پیش نظر خنجر و پیکان کتنے

زلف کافر نے کئے گبر مسلمان کتنے
دست مژگان سے ہوئے چاک گریبان کتنے

ولہ

حشر میں خاک آبرو ہوگی
وحشت دل جو ساتھہ تو ہوگی

کب تری تیغ سر خرو ہوگی
پوری کب میری آرزو ہوگی

یہہ جو ہے تیغ تیری زیب کمر
کب مری زینت گلو ہوگی

مر گئے داغ اور جلال و امید
اب مری کس سے گفتگو ہوگی

دیکھہ لیگے جلیل و اختر کو
روبرو جبکہ گفتگو ہوگی

وہ حمایت کریگا غیر کی اگر
خوب پہر اوس سے گفتگو ہوگی

خون کی میری تیری کوچے مین
ایکدن بہتی آب جو ہوگی

پہر مجھے شیخ تنگ کرنے لگا
پہر مری اوسکی ماں تو ہوگی

شہرت اپنے کلام کی ترکی
بعد مردن ہی کو بکو ہوگی

جاہل کو خردمند ہنر ور نہ کہین گے
پتہر کو بصیر کبھی گوہر نہ کہین گے

کہتے ہین وہ ہم تجھکو قلندر نہ کہین گے
سلطان معانی کو پیمبر نہ کہین گے

دو چار کبھی شعر جو کر لیتے ہین موزون
نقاد سخن اونکو سخنور نہ کہین گے

محشر جو نہ برپا کیا رفتار نے تیری
محشر مین تو ہم فتنۂ محشر نہ کہین گے

مانند مری ہوگا نہ ہر صاحب دیوان
ہر چشمۂ پر آب کو کوثر نہ کہین گے

رہزن کو طلایہ سے نہین دیتے ہین نسبت
غارت گر معنی کو سخنور نہ کہین گے

قشقے کو لگا کر یو ہین نکلیگا جو ترکی
پہر شیخ یہہ کیونکر اوسے کافر نہ کہین گے

گو نغمۂ یاران دکن اور ہی کچھہ ہے
ترکی کا مگر رنگ سخن اور ہی کچھہ ہے

بل خوب ہے گو شاخ غزالان ختن کا
لیکن تری زلفون کی شکن اور ہی کچھہ ہے

شیرین ہی بہت آم دکن کا مگر اے یار
لذت مین ترا سیب ذقن اور ہی کچھ ہے

گو شاخ سمن آب نزاکت سے ہے لبریز
نزہت مین مگر یار کا تن اور ہی کچھ ہے

گو آگ جہنم کی بہت تیز ہے لیکن
میری دل سوزان کی جلن اور ہی کچھ ہے

افسوس کہ نیکون سے ہی تو رکتا ہی کاوش
خصلت تری ای چرخ کہن اور ہی کچھ ہے

دیدیتے ہین یار و نکو ہی سکہ یہہ دغا کا
اس عہد مین لوگو نکا چلن اور ہی کچھ ہے

پڑ جاتی ہی گرہ نہین تو کھلتی نہین ہرگز
اس دام محبت کی رسن اور ہی کچھ ہے

قبضہ مین اگر ملک سلیمان بھی ہو ترکی
لیکن نجد احب وطن اور ہی کچھ ہے

پڑھ چکے جسوقت خط قاصد سے فرمانے لگے
بس ہوا معلوم اونکا مدعا کچھ اور ہے

ولہ

کیون خال نہو زلف سیہ فام کے نیچے
رہتے ہین کہ دانہ کو سبھی دام کے نیچے

لیجاتے ہین اغیار کو وہ شام سے اوپر
تا صبح کھڑی رہتے ہین ہم بام کے نیچے

لکھنے لگے لڑکے در و دیوار پر ابتو
ای یار مرا نام ترے نام کے نیچے

وہ بیٹھتے لوٹے پر ہین جسدم پئے دیدار
مشتاق کھڑی رہتے ہین سب بام کے نیچے

دربان ٹہرتے نہین دیتا ہمین ترکی
اوس ماہ کے دم بھر بھی کبھی بام کے نیچے

کیا اونکو ہی پروا تن بے سر سے کسیکے
کیا اونکو غرض ہی دل مضطر سے کسیکے

گر ذبح بھی ہو جائینگے خنجر سے کسیکے
تا زیست نہ اٹھینگے مگر در سے کسیکے

ہو جائیگی گر اب کے رہائی تو قسم ہے
اولجھین گے نہ گیسوی معنبر سے کسیکے

شنجرف سے لکھے ہوئے ہر روز خطِ شوق
اغیار کے نام آتے ہین دفتر سے کیسکے

کب تک یہہ غزالِ دلِ رم خوردہ بچیگا۔
تیرِ نگہہ چشمِ فسونگر سے کیسکے

دل دام کی مانند شبک ہوا افسوس
پہر ناوکِ مژگانِ ستمگر سے کیسکے

پی لیتے ہین خونِ دلِ حسرت زدہ ہر شب
کیا ہمکو غرض بادۂ احمر سے کیسکے

واقف ہین کہ ہو جائیگا برباد کسی روز
نقدِ دل و دین غمزۂ کافر سے کیسکے

کہلتا نہین کچھہ بہد کہ ہر حضرت ترکی
کیون آج نکلوائے گئے گھر سے کیسکے

جب اونکے ہاتھہ مین تیغ جفا کو دیکھین گے
ملا کے خون سے رنگ حنا کو دیکھین گے

ولہٗ

عاشقونکا وہ حال کیا جانے
بیکسونکا ملال کیا جانے

ای معلّم وہ طفل بازی کوش
قدر اہل کمال کیا جانے

یاد ہین حرف کچھہ نصیحت کے
شیخ رندونکا قال کیا جانے

فلکِ فتنہ جو ہے کمر فتار
تیری ای مہ وہ چال کیا جانے

لکھتا مضمون ہے زلف و خطکی بلال
وہ نظیر اور مثال کیا جانے

بے خبر ہو جو دین و دنیا سے
وہ حرام اور حلال کیا جانے

یار کے کوچہ کی نسیم کا فیض
دمِ بادِ شمال کیا جانے

لبِ میگونِ یار کی لذت
بادۂ پرتکال کیا جانے

ترکی نیک پے کی سیرت کو
حاسدِ بدخصال کیا جانے

بات سے اپنی ہم نہین پھرتے
کرکے قول و قسم نہین پھرتے
نہ کہلا آجتک یہہ حال کہ کیون
رفتگانِ عدم نہین پھرتے

ولہٗ

گر ہمکو دوست غیر کو مردود جانتے
ہم در کو اونکے کعبۂ مقصود جانتے
پتھر کو بت پرست ہین معبود جانتے
ہم خالقِ جہان کو ہین مسجود جانتے
ہوتے کبھی نہ نوح کی امت کے لوگ غرق
خلاق دوجہان کو جو معبود جانتے
ہرگز عروسِ دہر کی پہنتے نہ زلف مین
گر ہستیٔ دو روزہ کو نابود جانتے
بھولے سے اوسطرف کبھی رکھتے نہ ہم قدم
رستہ تری گلی کا جو مسدود جانتے
ہوتی جو جانچ کوٹھے کہری کی تہین تو کیون
دشمن کو دوست دوست کو مردود جانتے
بوجہل اور یزید سے ملتے کبھی جو ہم
فرعون اسکو اور اوسے نمرود جانتے
ہرچند روسیاہ ہین لیکن بجز خدا
ہم مہر و ماہ کو نہین مسجود جانتے
وہ پھیر دیتے گردنِ عشاق پر وہین
گر شہ نظر کو سم قاتل جانتے
کیون روئی آتشین سے نرکہین مجھ وہ دد
تن کو ہین میرے خرمنِ بارود جانتے

ترکی چہرکتے مشک نہ زنہار وہ اگر
زخمِ جگر کو میرے نمک سود جانتے

عدو سے شب کو جو جھگڑا ہوا کہو تو سہی
فساد پیکے جواد سنتے کیا کہہ تو سہی

تمہارے ہجر مین مرتے ہین کب کہا ہمنے
یہہ ذکر تمنے ہے کس سے سنا کہو تو سہی

رقیب کہتا تہا مرجاؤنگا جو تم نہ ملے
پہر آجتک نہ وہ کیونکر مرا کہو تو سہی

ہمیشہ کرتے ہو شکوا مرا جو غیرون سے
ہوئی ہے کونسی آخر خطا کہو تو سہی

یہہ خون ہے کسی تیغ نگہہ کے بسمل کا
کہ دست و پا مین ہی رنگ حنا کہو تو سہی

عدو سے آکے سر بام گفتگو کرنی
اسیکا نام ہے شرم و حیا کہو تو سہی

ہوا جو بزم مین رندون کی حال واعظ کا
وہ میکشو مجہے بہر خدا کہو تو سہی

یہہ کسکی مرگ سے آنسو رواں ہین آنکہون سے
یہہ کسکے غم مین ہو کرتے بکا کہو تو سہی

جو ساتہہ آپکے کل تہا حمین مین دوڑ دوش
وہ کونسا ہی نیا آشنا کہو تو سہی

کہا جو ہمنے انہین دلربا تو جہنجلا کر
وہ بولے اب کے بہلا دلربا کہو تو سہی

شب وصال وہ ترکی یہہ ہم سے کہنے لگے
صباح ہجر کا کچہہ ماجرا کہو تو سہی ؟

وصل کی شب ہی مؤذن کی صدا دور رہے
صبح کی آج مرے گہر سے ضیا دور رہے

یار سے عاشق بے برگ و نوا دور رہے
کشور حسن کے سلطان سے گدا دور رہے

اوسکے چہو جانے ہی ہو جاتی ہے درہم برہم
زلف جانان ہی دم باد صبا دور رہے

گنج کے گرد رہا کرتا ہے اکثر اژدر
عارض یار سے کیون زلف دوتا دور رہے

دیکہلون تجہکو مین جی بہر کے جو دم بہر دم قتل
مری گردن سے تری تیغ جفا دور رہے

سرخ کر لینے مرے خون جگر سے آکر
دست و پا سے ترے گر رنگ حنا دور رہے

کیا قیامت ہی کہ مرجائے عدو ہجر کے روز
اور ہم سے ہی شب غم مین قضا دور رہے

شب کو محفل مین تو آئی تہے حیا سے لیکن
میرے پہلو مین نہ بیٹہے وہ ذرا دور رہے

رات کو آنیکا آج اوسنے کیا ہے وعدہ
خواب آنکھون سے مری بخت رسا دور رہے

کیا ہوا خوش مین دعا دیکے کہا شیخ نے جب
کہ ترے سر سے شب غم کی بلا دور رہے

ہے تعجب کہ ہو مقبول عدو کی ترکی
اور میری باب اجابت سے دعا دور رہے

حشر مین ہوگی بخشش جو گنہ گارون کی
کیا سیہ رشک سے صورت ہوئی دیندارونکی

اُف ری سوزش تپ اندوہ کے بیمارونکی
کہ نہین برف مین خواہش نہین انگارونکی

غم سے روزہ کا نہین اور نہ ہے فکر نماز
عفو حق پہ ہی فقط آنکھہ گنہ گارون کی

ایک ہم ہین کہ نہین شکوۂ اعدا کرتے
ایک ہین آپ کہ کرتے ہو بدی یارونکی

کم نہین فکر فلک سیر سے میری اصلا
اے فرومایہ بلندی تری دیوارون کی

خم کے خم رات کو پی جاتے ہو اغیار کے ساتھہ
ایک بوتل تو کرو نذر کبھی یارون کی

جب سے وہ قبلہ کیجانب سے گہٹا اٹھی ہے
تب سے کیا دھوم ہے میخانہ مین میخوارونکی

مرنے جینے سے کسیکے نہین کچھہ کام اوسے
کیا غرض اسکو عیادت کرے بیمارون کی

بچگئے صاف جو درویش تھے ترکی لیکن
خوب لے دی ہوئی محشر مین ریاکارون کی

بیان انجمن مدعی سنو تو سہی
ہوئی جو شب کو وہان دل لگی سنو تو سہی

ہمارے عشق کا قصہ کبھی سنو تو سہی
مصیبتین جو سہی ہین اجی سنو تو سہی

اگرچہ طول مری سرگذشت ہے لیکن
بیان کرتا ہون کچھہ سرسری سنو تو سہی

جو شب کو ساتھہ عدو کے مری ہوئی کہٹ پٹ
وہ سنکے آئیگی تمکو ہنسی سنو تو سہی

کہو نہ حال کچھہ اپنا مگر خدا کے لئے
ہماری غم کی کہانی کبھی سنو تو سہی

جلی کٹی جو عدو کہتے ہین تمہین سرزم | مری مکان مین جھپکر کبھی سنو تو سہی
وہ آئے ہین مشتاق اور وہ سے جو ترکی | کلام اونکا ذرا پوربی سنو تو سہی

ولہ

تمہارے کوچہ سے آخر ہلاک ہوکے اٹھے | کبھی نہ اٹھے جو اٹھے تو خاک ہوکے اٹھے

ولہ

مرنے کی میرے جبکہ خبر ہوکے رہگئی | آنکھہ اوس ستم شعار کی تر ہوکے رہگئی
کسکی نظر لگی کہ محبت کی رات کو | میرا لطیف کچھہ اوسکی نظر ہوکے رہگئی
بادل مری فغان کا نہین گھر گیا تو پھر | کیون آج آسمان پہ سحر ہوکے رہگئی
پھر ہوگا کیا علاج ستمگر نگاہ سے | برچھی جگر کے پار اگر ہوکے رہ گئی
لذت نہین ملی ترے لب کی تو کسلئے | فرط حیا سے آب شکر ہوکے رہگئی
اوس بت کے دلمین نالۂ جانسوز سے مرے | تاثیر کچھہ ہوئی تھی مگر ہوکے رہگئی
سینہ پر اتنے کہائے ہین تیر نظر کہ اب | غربال کیطرح یہہ سپر ہوکے رہگئی
افشائے راز عشق نہو جائے اسلئے | آنکھہ اپنی بزم یار مین تر ہوکے رہگئی

ترکی رقیب کتنا تھا شب بزم یار مین
تیری ہوئی تھی یاد مگر ہوکے رہ گئی

ولہ

لکھا ہی یہہ ہم آتے ہین نہ آئینگے نہ جائینگے | یوہین مجھکو ستاتے ہین نہ آئینگے نہ جائینگے
گیا تھا جو بلانے آخر اوسنے یہہ کہا آکر | عبث تمکو ستاتے ہین نہ آئینگے نہ جائینگے

ولہٗ

دل کو نکرو زلفِ معنبر کے حوالے
مومن کو نہین کرتے ہین کافر کے حوالے

کیا غیر کی آغوش مین سوتے ہین مزے سے
پہلو کو مرے کرکے وہ خنجر کے حوالے

مفلوک وہی رہتا ہے جو چھوڑ کے حق کو
کر دیتا ہے کام اپنے تو گر کے حوالے

ہم دفترِ اشعار کو ضایع نکرین گے
کر دینگے کسی یارِ سخنور کے حوالے

ہے اتنی وصیت کہ پسِ قتل نہ کرنا
لاشے کو مرے خصمِ ستمگر کے حوالے

دیکر اوسے کیون حسن کی اقلیم ہو کرتے
معمورۂ غم عاشقِ مضطر کے حوالے

ہے قصد کہ پہلے ملک الموت سے کر دین
جان و دلِ بیتاب کو دلبر کے حوالے

زخمِ کہن دل کو نہ مژگان سے چھپاؤ
ناسور کو کر دیتے ہین نشتر کے حوالے

میدانِ قیامت مین لبِ خشک کو اپنے
کر دینگے فلک ساقیٔ کوثر کے حوالے

کمظرف کو دینا نہ کبھی گنجِ معانی
دولت نہین کرتا کوئی بے زر کے حوالے

ترو کی دلِ نازک کبھی اوس بت کو ندینا
شیشے کو نہین کرتے ہین پتھر کے حوالے

انکو بھیجین گے ہار پھولون کے
اور سبد تین چار پھولون کے

باغ سے لائی ہین وہ میرے لئے
ٹوکرے تین چار پھولون کے

غیر کو دیکے کیجئے رخصت
عطر اور پان ہار پھولون کے

میری لائے ہوئے نہ پہنے گا
وہ گل اندام ہار پھولون کے

لائینگے ہم تیرے لئے دو چار
زیورای گلعذار پھولون کے

غیر کو لاکے دیجئے نہ اودہار
گلفروشون سے ہار پھولون کے

قبر تڑکی کی تہی وہی جس پر
ڈہیر تہے بیشمار پہولون کے

ولہٗ

وصل کی شب جکا یتو نمین کٹی
اور غم کی شکا یتو نمین کٹی
کبہی فکرِ سخن بہی کر واعظ
عمر تیری روا یتو نمین کٹی

ولہٗ

ابتو نبہتی نظر آتی نہین میری تیری
الفت اغیار کو بہاتی نہین میری تیری
جیتے جی خو یہہ وفا اور جفا کرنے کی
مین ہون آگاہ کہ جاتی نہین میری تیری
کوچۂ یار کی بہی ابتو ہوا آکے کبہی ؛
ای عدو خاک اوڑاتی نہین میری تیری
داستان کوہ کن و قیس کو جا کر اک شب
کسلئے خلق سناتی نہین میری تیری
کسلئے خلقِ خدا کہینچے اے بت تصویر
قیس و لیلی کو دکہاتی نہین میری تیری
دیدۂ دشمنِ بدبین کو خدا کو رکرے
دوست صحبت اوسے بہاتی نہین میری تیری

کیا سبب ہے کہ وہ کہنے لگے مجہہ سے ترکی
ابتو نبہتی نظر آتی نہین میری تیری

نہین خبر اوسے کرتا ہون جستجو کسکی
بہری ہوئی ہے مری دلمین آرزو کسکی
نہین ہی اتنا ہی معلوم اوس جفا جو کو
کہ میری قتل سے جائیگی آبرو کس کی
پہری تلاش مین برسون مگر نہ ہم سمجہے
کہ ہے جگہہ یہہ قریب رگِ گلو کسکی
وہ جان بوجہہ کے کل پوچہنے لگے مجہہ سے
دہری ہوئی ہے یہہ تصویر روبرو کسکی
دلِ فسردہ شگفتہ ہوا ہے گل کی طرح
نسیم باغ تو لائی ہے آج بو کس کی

مجھی سے کہتے ہین غیرونکی بزم مین جیکر
ذرا سنو تو وہ کرتے ہین گفتگو کسکی

خیالِ خام ہے تجھکو کہین اگر اپنی
عروسِ دہر ہوئی آجتک ہے تو کسکی

جو یہ نجیر بہہ کے مری اشک ڈر کے کہنے لگے
ہماری گہر مین یہہ آئی ہی آب جو کسکی

نپوچھا اتنا ہی تو نے کسی سے اوس بت نے
کہ ہوتی آج تہی تشہیر کو بکو کسکی

بارِ فرقت کا ہم اٹھا نہ سکے
موت سے جان کو بچا نہ سکے

آہ و زاکت سے ہم نخافت سے
صحنِ گلزار تک بہی جا نہ سکے

شرمِ اعدا سے انکو محفل مین
دل کی بیتابیان دکہا نہ سکے

ایک ہنگامہ تہا محفل مین
حالِ دل ہم انہین سنا نہ سکے

سامنے ہی رہی وہ حشر کے دن
لبِ فریاد ہم ہلا نہ سکے

فیر تے پاس ہم کو بام سے بہی
جلوہ رخسار کا دکہا نہ سکے

گو اٹہایا نہ مجکو محفل سے
پاس اپنی مگر بٹہا نہ سکے

منتظر مین رہا شہادت کا
حلق پر تم چہری پہرا نہ سکے

میری میت کے ساتہہ وہ تو کی
دو قدم بہی تو اٹہکے آ نہ سکے

سوزِ پنہان سے مرا لختِ جگر جلتا ہے
دوڑ اے اشک کہ ہمسایہ کا گہر جلتا ہے

دشت و حشت مین لگاتا ہون جو چکر دن بہر
ریگ سے پانون مرے دہوپ سے سر جلتا ہے

بارشِ اشک نکی اوسے رکہتی ہی ہر دم سیراب
پہر بہی کیون سینہ مرا دیدۂ تر جلتا ہے

چہڑکے اے کے خدا کیلئے جلد آبِ وصال
آتشِ ہجر سے اب میرا جگر جلتا ہے

آتشین سکے مضامین مری کاغذ کیطرح
دوست کی بزم مین دشمن کا جگر جلتا ہے
دل سوزان مرا ای حور سقر کی مانند
تپ فرقت سے تری شام و سحر جلتا ہے
پنبہ زار دل ترکی مین لگی ہے آتش
یا کسی شخص کا یہہ پہوس کا گھر جلتا ہے

عشق کے صدمے نہ جینے دینگے اب تیری مجھے
خوب ہی سنئے پڑینگے ظلم اعدا کے مجھے
کرتے ہی باتین کسی سے بیتکلف دو بدو
چھپگئے پردہ مین جھٹ پٹ دیکھکر آتے مجھے
تہا تو مین پہلے ہی سے رسوا مگر ای عشق یار
کر دیا بدنام استوا ر بہی تو نے مجھے
گہٹ گیا تہا غم سے مین اور بڑہگیا تہا حسن یار
ترجمہ اسلئے مینے نہ پہچانا اوسی نے مجھے

مین جہکا دیتا ہون ترکی سر کو اپنی جسکہڑی
مارتے پتہر ہین کوئی یار کے لڑکے مجھے

پہر مرے رونے سے اغیار کے گہر ڈوب گئے
مین ادہر ڈوب گیا اور وہ اُدہر ڈوب گئے
مین جو رویا چمنستان مین شجر ڈوب گئے
باغبانون کے جو تہے باغ مین گہر ڈوب گئے
ناشنا ور کیطرح خوب ہی کہائے غوطے
جب مرے رونے سے اغیار کے گہر ڈوب گئے
آج انکہون سے نہین ہوتا ہے کیون سیل رواں
قلزم گریہ مین کیا دیدۂ تر ڈوب گئے
یہہ بہا خون شب غم دل پرخون سے کہ سب
استخوان سینہ کے اور لخت جگر ڈوب گئے
کوچۂ یار مین رونے سے ہمارے آخر
اونچے اونچے جو تہے گہر اور وہ در ڈوب گئے

داد دیتی نہین کیون میری غزل کی ترکی
عرق شرم مین احباب مگر ڈوب گئے

دیکہکر نسق مری کچہہ تو مسیحا کہئے
عشق کہئے کہ جنون کہئے کہ سودا کہئے

کب تک اوس سے نہ ملال دلِ شیدا کہیئے
کب تک اوس شوخ سے جی کی نہ تمنا کہیئے

قصۂ عشق بیان کر چکے ہم حرف بحرف
اب اسے آپ بجا کہیئے کہ بیجا کہیئے

غیر کو ہے فقط ارشاد غزل لکھنے کا
ہمکو یہ حکم ہوا ہے کہ سراپا کہیئے

دربدر پھرتا ہوں میں جیفۂ دنیا کے لئے
حق پڑا وہان مجھے بیشک سگ دنیا کہیئے

کہتے اوس بت کے جو ابرو کو ہیں محراب حرم
پھر مرے دل کے شوالے کو بھی کعبہ کہیئے

مہربان آج وہ ہو کر لگے کہنے ترکی
بیخطر آپ نے جو مجھ سے ہے کہا کہیئے

ولہ

ہوں پیر مگر جوش جوانی تو وہی ہے
رنگ سخن و بوئی معانی تو وہی ہے

ولہ

پڑ گئے ہیں گرم مضمون سے دہن میں آبلے
اٹھیں گے اب پائے حورائے سخن میں آبلے

تک رہی ہیں راہ اونکی چشم تر کہولے ہوئے
مرغ جان طیار ہے اور ٹرنیکو پر کہولے ہوئے

کاشکے آجائیں شب کو وہ کمر کہولے ہوئے
منتظر بیٹھا ہوں میں بھی اونکا در کہولے ہوئے

ہو چکا چالیسوان بھی غیر کا ابتک وہ لیک
قبر پر بیٹھے ہیں اوسکی موسر کہولے ہوئے

نیم بسمل کیوں ہو رہتے فیصلہ کر دو ستاب
بیٹھا ہوں مقتل میں میں زخم جگر کہولے ہوئے

آرہی ہے آج پھر ترکی بلائے شام ہجر
میری جانب اپنا مونہہ شل سفر کہولے ہوئے

بڑھتی جاتی ہے مری ساتھ کدورت اوسکی
اور دل سے مرے گھٹتی نہیں الفت اوسکی

غیر نکلے ہے تمہیں لیکے مرے کوچہ سے
آجکل آئی ہے پھر دیکھیئے شامت اوسکی

ہے جو آغاز مین یہہ حال تو آگے چل کر
کیا دکھائیگی ہمین دیکھیے چاہت اوسکی

باز آعشق سے کہتا رہا مشفق ناصح
مینے مانی نہ مگر حیف نصیحت اوسکی

خوف ترکی نہین کچھہ اپنی گنا ہونکا مجھے
مری عصیان سے بہت بڑھکے ہی رحمت اوسکی

مسجد مین نکلی نہ جنت مین شوالے نکلے
میری ہی بت کے سبھی پوجنے والے نکلے

چھپ گیا شرم سے خورشید قیامت تہ ابر
آتشین جبکہ جگر سے مرے نالے نکلے

دیدیا قصر جنان انکو بے قیمت لیکر
شیخ کے گھر سے کئی ایسے قبالے نکلے

خضر نے دشت مین جب گنکے چڑہائے پہاڑ
بڑہ کے مجنون سے مرپانون کے چھالے نکلے

آزمایا تو نہ نکلا کوئی سچا عاشق
سب دغا باز تری چاہنے والے نکلے

ہوگئی ہر صف محشر مین درہم برہم
ترے عشاق جو کرتے ہوئے نالے نکلے

دیکھا جراح نے جب چیر کے سینہ میرا
مژہ یار کے ٹوٹے ہوئے بھالے نکلے

غیر کرتے ہوئے سب حیلے حوالے کہکے
ہم ہی مقتل مین تری چاہنے والے نکلے

تیر پر تیر جو کہائے تہے اسی باعث سے
جسقدر داغ جگر تہے مرے آلے نکلے

کچھہ بھی نکلا نہ پس مرگ ہمارے گھر سے
کون کہتا ہے کہ مٹی کے پیالے نکلے

پھر رہا یاد نہ افسون کوئی ترکی ہمکو
روزن گوش سے جب زلف کے کالے نکلے

ہوگی فکر محشر مین ہمین کچھہ جیب و داماں کی
قبا گردہ جانان بنیگی جسم عریاں کی

اوڑائی ہیمان پچھلے برس تہی چاک دامان کی
خبر لے اب کے سال ای پنجہ وحشت گریبان کی

ہمین سے پوچھیے قیمت لب رنگین جانان کی
کہ تاجر ہی سمجھتے ہین بہا لعل بدخشان کی

جلاتی ہی مجھے اور سرد کردیتی ہی دل اوس کا
عجب تاثیر ہی اس میری آہ آتش افشان کی

ہوا کچھ بھی نہ حاصل گرچہ خدمت کی بہت دن تک
یہودی کی مجوسی کی نصارا کی مسلمان کی

قیامت ہو جائیگی وہ رفتار قیامت زا
دکھادینگے اگر ہم اوسکو چال اک آفت جان کی

وہ کردیتی ہین بیخود پہلے ہی نخچیر کرنے سے
سنگھا کر بو غزال چین کو زلف عنبر افشان کی

خبر اتنا نہ پہونچائی صبا نے قیس و لیلے کو
مری مجموعۂ دل کی تری زلف پریشان کی

سمجھکر مجکو مفلس پاسبان آنے نہین دیتے
عجب تو قیر ہوتی ہے تمہاری گھر مین مہمان کی

تڑی پر بط نوازون کے گزون ہی شب کو محفل مین
ہوئی بس خوب ہی گت غیر کی ساقی کی در باکی

جہی رہتی ہی برق حسن عالم سوز جانان ہی
ضیا مہتاب کی انجم کی خورشید و رخشان کی

دکھادینگے جنون کے ولولے ہم قیس و وامق کو
بہار آنے تو دی اے عندلیب اب کے گلستان کی

تماشا مین ہی کر لیتا بت غار تگر دین کا
اگر کرتا حفاظت شیخ دم بہر میرے ایمان کی

جو دیکھا امتحان کرکے برابر ہی نظر آئی
صعوبت صبح محشر کی مصیبت شام ہجر انکی

بنائے گر نہین گلگونہ حور و سکا تو کیون رضوان
اٹھا کر روز لیجاتے ہین مٹی کوی جانان کی

یقین ہی بڑھکے ہی نکلیگی میدان قیامت سے
خضر دیکھو تو وسعت ناپ کر میری بیابان کی

صلہ ہم لینگے بیشک روح فردوسی طوسی سے
سنا کر آج ترکی مدح سلطان خراسان کی

مرا مطلع ہی روشن تر جبین صبح روشن سے
سواد مقطع زیبا ہی خوشتر مردکے خرمن سے

بیابان یہ نہین ہی نجد کا اے حضرت مجنون
قیامت تک نہ نکلوگے مری صحرا کے دامن سے

مزہ ملتا شہادت کا گر ای باد صبا اکدن
لپٹ جاتی ہماری خاک اوڑ کر اوسکے دامن سے

دکھادیگے کسی شب ساقی گلرو کو محفل مین
بط صہبا کی گردن کو ملا کر تیری گردن سے

گری سنگِ خمارِ بادہ سر پر گر کہا ہو یہہ
کہ نازک گردن مینا ہی ساقی تیری گردن سے

تعشق گر نہ تھا باہم تو پھر کیو نکر دمِ کشتن
لپٹ گر رہگئی شمشیر قاتل میری گردن سے

عجب کیا ہی کہ دین نسبت فرشتے آسمانون کے
زمین شعر کو میری جبین صبح روشن سے

سنا دینگے غزل کے چند شعر ارباب دانش کو
کہ دانا دیکھتے ہین ایک دو دانہ ہی خرمن سے

سمجھکر اک پری کے محشر رفتار کا کشتہ
نکلتی ہی قیامت مونہہ چھپاکر میری مدفن سے

تری شمشیر کے زخمو نکی لذت آج اے قاتل
کوئی پوچھے مرے دل سی جگر سے سر سے گردن سے

بھلا دیکھینگے کیا جاتے ہین کیو نکر حضرت ناصح
بچا کر نقد ایمان کو تری گیسو کے رہزن سے

لکھین گے ہم نہ غیرون کے مضامین اپنے دیوان مین
کہ رکھتی دور ہین صراف دانا زر کو آہن سے

ملا کر دیکھہ لو تر کی کہ دل کا شک نکل جائے
ہماری صوتِ رنگین کو نوا سنجانِ گلشن سے

دیکھا اوسنے نہ محبت کی کبھی آنکھون سے
گھورتا یون ہی رہا تھہر بھری آنکھون سے

غیر سے جبکہ لڑاتے ہو نظر محفل مین
دیکھہ لیتی ہین تمھین ہم بھی دبی آنکھون سے

دیکھنے سے مرے ہو جاتے ہو برہم ورنہ
سر رہ دیکھتے ہین تم تو سبھی آنکھون سے

اونپہ گر جاؤنگا مین کیسے یہہ رستہ مین کبھی
سوجھتا کچھہ بھی نہین مجھکو اجی آنکھون سے

اوسکی مژگان سے لڑا لیتی ہین نظرین اپنی
ہم اٹھا لیتی ہین برچھی کی انی آنکھون سے

ڈال دیتا ہی کبھی غیر جو ضد سے کانٹے
صاف کر دیتا ہو نمین اونکی گلی آنکھون سے

نکلا مونہہ سے تو نہ کچھہ دیکھکر اوسکو لیکن
اشک بہنے لگے محفل مین مری آنکھون سے

چاہئے دیدۂ مجنون پئے دید لیلےٰ
دیکھہ اوس شوخ کو ناصح تو مری آنکھون سے

دل نکل آتا ہے سینہ سے تڑپ کر باہر
وہ ملا دیتا ہے آنکھین جو کبھی آنکھون سے

نگہہ لطف کسیپر نہ تو ڈالو مجھ پر	دیکھتے رہتی ہو کیون زہر بھری آنکھون سے

یہہ وہی مونس دیرینہ ہے ترکی ایدبست
دیکھتا جسکو ہے تو آج بُری آنکھون سے

قصاید و قطعات و رباعیات وغیرہ

منقبت در مدح حضرت غوث اعظم رض

ای شہ جیلان تری دربار مین آتا ہونمین	دوش پر صد بار عصیان باندھکر لاتا ہونمین
یاد جب آتی ہی عمر رفتہ ای آقا مجھے	دنمین سو سو بار جیتے جی ہی مرجاتا ہونمین
گوہر مقصد سی ہو جاتا ہے دامن میرا پُر	جب تری دربار مین اے بحر فیض آتا ہونمین
کونسا ہوگا وہ دن یارب کہ لیکر زاد راہ	یہہ کہون احباب سے بغداد کو جاتا ہونمین
ہی کئی دن سے جو دلمین آرزوئی پائے بوس	مرتے مرتے اسلئے ہر شب سنبھل جاتا ہونمین
ایک ترکی ہی نہین میرا لقب ای شیخ عصر	عاشق محبوب سبحانی بھی کہلاتا ہون مین
اسقدر تونے کیا قانع کہ اب آتی ہے شرم	صبح کو ہر دعا جب ہاتھہ پھیلاتا ہون مین
جذبۂ دل ہی لئے جاتا نہین لیکن خبر	آیا ہونمین کسطرف سی اور کدہر جاتا ہونمین
منشی گردون لکھیگا پھر نہ کیونکر میرا وصف	مدحخوان غوث اعظم جبکہ کہلاتا ہونمین
کیون خراسان سے نہ مینے رخ کیا بغداد کو	اس ندامت سی بہت اب دلمین پچھتاتا ہونمین
باز آتا ہی نہین روکے سے تیری یاد مین۔	اس دل مشتاق کو ہر چند سمجھاتا ہون مین

دور جس شب سے ہوا ہون بزم پر انوار سے
شمع کی مثل اڑی مہ تابان گہلا جاتا ہونمین

بحر عصیان یاد جب آتا ہے تنکے کی طرح
دیدۂ خونبار کے دریا مین بہ جاتا ہونمین

جانتے کل البشر مین سب مجھے اہل نظر
خاک پائی قطب عالم جب سے کہلاتا ہونمین

سیّد بغداد کی فرقت مین ترکی روز و شب
خون دل پیتا ہون اور لخت جگر کہاتا ہونمین

در مدح سلطان دکن بہ تہنیت جشن چہل سالہ

قلم نے مدحت شہ مین وہ کی گہر باری
کہ دیکھکر ہے جسے زرد چرخ زنگاری

تلاش گوہر مضمون مین ہر طرف ہی روان
عروس فکر برنگ غزال تاتاری

وہ آج فرط مسرت سے ہی دکن کا رنگ
کہ سرد جس سی ہے لندن کی گرم بازاری

خوشی ہی جشن چہل سالہ نظام کی آج
گلی گلی مین یہہ تب ہو رہی ہے گل کاری

یہہ جشن وہ ہی کہ نازان ہی اپنی زینت پر
سریر خسروی و افسر جہانداری

عجب نہین کہ بتان جفا شعار کو آج
سکھائی پیر فلک شیوۂ وفاداری

کہان ہے مشک سخن کی خطا و چین مین قدر
دکن مین جیسے ہی اس حبش کی خریداری

اب آستانۂ آصف پہ سر جھکاتا ہون
کہ گردن فلک کی کہانتک مین ناز برداری

ہے آفتاب جہانتاب کی دعا ہر صبح
کہ ہو نصیب مجھے شہ کی آئینہ داری

ہوا ہون مدح سرا بزم جشن شاہی مین
مری نصیب نے کی آج کس قدر یاری

یہہ حکم ہے کہ قصیدہ ہو مختصر ترکی
نہ شکل طرۂ زلف بتان تاتاری۔

اسی خیال سے دربار بادشاہی مین
زبان کلک سے ہے چشمۂ دعا جاری

کہ لاکھ سال جہان مین یہہ جشن ہو سالہ	دکھائے آصف دوران کو ایزد باری

سنین عمر شہنشاہ و بادشا زادہ
فزون ہو خضر سے عالم مین حضرت باری

در مدح نواب لطف الدین خان بہادر

شوکت نواب لطف الدین خان کو دیکھکر	جھک گئے آئے تھے جو ہر ذی نشان کو دیکھکر
اوسکے کوچہ کی زمین سے پیر نکلتے ہی نہین	جو ملک آتے ہین گلزار جنان کو دیکھکر
کیا عجب ہے اے فلک اس عہد کی تاثیر سے	چھوڑ جائے میزبان گہر مہمان کو دیکھکر
اب نہین رکھتا ہون شب کو گھر سے مین باہر قدم	ڈر گیا جب سے ہون اک خصم جان کو دیکھکر
بلبل رنگین نوا کے اور گیا چہرے کا رنگ	میرے دیوان کی بہار بیخزان کو دیکھکر
روح ناسخ سے ہمیشہ کہتی ہے باد دکن	آئی ہو نمین تر کی عذب البیان کو دیکھکر
کیا تعجب ہے کہ نور آجائے آنکھو نمین مری	پیر کنعان کیطرح اک نوجوان کو دیکھکر
ہے قد بالا سے اوسکے پست شمشاد چمن	آج ہم آئے ہین جس سرو روان کو دیکھکر
ہو گئے حیران یوسف بھی زلیخا کی طرح	جلوہ رخسار لطف الدینخان کو دیکھکر
شاد ہون کیونکر نہ تیرے دولت دیدار سے	خوش گدا ہوتا ہے گنج شایگان کو دیکھکر
تیرا ہمر تبہ نہین آیا زمانہ مین نظر	ہم بھی آئے دور سے ہین اک جہان کو دیکھکر
تیرے اعجاز قلم سے بہا گئے ہین یون حریف	جسطرح دشمن تری نوک سنان کو دیکھکر
میری دلمین آرزو تھی ایکمدت سے یہی	جاؤنگا کعبہ کو تیرے آستان کو دیکھکر
کی مدد معجز نے تیری دور گیا تہا دہر مین	حلقہ اُفتی زلف دلستان کو دیکھکر

تیری بزم عیش سے ہر دست یون ہوتا ہی شاد
جسطرح بلبل بہار بوستان کو دیکھکر

یاد آجاتے ہین گو ہر آستانے کے تیرے
شبکو بام آسمان پر کہکشان کو دیکھکر

دیکھنے والے تری عارض کے کب ہوتے ہین خوش
ماہ کنعانی و مہر آسمان کو دیکھکر

چاہتا پھر دل نہین دیکھین کسیکی بارگاہ
اے سلیمان جاہ تیری عزو شان کو دیکھکر

پھر یہہ حرص خام ہے جاتی نہین کسی مقدر پاس
اے سحاب فیض تجھ سے قدردان کو دیکھکر

پوچھتے ہین تیری خیر و عافیت اہل دی جشم
قیصر و خاقان دکن کے کاروان کو دیکھکر

پانی پانی شرم سے نار جہنم ہو گئی
تیرے خصم جاہ کے سوز نہان کو دیکھکر

دل سے دیتا ہے دعائے عمر ترکی کی طرح
ہر گدا نواب لطف الدین خان کو دیکھکر

قصیدہ در مدح سری مہاراجہ ہیر اسنگہ بہادر مالوندر والی ناجھہ دوسری ٹیکا جی

یہی تہی اب کے برس خواہش دل مہجور
کہ جشن دہلی مین دیکھونگا آستان حضور

جبین شوق مری لیگی بوسے اوس در کے
کہ چومتی ہی جسے آکے قصر خلد کی حور

جھکاؤنگا سر شوریدہ اوسکے قدمونپر
بصد ہزار تمنا بصد ہزار سرور

لقب ہی جسکا مہاراجہ ہیر اسنگہ ایدل
اوسیکا نام ہی نابہہ سے تا دکن مشہور

سخاوت اور شجاعت ہے جسکی ذات پہ ختم
عطا کا اوسکی ہی شہرہ قریب تر اور دور

جو اوسکے گھوڑے کی گرد اوڑکر آنکھہ مین پڑجائے
تو چشم خور سے لڑائے نگاہ دیدہ کور

تری شراب محبت سی مست ہون آقا
نہین ہی دلمین مرے خواہش مے انگور

رقم ہو تب تری مدحت کہ لاکے دے رضوان
مداد چشم غزال و دوات دیدۂ حور

بہرا ہے یون مے معنی سے میرا شیشۂ دل
کہ جیسے ساغر زرین مین ہو شراب طہور

عجب نہین ہے کہ لیجائے اس قصیدہ کو
دکن سی روح نظیری بسوئے نیشاپور

مری زبان سے سنیگا جو اس قصیدہ کو
سنیگا حضرت داؤد سے نہ بہر وہ زبور

مری سخن کی مدا ٹین مین کیون نہو شہرت
کہ مین ہون والی نابہہ کا مدیحخوان مشہور

مجھے یقین ہی تر کی کہ یاد نابھہ کی
ہوگی باغ جنان مین بھی میری دل سی دور

ثنائے والی نابہہ نہ کس طرح لکھون
کہ جسنے کردیا دولت سے میرا گھر معمور

اگرچہ دور ہون ظاہر مین اوسکے قدمون سے
خدا گواہ نہین ہون مگر مین دل سے دور

کتابین مینے جو تصنیف کی ہین نابہہ مین
روانہ کرتا ہون اونکو برائے نذر حضور

تمام مدرسون مین فیض اونکا جاری ہے
پڑہاتے ہین اونہین اوستاہین جو اہل شعور

سبب نہ آنیکا لکھنا ہی مینے عرضی مین
کہ اوسکا لکھنا مجھے اسجگہہ نہ تہا منظور

مگر ہے قصد کہ لکھون ثنائے نیکا جی
کہ جسکے نور سے ہین دیدۂ جہان پر نور

لکھونگا وصف مین اونکے وہ مطلع رنگین
کہ زیر برگ ہو گل دیکھکر جسے مستور

مطلع ثانی

ترے لقب ہین جہان مین مظفر و منصور
عدو نہون تری ہیبت سی کسطرح مقہور

غزل سناتا ہون اب مین جناب کو ایسی
کہ جسکے رنگ سے ہو جائے رنگ گل کافور

غزل

نہین جو گلشنِ محفل مین آج تیرے وہ حور
حرام ہوگئی ساقی مجھے مے انگور

یہہ دیکھہ رنگِ جدائی نے تیری اے بیدرد
کیا ہی شیشۂ دل کو ہماری چکنا چور

ہمارے خطِّ محبت کے کردئے پرزے
جوابِ نامہ جو لکھنا نہ تہا اوسے منظور

خبر خدا کے لئے جلد لے مسیحا دم
کہ کل سے کوچہ مین تیری پڑا ہی اک رنجور

اگر نصیب سے بجائے خاکِ پائے صنم
لگاؤن انکھون مین اوسکو بجائے سرمۂ طور

دمِ ہلاک بہی اوس نے نہ لینے یہہ پوچہا
کہ کونسا مرا ثابت ہوا ہے جرم و قصور

نکرتے دعوئے خون ہم کبہی قیامت مین
گلی مین یار کی بنتی اگر ہماری گور

دعا پہ ختم کرو اس غزل کو اے ترکی
کہو یہہ ہاتہہ اوٹہا کر کہ اے خدائے غفور

ابد تلک رہین مہراج اوڑیکا جی
بحقِ صاحبِ نادیر و نانکِ مغفور

قصیدہ بمدح نواب صولت جنگ بہادر و در فخر خود گوید

مرے کلام سے ملتا نہین کسیکا رنگ
مرے لغت کے ہین محتاج صاحب فرہنگ

جو میرِ گنجِ معانی کے دیکہہ لیتا نقش
تو جانتا اوسے مسجودِ خامۂ ارژنگ

مرے گہیتِ سخن کی نہ گرد کو پہونچا
صبا کا رخشِ سبکرو فلک کا تیز گرنگ

حساب میری تصانیف کا کرے گا وہ — جو گن سکیگا دُرِ قطرہ جمن اور گنگ
گدازِ سوز سے نسبت نہ دیجئے مجھکو — کہ ہین رغال کی وہ مثل مین ہون آتش رنگ
زبان گھسگئی یار دنکی کہتے کہتے شعر — کسیکو آیا نہ ابتک مگر سخن کا ڈھنگ
وہ بوسلیک معانی سے ہو گا کب ماہر — جو لچن کین سیاوش کو جانتا ہو تلنگ
مرا سخن مین ہی اوستاد ناطقِ مکران — کہ ہوتا جس سے تہا مغلوب غالب خوشرنگ
کدورت آتی نہین طبع پاک پر میری — یہہ تیغ وہ ہی کہ جمتا نہین ہے اسپر زنگ
بغیر طاہر و صائب مکمل و ناسخ — مجھے سخن مین خوش آتا نہین کسیکا رنگ
ہر اک کتاب کو میری سمجھکے باب ادب — دکن سے لیگئے لندن کو نکتہ دانِ فرنگ
غلط یہہ قول اگر ہی تو آؤ پوچھین گے — ہم اوس امیر سے جسکا لقب ہی صولت جنگ
عدو بچا نہ سکیگا کیا اونکی رہ مین دام فریب — جب اون سے چرخ مشعبد نکر سکا نیرنگ
سخن مین اونکا نہین آجکل کوئی ثانی — مہابت اور شجاعت مین ہین وہ مثل پشنگ
ہمیشہ ہوتے ہین سیراب تشنہ لب اوسجا — رواں ہی بحر کرم اونکا مثل موجہ گنگ
مری رفیق ہین ملت سی بہانجے اونکے — کہ جنکی سنکے فصاحت اور اُفصیح کا رنگ
خطاب ناظمِ شیرین کلام ہے اونکا — اونہین کے ساتھہ گیا تہا مین پیش صولت جنگ
بہت ہی خلق سی مجھسے ملے وہ معدنِ فیض — رہا مین دیکھہ کے بزم نشاط اونکی دنگ
نہ اونکی محفلِ عشرت سے مین کبھی اوٹھتا — اگر کلالتِ پیری نہ مجھکو کرتی تنگ
پہر آرزو ہی رہی مجکو پائے بوسی کی — ہمیشہ کرتا رہا اونکی بزم کا آہنگ
مگر یہہ ضعف اوٹھانے نہین قدم دیتا — مری نگاہ مین ہی نیم ذرہ مثل اولنگ
لکہونگا آگے کبھی انتخاب جنگ سے مین — کرونگا عذر عدم حاضری کا بادلِ تنگ

اسی زمین مین اب وہ غزل سناتا ہون — کہ جسکے سننے سے ہو حق کرین چغانہ و چنگ

غزل

حیات سے دلِ مہجور ہو نہ کیونکر تنگ — کہ وصلِ یار مین مدت سے ہو رہی ہے درنگ
سنا ہے جسنے ہمارا ترانۂ مغنی — کہان سنیگا وہ پھر بار بد سے نغمۂ چنگ
بچیگا عاشق شیدا وہ کسطرح یارب — کہ جسکا سر ہو شب و روز وقفِ بارِ سنگ
مجھے صعوبتِ پیری سے ہی نظر آتا — ہزار کوس سہی زاید اگر ہوا کہ فرسنگ
قصور کیا ہے بتا اے خدیوِ کشورِ حسن — کہ فوجِ ہجر تری کر رہی ہے مجھ سے جنگ
غمِ فراق سے ہی ترے اے ستم گستر — سرِ شکستۂ عشاق در تہِ پا دنگ
جفائے ہجر سے بچنا محال ہے میرا — کہ گو سپند سے کبتک رہیگا دور پلنگ
نکال دیتے ہین اغیار کی غرض وہ جلد — مری ہی کام مین مدت سے ہو رہی ہے درنگ
محیطِ اشک سے تر کی نہین ہے غم مجھکو — کہ جوشِ بحر سے کرتا نہین گریز نہنگ

باز مخاطب بہ ممدوح و ذکر خود۔

وہ میر یا سی اردو کے تھے جو دو دیوان — دیے ہین طبع کو مین نے بمطبعِ اورنگ
انہین کی سوچ مین رہتا تھا شب کو مین بیدار — انہین کی فکر لگاتی تھی دل پہ روز خدنگ
خدا کرے کہ اسی سال مین وہ چھپ جائین — کہ اونکے چھپنے سے جاتا رہیگا دل کا زنگ

شہیم گلشنِ ناسخ ہے میری اردو مین — غنی کے رنگ سے ملتا ہے پارسی کا رنگ
اگر ہے شک تو سخن کا مقابلہ کر لو — حکم سے پوچھئے واجب نہین ہی ہمین ورنگ
مری نظر مین مگر مثلِ حضرتِ ممدوح — حکم نہوگا کوئی تا بہ ہفت صد فرسنگ
دروغ راست کو میری وہ جانچ لینگے خود — کہ فرق ہوتا ہے آخر میانِ باز و کلنگ
چھپا رہیگا نہ اونسے میرا یہہ دعوئی فخر — کہ ہین بلادِ دکن مین وہ صاحبِ فرہنگ

دعا پہ ختم کر و اب قصیدہ کو ترکی
کہو دو چند ہو شانِ جنابِ صولت جنگ

در فخرِ خود گوید و مدح نواب صولت جنگ بہادر در عاقبت تخلص

ترکی مری سخن کی جو شہرت بہت ہوئی — کہنے لگے عجم مجھے سلمان ساوجی
لطفِ سخن ہی نام ہے اسکا کہ رات دن — شہرہ ہی میری فکر رسا کا گلی گلی
میری نظر مین ذرہ سے کم ہے کلامِ مہر — شاہد مری سخن کا ہے خورشید خاوری
یہہ فال نامہ حافظِ شیراز کا نہین — عرفی کا ہے قصیدہ نہ فیضی کی مثنوی
یہہ سحر سامری ہے نہ ہاروت کا فسون — دیوان ہے میرا نسخۂ اعجاز عیسوی
کب تک لکھون حسود کے خط کا نہین جواب — کب تک سنا کرون عدو سے جلی کٹی
اچھا ہوا کہ پہلے ہی مجھ سے نکل گئے — سعدی و انوری و دقیقی و رودکی
ورنہ دکھا کے رنگ طرازِ سخن انہین — کچھ ٹوٹی پھوٹی اونکی بھی ستتا مین پارسی

مطلع ثانی

کہتا مین تب یہہ حضرت عابد سے آپ ہی
اب مجھہ مین اور ان مین ذرا کیجیے منصفی

پھر دیکھیے کہ جہتا زمانہ مین کسکا نقش
اور یون تو اپنے عہد کے بہزاد ہین سبھی

اگر جو سامنے نہین کرتا ہے گفتگو
اید دست پہر سمجھہ لے کہ جہوٹا ہی مدعی

ترکی

مجھے علی کی محبت مین کیا عجب
اہل حجاز لکھین جو سلمانِ فارسی

ولہ

اے سحر کیون تیرہ ہی رنگ آسمانِ پیر کا
گرد ہوان پہونچا نہین ہی نالۂ شبگیر کا

وصف پہر کرنا بیان صاحب جنابِ میر کا
زمزمہ سن لیجیے پہلے مری تقریر کا

دمبدم کیون دیکھتے ہو زخم نوکِ تیر کا
کا مکڑ سر باندہ لو فتراک مین نخچیر کا

عشق نبہتا ہی نہین باہم جوان و پیر کا
راز کہلجاتا ہی ملتے ہی کمان و تیر کا

ہوگئین تاریک آنکہین اور خاکستر بدن
میری حق مین برق تہا جلوہ تری تنویر کا

دیکہکر تصویر میری نجد کے لڑکون کے پاس
ہوگیا لیلےٰ کو دہوکا قیس کی تصویر کا

مین دکہادیتا ہون اوسکو لالہ زار داغ دل
ذکر جب کرتا ہے کوئی گلشن کشمیر کا

میری مضمون سے نکلتے ہین شرارے مثل سنگ
برقِ عالم سوز ہے شعلہ مری تقریر کا

شست وشو کیواسطے اتنا تردد ہے عبث
کم نہین ہونیکا دہبہ خون دامن گیر کا

اوسکو بلکون سے اٹھا کر دلمین رکھہ لیتے ہین
اے شکار افگن پتہ ملتا جو تیری تیر کا

جا بجا مانی جو کھینچیگا تو ہر طفل حسین
خوب ہی خاکا اوڑائیگا مری تصویر کا

کوئی پڑہ سکتا نہین مثل خط لوح جبین
ہے مگر ہر حرف پیچیدہ مری تحریر کا

ہون یہہ اے زندانیو لاغر کہ اب آتا نہین
پائی مورلنگ مین حلقہ مری زنجیر کا

قلب انسان کو مسخر دم مین کر لیتا ہے یہہ
بذل سے بڑہکر نہین کوئی عمل تسخیر کا

کھینچ لیتا ہی دل عشاق مچھلی کیطرح
ہے خم گیسوئے جانان دام ماہی گیر کا

دیدنی ہی پھر تو انداز طپیدن ہائے دل
رک گیا گر چلتے چلتے دم تری شمشیر کا

میری مرقد ہی کی مٹی سے بنانا چاہیئے
قصد ہے رندو اگر میخانہ کی تعمیر کا

بینوا ہون وہ بلائیگا نہ محفل مین مجھے
کون رکھتا ہی چمن مین نخل بید انجیر کا

حق پرستو شیخ ہی میر طرح ہے زن مرید
دیکھتا رہتا ہے عالم حور کی تصویر کا

لے رہا ہون آج بوسے آستین خسار کے
کر رہی ہین ہونٹہہ میرے کام آتشگیر کا

گو تجھے مخلوق لامذہب کہے ترکی مگر
شان خالق سے ملا دنیا نہ رتبہ پیر کا

قصیدہ در مدح حضرت نواب میر عثمان علیخان بہادر
سلطان دکن خلد اللہ ملکہ

ظلِّ دستِ مصطفےٰ و آیتِ پروردگار — آصفِ ملکِ دکن عثمان علی خان شہریار

عہد مین جسکے ہین گرگ و میش باہم آشنا — نیر ہے ملتا ہے آہو اسطرح جیسے کہ یار

یہہ وہ شاہِ ذی حشم ہے یہہ وہ ہے سلطانِ دہر — منتظر جسکی تہی اک مدت سے چشمِ روزگار

روشنی پہلی ہی یہہ اوسکے مہِ اقبال کی — ہو گیا پنہان کہ آنکھون سے رخِ شبہائے تار

جب سے یہہ سلطانِ دین پرور ہوے ہین تخت پر — برخلافِ شرع کافر بھی نہین کرتا ہے کار

اِس شہ اسلام کی جیسے منادی ہی سنی — بادہ کش رہتے نہین ہین شیشہ مے در کنار

اب نہین لیکر کبھی جاتا سوے صحنِ چمن — شیشۂ گلرنگ صہبا شاہدِ سیمین عذار

توبہ کرکے بھاگتا ہے جانبِ مسجد وہین — بادہ کش سنتا ہی جسدم مژدۂ فصلِ بہار

مغبچون کے حسن کا کرتے تہے جو دنرات ذکر — ہین وہ اتقیا مین مشغول اب لیل و نہار

خانۂ خمار سے جو ایکدم ٹلتے نہ تھے — اب وہ ہر دم کرتے ہین مسجد مین ذکرِ کردگار

صورتِ قرآن پہ عاشق اب تو دل سے ہین — پڑہتے تہے مدت سے جو دیباچۂ رخسارِ یار

تا سحر کہتا ہے شہ کی عمر و دولت ہو فزون — سجدہ مین رکھکر جبین ہر زاہدِ شب زندہ دار

زور بازوی شہِ جمجاہ سے ہے کانپتا — مثلِ شاخِ بید دخمہ مین تنِ افگندہ یار

شہریارا معرکہ مین تیرے آتا ہے نظر — شہسوارِ شیستان مانند طفلِ نے سوار

ہی علی کا نام شامل اسم والا مین تیری — اسلئے کہتے ہین تیری تیغ کو بہی ذوالفقار

راہزن اور دزد کا ملتا نہین نام و نشان — تیری ہیبت کی علم ہے جب سے تیغ آبدار

کیون نہ لکہین لوحِ سینہ پر اوسے اہلِ کمال — ہر سخن ہی شاہ کا مانندِ دُرِ شاہوار

مشکِ علی شاہ کی پہونچی ہی بوئے جان فزا — حیدرآباد دکن سے تا بہ ماچین و تتار

پیرِ گردون کہہ رہا ہے ساکنانِ ارض سے — ہو مبارک تجکو صدہا سال تک یہہ تاجدار

ختم کرتا ہون قصیدہ کو سنا کر وہ غزل | جسکا ہو ہر ایک مصرع رو کش زلفِ نگار

غزل

ہم سے لے بل کی نہ اب اے سنبلِ زلفِ نگار | اب کجی ہم سے نکر سن تو بھی اے ابروئے یار
ہے زمانہ راستی کا چھوڑ دے طرز کجی | اب نکرنا تیغ فرقت سے دلِ عاشق فگار
اب نہ لینا نام ہرگز خنجرِ بیداد کا | تجھسے کہتا ہون محبت سے سن اے مژگانِ یار
نامہ بر کہنا یہہ دلدار فرامش پیشہ سے | پاسخ خط مین نکرنا اب توقف زینہار
ابتو لاتا نظم مین ہی خاص میرے نام کے | خطِ شوقِ دلربا ہفتہ مین قاصد تین بار
پانی پت والے قلندر کا یہہ ترکی فیض ہے | لکھہ رہا ہون مدحتِ شہ مین جو شعرِ آبدار
مین بھی اور ہر دوست بھی اس خسروِ ذیجاہ کو | جان اور دل سے یہہ دیتے ہین دعائین بار بار
ای خداوندِ جہان جبتک ہی سقفِ آسمان | ای خداوندِ جہان جب تک جبل ہی استوار
ای خداوندِ جہان جبتک ہی دینِ مصطفے | ای خداوندِ جہان جبتک ہی قرآن برقرار
شاہِ ہفت اقلیم ہو عثمان علیخان بادشاہ | بہرِ قربِ سرورِ دین و بحقِ چار یار

شاہ اور شہزادگان کی عمر ہو مانند خضر
از طفیلِ پنجتن اے خالقِ لیل و نہار

در مدح

تیری مثل خسروِ ذی حشم نہین شاہ شہر و دیار مین
نہ ہرات مین ہے نہ چین مین نہ ختن مین ہے نہ تتار مین
بہ ہزار فخر یہہ تاجِ زر تو نے رکھا جب سے ہے فرق پر
دلِ خلق تازہ ہے اسطرح کہ چمن ہو جیسے بہار مین
یہہ جو تیرا جاہ و جلال ہے یہہ جو تیرا رتبہ و رعب ہے
نہ وہ دشت مین ہے نہ وہ بیشہ مین نہ وہ شوکتین ہے نہ ہزار مین
تیری تیغِ سینہ شگاف سے گرا کٹ کے جب سے زمین پہ
سرِ خصم کہتا ہے ٹھوکرین شب و روز راہ گذار مین
اوسے شیر کہتے ہین ناظرین وہ جواب ہی چین مین شاہِ چین
تیرے چومیگا وہ قدم وہین کبھی مل گیا جو شکار مین
تیرے عہد مین وہ ہے رستی کہ نظر نہ آئی مجھے کبھی
کجی ابروانِ رقیب مین نہ شکن جبین نگار مین
تیرے دور مین تیرے ملک مین نہین تاب بادہ کشون کو یہہ
کہ وہ جائین جانبِ بوستان بطلبِ بادہ لیکے کنار مین
سرِ شام ہی تیری شہر مین وہ ہمیشہ ہوتی ہے روشنی
کہ گمان ہوتا ہے روز کا مہ و مہر کو شبِ تار مین
وہ دکھاؤن باغ مدیح کا کہ جسے نہ رنگ فصیح کا
نظر آئے شکل قرار کی کسیدم جو اس دلِ زار مین

سہرا

باندھا جب سر پہ ترے اے مہ کنعان سہرا
ہوگیا رو کش خورشید درخشان سہرا

لکھتا ہے ہر گل گلشن کہ برائے نوشاہ
گوندھکر لائیگی اب بلبل بستان سہرا

کھل پڑے عقد ثریا نہ کہین غیرت سے
دیکھکر رخ کا ترے اے مہ تابان سہرا

گاتا کس شوق سی ہے میری زبان سے سنکر
صحن گلزار مین ہر مرغ خوش الحان سہرا

پائے بوسی کیلئے آتا دکن کو اوڑکر
دیکھہ لیتا جو ترا اہل بدخشان سہرا

دیکھکر بزم مین نوشہ کی قبائے گلگون
بوسہ لینے کو جھکا جانب دامان سہرا

رام و سرت نے لکھا ہی کہ کتنا آکر
باندھیگا سر پہ ترے ای شہ خوبان سہرا

بزم عالم مین نہوگا کوئی تجھسا دولہ
اور نہ لکھیگا کوئی تجھسا سخندان سہرا

رنگ اوڑ جائیگا رخ کا گل شبو کیطرح
میرا سنلیگا اگر مہر درخشان سہرا

میرے ہے دل سی دعا یہہ کہ دکھائے ای شاد
مثل داماد پسر کا تمہین یزدان سہرا

بزم نوشاہ مین ترکی میرا سہرا سنکر
کیا سنائیگا کوئی پھر بھی سخندان سہرا

مرباعیات

خدمت نکرونگا مین قلندر ہوکر پتھر نہ بنیگا کوئی گوہر ہوکر
جز تکدۂ جہان کو چھوڑا ہمنے
ترکی نجدا بہت مکدر ہوکر

تہا قصد یہہ میرے دل مین کب سے ترکی پر دیر تہی اوسمین اس سبب سے ترکی
لینے دختر کی حق سے ہوکر فارغ
جز حق مین کرونگا قطع سب سے ترکی

پیری مین ہوی ہے فکر عقبیٰ مجکو دولت کی نہین ہے اب تمنا مجکو
جدن سے ہوا ہون مین قلندر ترکی
بہاتی ہی نہین عروس دنیا مجکو

ترکی مرشد کا جب کہ خرقہ لینے پہنا تو وہ طور نور دیکہا لینے
موسیٰ نے بہی وہ کبہی نہ دیکہا ہوگا
دیکہا جو شب گذشتہ جا والینے

مومن ہون کہ بت پرست کافر ہون مین افعال مین نیک ہون کہ بدتر ہون مین
ترکی کہدے مگر عدو سے جاکر
شمشیر برہنۂ قلندر ہون مین

مرشد نے عطا کیا ہے خرقہ مجکو قطرہ سے بنا دیا ہے دریا مجکو
مین گرچہ تہا بندہ ایک ادنیٰ ترکی
پر غوث نے کر دیا ہے اعلیٰ مجکو

یہہ سچ ہے کہ حاکم ممالک تو ہے ۔ مجذوب بہی تو ہے اور سالک تو ہے
آتی ہے مگر شرم کہ خالق کے سوا
بندہ سے کہون کہ میرا مالک تو ہے

ہر ایک سے مین ہون شیر و شکر ترکی خوش مجھسے ہین مومن اور کافر ترکی
جاتا ہون جدہر سے مین یہہ کہتی ہے خلق
دیکھو کہ یہی ہے وہ قلندر ترکی

ترکی جب سے ہے مینے قشقہ کہینچا پہر مثل شتر نہ بار دنیا کہینچا
پہیلائے ہین پانون مینے تب سے منعم
جسدن سے ہے زر سے ہاتہہ اپنا کہینچا

مناجات کہ برائی دفع طاعون بسیار نافع است و بارہا تجربہ کردہ

دور کر اس بلا کو یا غفار ۔ جسمین طاعون کے ہین سب آثار
ہو گئے اس مرض سے سب لاچار بہر آل شفیع روز شمار
دور کر اس بلا کو یا غفار
وقنا ربنا عذاب النار

رحم بندون پہ یا رحیم اب کر اپنا فضل و کرم کریم اب کر
یہہ بلا دور یا عظیم اب کر دار دوئے درد ہر سقیم اب کر

دور کر اس بلا کو یا غفار

وقنا ربنا عذاب النار

سیکڑون مر گئے ہزار افسوس　　زندے سب ڈر گئے ہزار افسوس

سیم و زر دہر گئے ہزار افسوس　　چھوڑ کر گھر گئے ہزار افسوس

دور کر اس بلا کو یا غفار

وقنا ربنا عذاب النار

ہے ترا نام خالق و قیوم　　اپنے در سے نہ رکھہ ہمین محروم

پیر و برنا ہین سب کے سب مغموم　　بطفیل چہار دہ معصوم

دور کر اس بلا کو یا غفار

وقنا ربنا عذاب النار

گو ہمارے گناہ ہین بے حد　　سارے کردار ہین ہمارے بد

ہے تری ذات لیک لم یولد　　ہے سوا تیرے کون حی و صمد

دور کر اس بلا کو یا غفار

وقنا ربنا عذاب النار

تو بہ منظور ہو خداوندا　　شہر معمور ہو خداوندا

تپ یہہ کافور ہو خداوندا　　یہہ مرض دور ہو خداوندا

دور کر اس بلا کو یا غفار

وقنا ربنا عذاب النار

ترے محتاج ہین پیر و پیمبر ہے سوا تیرے کون ربّ قدیر
ترکی خستہ اور صغیر و کبیر کرتے رو رو کے ہین یہی تقریر
دور کر اس بلا کو یا غفار
وقنا ربنا عذاب النار

قطعہ

صندوق کا بندوق تو ہی قافیہ بیشک سمجھا نہین لیکن مین جمندوق کے معنی
اک پرچہ پہ کاغذ کے ذرا بھیجئے لکھکر
لندوق و جمندوق و صمندوق کے معنی

ولہٗ

دیکھو پرتر کو جو غالب کو نہین دیکھا ہے ذوق کے گھر ہے تمنّا تو رسا کو دیکھو
اور ناسخ کی جو صورت کی ہے خواہش دلمین
ترکی مست کے انداز و ادا کو دیکھو

تضمین بر مطلع خود

چار مینار مین جا کر گل سوسن بیچو　　پھول مہنگے ہین اگر یان کی کترن بیچو
اور یہہ بھی نہین تو دودہ کی کہرن بیچو　　شاعری سے تمہین کیا کام ہی روغن بیچو
فن یہہ مشکل ہے اسے چھوڑ کے صابن بیچو

تضمین

پسند ہے تجھے اید وست مشرب کفار　　نہین یقین ترے دین کا ہمین زنہار
گلو مین ڈال کے زنار پڑہ یہہ شعر اے یار　　مرا ولیست بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

تضمین

ڈنڈہ اگر نہ کوئی آگے ہمارے پہلے　　ورنہ دینگے اوسے دو تین وہین ہم رہیلے
کون ہے مثل ہماری کہ مصیبت جھیلے　　شاعری کہیل نہین ہی کہ جو لونڈا کھیلے
ہمنے پینسٹھ برس اس فن مین ہین پاپڑ بیلے

وَلَہٗ

کون میدانِ سخن مین ہمین دیگا ریلے　　کون ہے بار جو لنگر کا ہمارے جھیلے

چھو کرے ایسی تو لاکھوں ہیں ہمارے چیلے — شاعری کھیل نہیں ہے کہ جو لونڈے کھیلے
ہم نے پینسٹھ برس اس بن میں ہیں پاپڑ بیلے

تقریظ دل پذیر ریختہ خامہ عنبر شمامہ مولوی نادر علی صاحب برتر

یادگار رابط خاندان حضرت اسد اللہ خان غالب جانشین خاص

حضرت ظہیر دہلوی

گلزار آفرینش کے گلہائے بوقلمون کی رنگت اور اونکی شمیم جان پرور کا کیا کہنا۔ سبحان اللہ وصل علیٰ۔ ہر ایک کا رنگ اور اونکی خوشبو جداگانہ جسکو دیکھئے آپ ہی اپنی نظیر۔ تاثیر میں تسکین بخش خاطر دلگیر اگر ایک سے آنکھوں میں تراوت آتی ہے تو دوسرے سے دماغ کو فرحت لیکن ان سب میں گلہائے سخن کا عالم ہی اور ہے۔ حمد خدائے بیچون کی نکہت سے دماغ عالم کو اسنے معطر کیا۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گلدستون سے بزم خیال کو اسی نے مہکایا۔ صوفیان باصفا کے حلقہ کو اسی نے زیب و زینت دی۔ علمائے باعمل کی تصنیف و تالیف کو اسی نے شہرت بخشی اسلاف کے کارنامون کا رنگ اسی نے دکھایا۔ شعرائے نازک خیال کو

آسمانِ کمال پر اسی نے آفتاب بنا کر چمکایا - انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف اسی کی بدولت حاصل ہوا - نہ اس کو خزان کا غم نہ خار کا کھٹکا - گلچین کا خوف نہ صرصر کا دھڑکا - ہمیشہ شاداب تر و تازہ باغبانِ گلزار سخن نے اسکی نخلبندی و وصورتون مین کی - ایک نثر دوسری نظم اسمین اگر ایک ماہتاب ہے تو دوسری آفتاب دونون نور علی نور - مگر زیب و زینت و رنگ و بو کے لحاظ سے بہ نسبت نثر کے نظم کا پایہ بڑہایا - شعرا نے مختلف زمینون مین گلکاریان کین - ہر ملک اور ہر زبان مین اس کے رسیا پیدا ہوے - زمانہ کی رفتار نے بھی اسکی ضرورتون کے موافق ہر زمانہ مین سخن سنج اور سخن سنجون کے قدردان پیدا کئے - موجودہ زمانہ اگرچہ قدیم زمانہ کے مقابلہ مین قدردانی کا مادّہ کم رکھتا ہے لیکن نہ اہل کمال سے خالی ہے نہ شیفتگانِ کمال سے -

چنانچہ آج کل ظہوری ظہور نظیری نظیر ناظم نازک خیال بدر آسمانِ کمال غوّاصِ بحر فصاحت خازنِ گنجینۂ بلاغت یادگار فردوسی طوسی **مولانا ترک علی شاہ ترکی قلندر شاعر پایۂ تخت سلطان دکن کا** دیوان اردو قالب طبع مین آکر فرحت بخش دماغ اہل بینش ہوا ہے - ان کی فارسی شاعری کی قادر الکلامی کے صرف اہل ہند ہی معترف نہین اہل عجم نے بھی انکے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے راجگان گورنمنٹ انگلشیہ سے خطاب امیر الشعرا پایا - انکے کلام کی سند انکی زندگی ہی مین ملگئی - متعدد دیوان اور بہت سی کتابین تصنیف کین

جو تصنیف شایع ہوئی دلدادگانِ سخن نے ہاتھون ہاتھ لئے اردو مین وہی پایہ ہے جو فارسی مین ہے۔ فارسی مین ناطق مکرانی و واثق ہراتی و رکن الدین مکمل سے تلمذ ہے۔ اردو مین میر علی اوسط رشک تاب شاہ کے تلمذ رہا ہے۔ علم عروض قافیہ کو حضرت امام بخش صہبائی سے حل کیا سچ تو یہہ ہے کہ فارسی مین رشک صائب و غنی اور اردو مین ناسخ ثانی ہین۔ واقعی یہہ ہے کہ فصاحت بلاغت کا دریا بہایا ہے۔ پیری مین شباب کا جلوا دکہایا ہے۔ اب ایسے لوگ کہان پیدا ہوتے ہین۔ بڑے بڑے باکمال استادون کی آنکہین دیکہی ہوئی ہین اونکے فیضِ صحبت سے فیضیاب رہے۔ مشق سخن ہنوز جاری ہے۔ فیضِ اصلاح اردو فارسی سے روزانہ دس پانچ شاگرد بہرہ ور ہوتے ہین۔

حق تو یہہ ہے کہ زمانہ انکی اور انکے کلام کی جسقدر قدر کرے کم ہے۔ دلدادگانِ شاہدِ سخن سے امید ہے کہ وہ اس نگار زیبا کے نظارۂ جمال سے اپنی نگاہین روشن کرینگے۔ اور صورت گریٔ خیال کی داد دین گے۔ دیکہنے سے تو حضرت کی عمر کم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بڑے بڑے کہن سالون سے سنا ہے کہ ہم انکو زمانہ غدر سے پیشتر ہی اسی سن و سال اور اسی تن و توش مین دیکہا تہا۔ اور خود بہی فرماتے ہین

شعر

دیدہ ام مجلس قتیل و حزین

قطعۂ تاریخ

وہ چمکا مہرِ چرخِ شاعری کا
عیان ہوتی ہے جس سے شانِ ترکی

شگفتہ خوب ہین گلہائے مضمون
پہلا پھولا ہے کیا بستانِ ترکی

مثالون مین دکہائی ہے وہ جدّت
کہ صائب ہوگیا قربانِ ترکی

لکہا بر تر نے سالِ طبع اِس کا
چھپا بے مثل لو دیوانِ ترکی

تقریظ ریختہ قلم مشکین رقم خواجہ جہانگیر علیخان آصف تلمیذ مصنف

مین اسوقت عالمِ خیال مین ہون۔ اسوقت میرے سامنے ایک عجیب غریب بے خبری کا سین ہے۔ جسمین طرح طرح کے دلچسپ تماشے نظر آتے ہین۔ جو تصویرین صانع قدرت نے بنائین اور مٹادین اونکو مین دیکھ رہا ہون۔ اگرچہ اون تصویرون کے نام ہی نام سنتے ہین اور کبھی دیکھنے کا اتفاق نہوا۔ مگر میری قوتِ قیافہ نے یہہ بات مجھپر آسان کر دی ہے

کہ مین بخوبی انمیازہ کرسکون - اسوقت میرا خیال آئینہ مرقعۂ عالم ہے -
میری غائر نظر اس صورت کدہ مین اپنا فرض ادا کر رہی ہے - ایک
نورانی سرا مین ہر ایک پھولا پھلا بیخزان باغ ہے - طرح طرح کے پھول
کھلے ہوئے ہین - جس سے بانی بنائے گلشنِ کائنات کی صنعت نمایان ہے
ہزارون طوطیانِ شیرین زبان اپنے اپنے مذاق کے موافق دلچسپ
راگ گا رہی ہین - مینے بھی آنکھین ملکر جو اوسے دیکھا تو مجھے یقین ہوگیا
کہ یہہ طوطیانِ خوش الحان نہین بلکہ سخندانان جادو بیان ہین - کہین
ولی دکنی صاحبِ ولایت سخن کہین میر نازک خیال کہین سودائے
ذی کمال کہین خاقانی ہند ذوق معجز رقم کہین آفتاب سخن حضرت
ناسخ کہین اسد سخن غالب پیچیدہ خیال کہین انور و نیر سحر طراز
کہین جلال و امیر بلند پرواز کہین داغ بلبل ہندوستان کہین
ظہیر فصیح زبان مگر انکے دستِ رفیع مین ایک کتاب لاجواب ہے -
یہہ سب بنہایت قدر و منزلت سے اوسکو دیکھہ رہے ہین - اور اونکی
زبان سے تعریف کے ساتھہ یہہ شعر

شاہنشہ اقلیم سخن حضرت ترکی یکتائے زمن کامل فن حضرت ترکی

نکل رہا ہے - یہہ سنتے ہی میرے کان کھڑے ہوگئے اور معاً میرے خیال نے
پلٹا کھایا - پلٹا کھانے ہی تہا کہ وہ سمان میرے سامنے سے مفقود ہوگیا
اب مجھے یقین ہوگیا - کہ وہ کتاب نایاب دیوان اردوئے استاد تہا
جو طبع ہوکر انہین شہرت فزا خوبیون کے ہاتھون ہاتھہ کہین سے کہین

پہونچگیا۔ للہ الحمد آج وہ دن ہے کہ نغمات بلبل رفیع درجات ترانہائے طوطی سرمایۂ حیات نے دہانِ فصاحت وزبانِ بلاغت سے شاخِ نہال طبع بے خزان پر انو کہا اور دلربا رنگ حمالیا۔ استاد مصاحت آئین بلاغت تزئین حضرت مولانا ترکی قلندر مدظلہ کی جادو رقمی اور معجز بیانی حضرت کے کلام معجز نظام سے اظہر من الشمس ہے۔ میرا یہہ مونہہ نہین کہ ایسے وحید عصر رشک روزگار استاد کی پوری پوری توصیف کا حصہ اپنے لئے وقف کرسکون۔ اس لئے مختصر چند قطعات تاریخ طبع لکھکر۔ مصرع

مین بہی لہو لگا کے شہیدون مین مل گیا۔

کا مصداق اپنے کو تصور کرتا ہون۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

تاریخ

کیا خوب لکہا ہے اردو دیوان		استاد ہین شمع بزم احباب

آلف نے کہا یہہ طبع کا سال
دیوان ہے بے نظیر نایاب

وللہ

کیا ہو سرمایۂ حیات کا وصف
سب کو مرغوب ہے فصیح بلیغ

فکر تاریخ کیوں ہے اے آلف
کہہ۔ زبان خوب ہے فصیح بلیغ

تاریخ طبعزاد نواب خواجہ حسین اثر تلمید مصنف

اثر نکلا وہ دیوان آج چھپ کر
جسے سارا جہان کہتا ہی دل چسپ

یہہ لکھا لینے اوسکا سال فصلی
کلام استاد ترکی کا ہے دل چسپ

ذکر

جب اثر کو یہہ اطلاع ہوئی
آج استاد کا کلام چھپا

سال فصلی کہا یہہ بادل شاد
آفتاب سخن طلوع ہوا

از فکر بلند حضرت میر اشرف علی مدہوش اقربائے سرکار عالی

زادہ طبع بلند ترکی شیریں مقال
دو یمین دیوان چو ہمرنگ نظامی طبع شد

کرد مدہوش حزین گلدستۂ تاریخ نذر
جان فدا دیوان استاد گرامی طبع شد
۱۳۳۲ھ

ایضاً اردو

اردو کا دوسرا بھی وہ دیوان چھپ گیا
جسکے ہر ایک شعر پہ قربان ہزار شعر
کب ہے نظیر ترکی عالی دماغ کی
پاتا ہے انکی فکر رسا سے وقار شعر
ملک سخنوری مین یہہ ہے انکا اختیار
موجود دست بستہ ہین بے اختیار شعر

مدہوش سال طبع سنا دعدو کو تم
دیوان ہے بحر جان در آبدار شعر
۱۳۳۲ھ

از نتائج افکار گوہر بار مولوی شیخ عبد القادر قصیر تلمیذ مصنف

استاد کا چھپا ہی جو دیوان دوسرا
اردو زبان کا اور بڑھا اس سے احترام

ہان سالِ طبع قیصر نازک خیال لکھہ
سرمایہ حیات ہے یہہ زینت کلام

نتیجہ فکر جناب محمد اکبر صاحب نیرنگ تلمیذ مولوی قیصر

سپہر سخن کا ہے خورشید ترکی
سلم ہے اوستاد یہہ اپنے فن کا

شہنشاہ ملک سخن ہے یہہ بیشک
خدا کی قسم ہے یہہ اُستاد فن کا

یہہ کہدینگے انصاف سے اہل دہلی
چھپا آج دیوان ہے صاحب سخن کا

رقم کر تو نیرنگ اب سال فصلی
چھپا خوب دیوان ہے اُستاد فن کا

التماس

اگر اس دیوان موسومہ بسرمایہ حیات مین کوئی
لفظ منجملہ الفاظ متروک شدہ زمانۂ حال کسی شعر مین نظر
آئے تو سخنورانِ نازک خیال اسکو اوس زمانہ کا شعر
تصور فرمائین کہ جس زمانہ مین یہہ الفاظ متروک نہوے تھے
ترکی قلندر

در مدح سلطان دکن سابع خلد الله ملکه

گردون نکشد چرخ ازان قامتِ بالا — خورشید زند دم نه بآن همت والا

ترکی نبود دبدبهٔ قیصر و فغفور —
چون شاهِ دکن سلمه الله تعالیٰ

تضمین

بمیو صد آه بیک لحظه برآرد دلِ من — اشک هر دم بغم هجر تو بارد دلِ من
هر شب از یادِ تو در نزع گذارد دلِ من — اشتیاقِ که بدیدار تو دارد دلِ من
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

قطعه

غالبِ مرده را پرستی حیف — رخ نیاری بغالبِ زنده
غالبِ زنده کیست من هستم
پرس ارضی ز چرخ گردنده

تاریخ رحلت زوجهٔ حکیم اعتماد الحق

زوجهٔ شیخ اعتماد الحق — شد چو سوی جنان بصد افسوس

سال رحلت نوشتمش ترکی
از جهان رفت برگزیده عروس

در مدح عماد جنگ بهادر

عماد جنگ بهادر که از مهابت او — نه پای پیل بغلتید براه بر سر مور

عجب مدار که از مشعل کف عدلش
بود چو دیدهٔ خورشید دیدهٔ شب کور

تاریخ تولد فرزند بشکوی راجه تاراچند

چون بدادِ شاد خالقِ خلق — کرد از فضل خود عطا فرزند

گفت سال تولدش ترکی
بود این نور چشم تاراچند

۱۳ ۳۰۱

اشعار

جمع در مقتل سنان و تیغ و پیکان کرده
از برائے یک تن زار م چه سامان کرده

ای جنون بر من نخواهم خرقهٔ سالوس را
کن گریبان چاک چاک ار پاره دامان کرده

باز بهر بستن مرغ دل آشفته ام
دام گیسوئے مسلسل را پریشان کرده

وله

ازان در بزم خود آن سرو قامت میکند جایم
که باید بهر چشم شور نخل خشک در گلشن

تاریخ وفات خورشید النسا بیگم

عطا خلاق گیهان کرد در خلد برین قصرش
چو از دنیائے دون رو تافت خورشید النسا بیگم

سر بیگم چو خم شد پیش حق از نام او ترکی
دلم تاریخ رحلت یافت خورشید النسا بیگم

خمسہ بر غزل مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

کے بود یارب کہ طوف روضۂ والا کنم — کے بود یارب کہ بر آن آستان ما وا کنم
کے بود یارب کہ درمان دل شیدا کنم — کے بود یارب کہ رو در شیر و بطحا کنم
گہہ بہ مکہ منزل و گہہ در مدینہ جا کنم

چون حدی خوانان بہ محمل بر کشم یک زمزمہ — افگنم ہر جا کہ منزل بر کشم یک زمزمہ
سوی شیر گشتہ مائل بر کشم یک زمزمہ — بر کنار زمزم از دل بر کشم یک زمزمہ
کز دو چشم خون فشان آن چشمہ را دریا کنم

گر رہ ام گمراہ یا خیر الوری را رہنمے — گشتہ ام آوارہ یا شمس الہدیٰ راہی نما
سخت حیران شد دلم بہر خدا راہے نما — یا رسول اللہ بسوی خود مرا راہے نما
تا ز فرق سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم

التجائی ہر دو عالم را بر دون کردم ز دل — ہر خیال خام را ناپر دون کردم ز دل
خواہش دنیا و مافیہا بر دون کردم ز دل — آرزوئے جنت المأوا بر دون کردم ز دل
جنتم این بس کہ بر خاک درت ما وا کنم

کس نباشد چون من محزون بزیر آسمان — بر سانم در غمت بر گنبد فلک فغان
بعد ازین تا ہم نمانم؟ دل بر دلداگان — خواہم از سودائے پا بوست نہم سر در جہان
یا بپایت سر نہم یا سر درین سودا کنم

زار و ہجر تو حالم سر ور امروز شد — خاطرم آشفتہ خادم پر دو امروز شد
تیرہ روزی من عدالت گستر امروز شد — صد ہزاران دی درین سودا بر امروز شد

نیست صبرم بعد ازین کامروز را فردا کنم

خون دل ریزد ببیادت چشم تر هر لحظه — میزند دل در غمت بر سنگ سر هر لحظه
همچو ترکی نامم از درد جگر هر لحظه — هردم از شوق تو معذورم اگر هر لحظه

جامی آسا نامهٔ شوق دگر انشا کنم

از در والای تو دورم اگر هر لحظه — وز تب هجر تو رنجورم اگر هر لحظه
همچو ترکی زنده در گورم اگر هر لحظه — هردم از شوق تو معذورم اگر هر لحظه

جامی آسا نامهٔ شوق دگر انشا کنم

در نعت

ترکی بیا ببزم سخن امتحان تست — بر هر زبان ترانهٔ زشیرین بیان تست
تا مدح خوان خسرو ملک عرب سدی — روح الامین بچرخ برین مدحخوان تست
هرچند بر لبت نرسد مدعا مگر — با من خبر ز گوهر راز نهان تست
دانم که عاشق رخ نیکوی احمدی — تا مبدء شناش بنوک زبان تست
گر دون نوشته است بحسبان نظم من — جز ناظم عرب که نه کس قدردان تست

این مطلع دگر بمدیح رسول پاک
اے خامه کن رقم که همین ارمغان تست

مطلع ثانی

اے برترین زہر دو جہان عزو شانِ تست
در فخر کم ز کعبہ کجا آستانِ تست

روح القدس کہ عقل کل آمد خطاب او
اے شاہِ جن و انس ہم از بندگانِ تست

از قدسیان صدا شب معراج مے رسید
ای مہمان بیا کہ خدا میزبانِ تست

ای طبع من اگر صلۂ نعت یافتی
لب بر ز کز لالۂ معنی دہانِ تست

خوش مشو ازان کہ پس مرگ من ہما
میگویدم بناز کہ این استخوانِ تست

باد صبا بہ یثربیٔ زلفِ نبی بگو ؛
ترکی چو قیس نیز زد بوادیگانِ تست

در مدح سلطانِ دکن سابع خلد اللہ ملکہ

عثمان علی کہ زینتِ محراب و منبر است
تا چار سمت نعرۂ اللہ اکبر است

یارب بود تبارک این شاہ تا ابد
ظلِ کفش کہ داور دیوانِ محشر است

در فخر خود گوید

گفتم کجا کہ نثر من از ژند بہتر است
گفتم کجا بنظم خطابم ہمیر است

گر لعل بے بہاست کلام من اے حسود
بے شبہ کن بیان کہ ز خرمہرہ کمتر است

بنوشتم ار ہمیر معنی خطاب خویش
کاذب بگو دلت ز خطابم چو منکر است

داند فسون اگر سند آدم ز آسمان
آن لیت بین که منکرِ شانِ پیمبر است

افسرده زین سخن نشود خاطرم ازان
گر مضغهٔ بسینهٔ جبریل دفتر است

تا مرغ فکر من نه بدامِ کسے فتد
شاخِ نشیمنش که سرِ چرخِ اخضر است

بگریز ای حریف ز نیشِ زبانِ ما
دستے منہ بجائے که سوراخ اژدر است

من دشنهٔ قلندر و شمشیر حیدرم
با کم ز خصم نیست اگر مثلِ عنتر است

بشنو که گویدت فلک امروز بر زمین
ترکی قلندر از فن معنی پیمبر است

غزل

ساقی شنیده ام لبِ مے روح پرور است
خونِ قرابه سرخ ز خونِ کبوتر است

در گردنم شکنجهٔ زلفِ معنبر است
خونم جگر ز عشوهٔ لعلِ فسونگر است

لختِ جگر ز سوزِ فراقِ تو آخگر است
قلبِ تپان شرارهٔ بالِ سمندر است

از ضعف گرچه طوطیِ طبعم مکدر است
سنجم مگر ترا نه که ارشاد بر تر است

الوده بال و پر نی کلکم در زهر ناب

ساقی چو خونِ مردمِ چشمم سن است مے
برگشته تا ز من نگهِ مست دلبر است

تا زید میکشان که ز شب آب شراب
جوہا روانِ بیکده مانند کوثر است

ہر کس که سجده سوئے تو اے بت نمیکند
آن مومنے بمذہبِ عشاق کافر است

دستش مگیر ہر که نباشد ہنر وری
بگذار آن حسام که خالی ز جوہر است

بر زن قدم بر قدمِ شیخ تیره دل
گر دو نه قطع راه اگر کور رہبر است

گر یکدو شکوه و گله باشد بیان کنم
با من ز صد مه ہائے فراقِ تو دفتر است

بیرون میاز سینهٔ من اے خدنگ یار
خونِ دلم که در حق تو شیر مادر است

دارد دلم ز بوسهٔ شیرین لبش خیال
پیرم مگر چو طفلِ نظر سوئے شکر است

پیکانِ یار گفت چو بنشست در دلم
خیرم ز زین گذر که فرخ بخش مظفر است

مانند زلفِ یار رسد بوی مشکِ من
ترکی مگر بسینهٔ من کانِ عنبر است

تاریخ بنائی قصر میر عثمان علیخان بهادر سلطان دکن خلد اللہ ملکہ

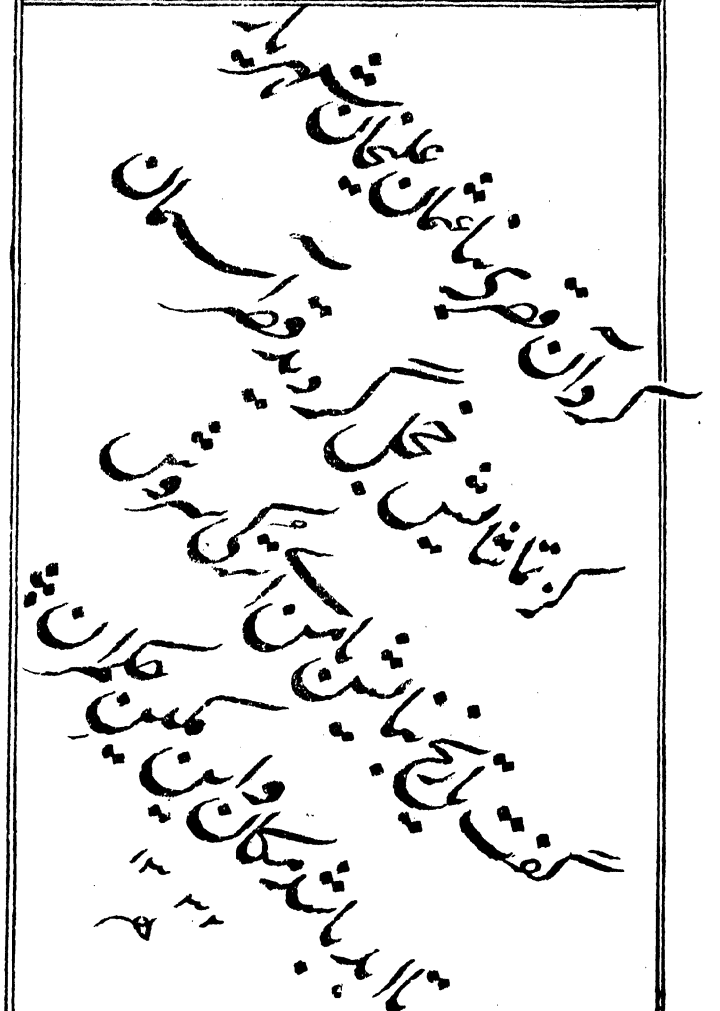

تاریخ تولد فرزند بمشکوی حضرت شاد

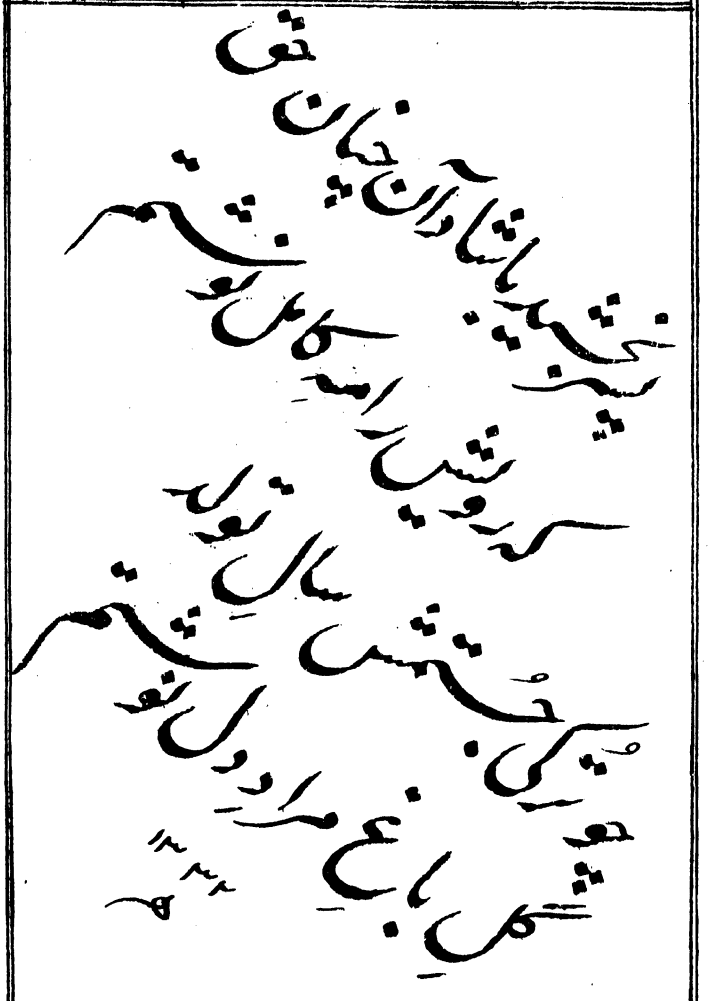

وله

سخن تلخ زلعل شکرافشان کردی
وه چه درمان مریض غم هجران کردی

برگلویم زروان خنجر برّان کردی
گوسپند دل مشتاق نه قربان کردی

تا قدم رنجه بصحن چمستان کردی
سرو را بنده خود سرو خرامان کردی

بازاے دست جنون چاک گریبان کردی
بازاے عشق مرا بے سروسامان کردی

برزدی حرف محبت به عشاق حزین
نظر لطف نه شاها بگدایان کردی

بازاے شوخ بیاض دلم از یاد فراق
همچو اوراق کهن گشته پریشان کردی

با دل سوسن و کافر نکند عشق بتان
انچه با جان حزینم غم جانان کردی

روز من بود که روشن ز وصالش امشب
تیره اش چون رخ خویش اے شب هجران کردی

لب به تحسین تو کم مایه نه وا کرد اے طبع
شعر خود گرچه به از لعل بدخشان کردی

دور از خانقه و طاهر صائب ماندی
گرچه نظاره کشمیر و صفاهان کردی

بگذر از شعر که دیدیم نه زیبد طغرا
در تمسخر کده نامش که حیران کردی

بازای چشم همان غمزهٔ کافرفسا
غارتم کرکف او دولتِ ایمان کردی

بے تماشائے کلِ داغِ دلِ مہ مجلس است
بازای شوخ کہ قصدِ چمنستان کردی

دادی ایجان نہ نشانِ دہنِ دلکش بمن
واقعم حیف نہ از چشمۂ حیوان کردی

پرسمش گر بسر راہ دو چار مردد
قطع چون رسم محبت بمن ایجان کردی

زہر گردید خورش آب بحلقم بشکست
ہمرہِ غیر مرا دوش چو مہمان کردی

ہیچ معشوق نہ با عاشق شوریدہ کند
آنچہ اے یار تو با ترکی نالان کردی

تمت تمام شد